سیرت النبی ﷺ

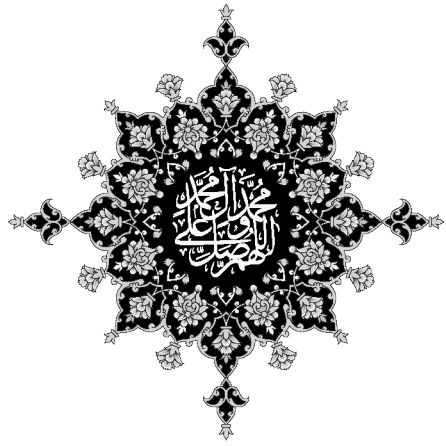

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ

جلد ہشتم

ISLAM INTERNATIONAL PUBLICATIONS LTD

سیرت النبی ﷺ
(جلد ہشتم)

Seerat-un-Nabi[sa] - *Volume 8* (Urdu)

A collection of excerpts from the sermons, writings, and speeches of Hazrat Mirza Bashir-ud-Din Mahmud Ahmad[ra] on the subject of the life of the Holy Prophet[sa]

First published in UK in 2026

© Islam International Publications Limited

Published by:
Islam International Publications Ltd
Unit 3, Bourne Mill Business Park,
Guildford Road, Farnham, Surrey GU9 9PS, UK

For more information please visit
www.alislam.org

ISBN: 978-1-84880-207-0
(*Seerat-un-Nabi*[sa] - 8 Volume set)

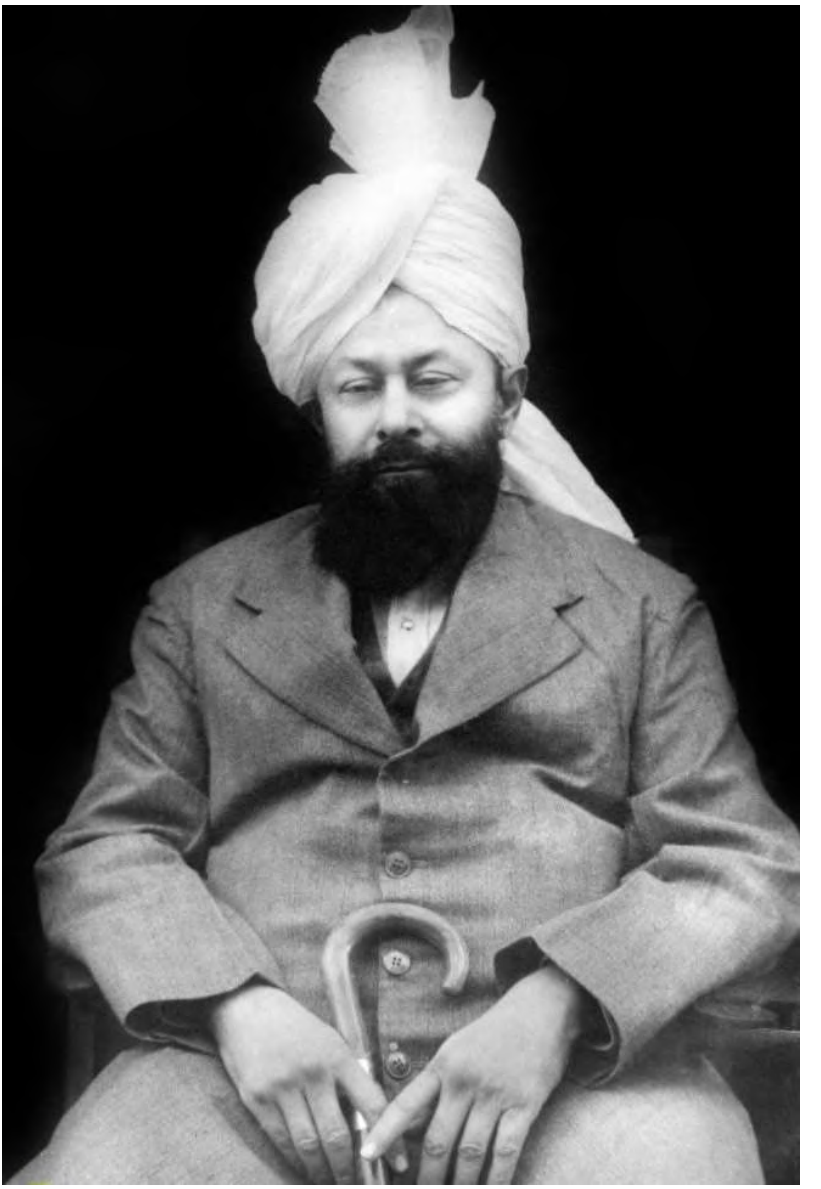

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد المصلح الموعود

خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

پیشگوئی مصلح موعود

اُس کے ساتھ فضل ہے جو اُس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔ وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا، وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت وغیوری نے اُسے کلمہء تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دل کا حلیم اور علومِ ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا (اس کے معنے سمجھ میں نہیں آئے) دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند۔ مَظْھَرُالْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ، مَظْھَرُالْحَقِّ وَالْعَلَاءِ کَاَنَّ اللّٰہَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا۔ وَ کَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا۔

(اشتہار 20 فروری 1886ء)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

آقائے دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ وجہ تخلیق کائنات تھی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے عرش معلیٰ سے یہ اعلان فرمایا کہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب: 22) کہ تمہارے لئے اللہ کے رسول کی ذات اور سیرت اسوہ حسنہ ہے۔ نیز محبت الٰہی کے حصول کی شرط اتباع نبویؐ کے ساتھ مشروط کردی۔ جس ہستی کے بلندیٔ اخلاق کی گواہی خدائے ذوالجلال نے دی اور اسے ہمارے لئے اسوہ حسنہ قرار دیا اس عالی وجود کی سیرت کا بیان یقیناً محبتِ رسولؐ کی علامت ہوگا کیونکہ آپ کی ذات صفاتِ الٰہیہ کی مظہر اتم تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپؐ کے حسن و احسان کے تذکرے صحابہؓ کی سیرت کا نمایاں پہلو اور سیرت کا بیان عاشقان رسولؐ کا خاصہ رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق اور امام الزمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے آقا کی محبت اور عشق میں ڈوب کر آپ کی سیرت بیان فرمائی اور برملا یہ اعلان فرمایا کہ

بعد از خدا بعشق محمدؐ مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے بعد میں عشقِ مصطفیٰ ﷺ میں دیوانہ ہو چکا ہوں۔ اگر اس عشق اور دیوانگی کا نام کوئی کفر رکھتا ہے تو خدا کی قسم میں ایک سخت کافر انسان ہوں۔

عشق و محبت رسولؐ کی جو لو آپ کے سینہ میں جل رہی تھی آپ نے اس کو اپنی اولاد

اوراپنے متبعین میں بھی روشن کیا۔ پسر موعود حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب جن کے بارہ میں پیشگوئی مصلح موعود میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ ''وہ حسن واحسان میں تیرا نظیر ہوگا۔'' آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے محبتِ الٰہی اور عشق رسولؐ کا جذبہ ورثہ میں بھی پایا اور پیشگوئی کے الفاظ کے مطابق آپ حسن واحسان میں آپ کے نظیر تھے۔

حضرت مصلح موعود نے خلافت سے پہلے اور 52 سالہ دور خلافت میں سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں عظیم الشان جہاد کیا۔ آپ کے دور خلافت میں بعض ایسے مواقع بھی آئے جب ہمارے ہادی ومولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان میں گستاخانہ مواد شائع کیا گیا تو آپ نے ان کا نہ صرف منہ توڑ جواب دیا بلکہ اسلام اور بانی اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خوبصورت چہرہ لوگوں کو دکھانے کی عملی سعی بھی فرمائی۔

حضرت مصلح موعود کی بیان فرمودہ سیرۃ النبی ﷺ کو آپ کی جملہ کتب، تحریرات، خطابات وخطبات سے اخذ کر کے یکجائی صورت میں مرتب کیا گیا ہے۔ یہ مواد آٹھ جلدوں میں تیار ہوا ہے۔ قبل ازیں سات جلدیں احباب کے لئے شائع ہو چکی ہیں اور اب اس کی آٹھویں اور آخری جلد احباب کے استفادہ کے لئے پیش ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس کوشش کو قبول فرمائے۔ آمین

اس کی تیاری میں حصہ لینے والے شکریہ کے مستحق ہیں اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

ناشر

فہرست عناوین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1	گناہوں سے بچنے کا آنحضرت ﷺ کا نسخہ	1
2	رسول کریم ﷺ کا ہندہ سے حسن سلوک	3
3	خطرہ کے وقت رسول کریم ﷺ کا نمونہ	5
4	نیکیوں میں آگے بڑھانے کے لئے رسول کریم ﷺ کا طریق	6
5	توبہ کی خوشی کے لئے گمشدہ بچے کی مثال	8
6	رسول کریم ﷺ اور معاہدات کی پابندی	10
7	راستوں اور بازاروں میں مجالس لگانے کی ممانعت	12
8	بیویوں سے حُسنِ معاشرت	15
9	رسول کریم ﷺ بطور قاضی	16
10	پُل صراط کی لطیف تشریح	17
11	رسول کریم ﷺ کی مشکلات	21
12	اپنی وفات کی خبر اور ابوبکرؓ سے اظہارِ محبت	22
13	رسول کریم ﷺ کی خالق اور مخلوق سے محبت	23
14	رسول کریم ﷺ کا اسم گرامی ''محمد''	25
15	ایک دشمن کا رسول کریم ﷺ سے حسن سلوک	27

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
16	صحابہ رسول کی اطاعت کے نظارے	29
17	جو خاتم النبیین کا منکر ہے وہ یقیناً اسلام سے باہر ہے	32
18	سیرت رسول کے متفرق پہلو	37
19	رسول کریم ﷺ کا صحابہؓ میں جذبہ عمل بھرنا	52
20	رسول کریم ﷺ کے ایک ارشاد کی تفسیر	53
21	رسول کریم ﷺ کی ہجرت	56
22	رسول کریم ﷺ کی ستاری	57
23	رسول کریم ﷺ کے نزدیک دعوت الی اللہ کی اہمیت	59
24	رسول کریم ﷺ کا ایک غریب صحابیؓ سے پیار	62
25	رسول کریم ﷺ کی عالمگیر بعثت اور عالمگیر شریعت	63
26	رسول کریم ﷺ کے صبر و برداشت کا واقعہ	67
27	رسول کریم ﷺ کے ذریعہ دشمنان اسلام کے عبرت ناک انجام کی خبر	70
28	سیرت نبوی ﷺ کے متفرق پہلو	78
29	رسول کریم ﷺ کی طرف سے ہجرت کی اجازت	108
30	غیر مسلموں کے جذبات کا پاس	110
31	لڑائیوں کے بارہ میں رسول کریم ﷺ کی ہدایات	112
32	جنگ میں ایمان لانے والے شخص کو قتل کرنے پر ایک صحابی سے شدید ناراضگی	116

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
33	رسول کریم ﷺ کی گرفتاری کیلئے کسریٰ کا ظالمانہ حکم اور اس کی ہلاکت	118
34	غریب صحابی کو فرمانا کہ تمہارا خریدار تو خود خدا ہے	122
35	مسجد نبوی میں بیٹھ کر تمام دنیا کو فتح کرنے کے عزائم	124
36	رسول کریم ﷺ سب انبیاء سے زیادہ معصوم	130
37	طائف سے واپسی پر مطعم بن عدی کا نبی کریم ﷺ سے سلوک	132
38	انصار مدینہ سے معاہدہ اور انصار کی فدائیت	135
39	رسول کریم ﷺ کی شفاعت حاصل کرنے کا طریق	138
40	حضرت خدیجہؓ سے شادی اور ان کی قدردانی	142
41	رسول کریم ﷺ پر دشمن کی شدید یلغار اور صحابہؓ کی قربانیاں	148
42	رسول کریم ﷺ اور اصلاح قلوب	153
43	ہجرت کے بعد رسول کریم ﷺ کا مدینہ کو مرکز بنانا	156
44	کفار کی مخالفت کے جواب میں رسول کریم ﷺ کی پُرحکمت تدابیر	158
45	رسول کریم ﷺ کا ایک بیمار کا علاج تجویز فرمانا	161
46	رسول کریم ﷺ کی مجلس کی برکات	163
47	رسول کریم ﷺ پر اعتراض کے خطرناک نتائج	165
48	رسول کریم ﷺ کا عدل وانصاف	168

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
49	رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں بھی کمزور لوگ تھے	170
50	رسول کریم ﷺ کی مساوات	172
51	رسول کریم ﷺ کی نظر میں ہماری ذاتی اور معاشرتی ذمہ داریاں	174
52	رسول کریم ﷺ پر ایک انصاری نوجوان کا اعتراض	178
53	جنگ بدر میں نصرت الٰہی حاصل کرنے کے لئے رسول کریم ﷺ کی گریہ وزاری	180
54	رسول کریم ﷺ کی زندگی ایک کھلی کتاب	182
55	رسول کریم ﷺ کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈا کے بداثرات	185
56	رسول کریم ﷺ کا اہل مدینہ کے ساتھ معاہدہ	188
57	خلع کے متعلق رسول کریم ﷺ کا نمونہ	189
58	برائیوں سے نجات کیلئے نبی کریم ﷺ کا ایک نسخہ	190
59	کلام الٰہی پر نبی کریم ﷺ کا غیر متزلزل ایمان	191
60	رسول کریم ﷺ کی روحانی اولاد کے لئے معجزات	193
61	آنحضور ﷺ صفتِ ربّ العالمین کا مظہر	196
62	فتح مکہ کے موقع پر رسول کریم ﷺ کا دشمنوں سے سلوک	199
63	رسول کریم ﷺ اعلیٰ درجہ کے طبیب	202
64	مدینہ میں رسول کریم ﷺ کی غیر معمولی کامیابیاں	204
65	نبی کریم ﷺ کے متعلق حضرت خدیجہؓ کی گواہی	205

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
66	رسول کریم ﷺ کا توکل	206
67	رسول کریم ﷺ غیر معمولی نصرت الٰہی کے مورد	209
68	رسول کریم ﷺ پر نازل ہونے والی وحی	211
69	مالی قربانی سے متعلق رسول کریم ﷺ کی ایک وضاحت	216
70	عالم روحانی کے سب سے بڑے سمندر	217
71	حق کھلنے پر اہل مدینہ کا ردعمل	221
72	رسول کریم ﷺ کا عدل وانصاف	223
73	عیسائی مصنف کارلائل کا نبی کریم ﷺ کی عظمت کا اعتراف	225
74	رسول کریم ﷺ کے اخلاق فاضلہ کے اپنوں اور غیروں پر اثرات	226
75	جنگ احزاب میں کامیابی کی ایک تدبیر	229
76	رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ کی فدائیت	232
77	آنحضرت ﷺ کی حفاظت کا الٰہی وعدہ	234
78	رسول کریم ﷺ کا غلاموں سے حسن سلوک	242
79	رسول کریم ﷺ کی امت کا مقام	245
80	رسول کریم ﷺ کی صحابیات کی قربانیاں	248
81	رسول کریم ﷺ کی حفاظت کا وعدہ	256
82	رسول کریم ﷺ کی قوت قدسیہ کا واقعہ	258
83	جنگ حنین اور نبی کریم ﷺ کی شجاعت	260
84	غزوہ احد کی روشنی میں رسول کریم ﷺ کی سیرت	266

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
85	رسول کریم ﷺ کی جنگ احد میں حکمت عملی	275
86	محمدیؐ باغات کی مثالیں	277
87	محمدی باغات کے نمونے	287
88	رسول کریم ﷺ کے لیے آیات بینات کا ظہور	293
89	جنگ احد کے تناظر میں رسول کریم ﷺ اور صحابہ کی سیرت	310
90	حقیقی عید رسول کریم ﷺ کا جھنڈا ہمیشہ کھڑا رکھنے میں ہے	316
91	رسول کریم ﷺ کی تائید و نصرت الٰہی کے نظارے	318
92	خدائی کلام پر رسول کریم ﷺ کا ایمان	322
93	رسول کریم ﷺ کا مقام محمود	323
94	ایک حقیقی مومن رسول کریم ﷺ کے نقش قدم پر چل کر خدا تعالیٰ کا مقرب بن سکتا ہے	327
95	سورۃ الکوثر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانی اولاد عطا ہونے کی پیشگوئی	329
96	رسول کریم ﷺ کے دعویٰ کی عظمت	341
97	رسول کریم ﷺ کے مومنوں پر احسانات	343
98	رسول کریم ﷺ کی شجاعت اور آپؐ کے صحابہؓ کی قربانیاں	347
99	رسول کریم ﷺ کے ضعف اور طاقت دونوں اَدوار میں اللہ تعالیٰ کی غیر معمولی تائید و نصرت	351
100	رسول کریم ﷺ کی سیرت کے متفرق پہلو	365

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
101	صحابہ رسول ﷺ کی بے مثال قربانیاں	383
102	آنحضرت ﷺ کی آخری بیماری اور نماز کی تڑپ	384
103	رسول کریم ﷺ اللہ کے شکر گزار بندے	387
104	آنحضور ﷺ کا صبر اور حضرت حمزہؓ کا قبول اسلام	388
105	فتح مکہ اور آنحضور ﷺ کا خلق عظیم	391
106	ایک غیر مسلم کی گواہی کہ آنحضور ﷺ سب سے بڑے نبی تھے	407
107	صحابہ رسول ﷺ کی فدائیت	409
108	غریب صحابی سے کمال محبت کا اظہار	412
109	کلام الٰہی کی سچائی پر یقین	413
110	آپ ﷺ کی زبردست قوت قدسیہ	415
111	آنحضرت ﷺ کی کامل اطاعت اور فدائیت کے نمونے	420
112	اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان اور توکل	428
113	آنحضور ﷺ کے لئے حضرت ابوبکرؓ کی جانثاری	431
114	آنحضرت ﷺ کی وفات پر حضرت ابوبکرؓ کا عظیم نمونہ	433
115	ابوجہل کے آنحضور ﷺ پر مظالم اور اس کے بیٹے کی قربانیاں	438
116	دشمنوں کی اولاد آپ ﷺ کی غلام بن گئی	441
117	شاہِ ایران کے انجام کے بارے آپ ﷺ کی پیشگوئی	444
118	آنحضور ﷺ گزشتہ انبیاء کے مثیل بھی تھے	447

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
119	ہندوستان میں بھی نبی گزرا ہے	448
120	آپ ﷺ کا فرمانا کہ مجھے علم غیب حاصل نہیں	450
121	رسول کریم ﷺ کا صحابہؓ سے مشورہ لینا	452
122	تقسیم اموال پر اعتراض کرنے والے سے عفو کا سلوک	454
123	آنحضرت ﷺ کی اخلاقی تعلیمات	456
124	اللہ تعالیٰ کی عظمت کا قیام	458
125	دونوں جہانوں کے سردار	460
126	خیر رُسل اور خیر اُمم	461
127	دنیا کے چپہ چپہ پر آنحضور ﷺ کی حکومت قائم کی جائے	462
128	آنحضور ﷺ کا کام قیامت تک جاری رہے گا	468
129	اللہ تعالیٰ کی بندوں سے محبت کی ایک مثال	469
130	آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے دین کی حفاظت کیلئے صحابہ کی قربانیاں	470
131	صحابہ رسول ﷺ کا بلند مرتبہ	474
132	حضرت ابوبکرؓ کی اطاعتِ رسول ﷺ	476
133	آپ ﷺ کی قوت قدسیہ	478
134	صحابہ رسول ﷺ کے نمونہ کی ضرورت	480

گناہوں سے بچنے کا آنحضرت ﷺ کا نسخہ

حضرت مصلح موعود نے 14 مارچ 1952ء کے خطبہ جمعہ میں بیان فرمایا:۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دفعہ ایک شخص آیا اور اُس نے عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میں تین گناہوں میں مبتلا ہوں۔ میں نے انہیں چھوڑنے کی بہت کوشش کی ہے لیکن یہ گناہ مجھ سے چھٹتے نہیں اور وہ گناہ جھوٹ، شراب پینا اور بدکاری کرنا ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مجھ سے ایک سودا کرلو اور وہ سودا یہ ہے کہ تم ایک گناہ یعنی جھوٹ بولنا چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ چاہے گا تو تم باقی دو گناہوں سے بھی بچ جاؤ گے۔ اس نے کہا یہ تو نہایت آسان بات ہے۔ ایک گناہ میں چھوڑ دیتا ہوں چنانچہ اس نے جھوٹ بولنا چھوڑ دیا۔ چند دن کے بعد وہ پھر واپس آیا اور اس نے عرض کیا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میں نے ایک گناہ چھوڑا تھا باقی دونوں گناہ تو آپ ہی آپ چھٹ گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا باقی دو گناہ کیسے چھٹ گئے؟ اس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میرا دل چاہا کہ شراب پیوں مگر مسلمانوں کا ماحول تھا میں نے خیال کیا کہ اگر میں نے شراب پی تو مسلمان برا منائیں گے۔ پھر خیال آیا کہ چوری چھپے پی لوں لیکن پھر خیال آیا کہ اگر آپؐ نے پوچھ لیا کہ کیا تم نے شراب پی ہے اور میں نے انکار کیا تو یہ جھوٹ ہوگا اور جھوٹ نہ بولنے کا وعدہ میں نے آپ سے کیا ہے۔ اور اگر اقرار کرلیا تو اس کی سزا پاؤں گا۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ شراب نہیں پیوں گا تا کہ میں جھوٹ سے بچا رہوں۔ اسی طرح بدکاری تھی۔ چونکہ میں نے وعدہ کیا تھا کہ میں جھوٹ نہیں بولوں گا اس لیے اس کے نتیجہ میں مَیں نے بدکاری کو بھی چھوڑ دیا۔ کیونکہ اگر میں بدکاری کرتا اور پھر انکار کر دیتا کہ میں نے ایسا

نہیں کیا تو یہ جھوٹ ہوتا۔اور اگر اقرار کرتا تو اس کی سزا پاتا۔ پس میں نے فیصلہ کیا کہ بدکاری بھی نہیں کروں گا تا آپ کے پاس جھوٹ نہ بولنا پڑے۔''1

(الفضل 9 اگست 1961ء صفحہ 2)

1: تفسیر کبیر امام رازی جلد 8 صفحہ 419 مطبوعہ قاھرہ 2012ء

رسول کریم ﷺ کا ہندہ سے حسن سلوک

حضرت مصلح موعود نے 21 مارچ 1952ء کو ناصر آباد اسٹیٹ میں خطبہ جمعہ کے دوران فرمایا:۔

''ہندہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید دشمن تھی۔ اس نے آپؐ کے بعض رشتہ داروں کے متعلق اعلان کیا ہوا تھا کہ ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجے نکال لئے جائیں اور ان کے ناک کان وغیرہ کاٹ لئے جائیں۔ عرب میں یہ رسم تھی کہ اپنے دشمن کو ذلیل کرنے کے لئے اُس کے ناک اور کان وغیرہ کاٹ دیئے جاتے۔ چنانچہ ہندہ نے حضرت حمزہؓ کا پیٹ چاک کرا کے آپ کا کلیجہ نکلوایا تھا۔ اسی طرح آپ کے کان اور ناک بھی کٹوائے۔ جب مکہ فتح ہوا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں کے متعلق جنہوں نے مسلمانوں پر وحشیانہ مظالم کئے تھے اور جو تعداد میں پانچ سات تھے یہ فتویٰ دیا کہ اُنہیں معاف نہیں کیا جائے گا بلکہ جہاں کہیں وہ ملیں اُنہیں قتل کر دیا جائے۔ ان میں ہندہ بھی شامل تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب عورتوں کی بیعت لینے لگے تو بیعت میں یہ اقرار بھی لیا جاتا تھا کہ ہم شرک نہیں کریں گی۔ جب آپؐ نے یہ الفاظ کہے کہ ہم شرک نہیں کریں گی تو ایک عورت بول اٹھی کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! کیا ہم اب بھی شرک کریں گی؟ کیا اب بھی توحید میں کوئی شبہ باقی ہے؟ ہندہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ دار تھیں اور آپؐ اُس کی آواز پہچانتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کیا ہندہ ہے؟ مطلب یہ تھا کہ تمہارے لئے تو موت کی سزا کا حکم ہے۔ ہندہ دلیر عورت تھی وہ ہنس کر کہنے لگی یَارَسُوْلَ اللّٰہ! اب آپؐ کا زور مجھ پر نہیں

چل سکتا، میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھ چکی ہوں اور مسلمان ہو چکی ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے 1۔ غرض ہندہ مسلمان ہوئی اور بعد میں اس نے اسلام کی خدمات بھی کیں۔ اُس کا اُس وقت یہ کہنا کہ کیا ہم اب بھی شرک کریں گی؟ یہ ایک طبعی فقرہ تھا کہ ہم شرک کرتے تھے اور آپ توحید کی تعلیم دیتے تھے۔ آپؐ اکیلے تھے اور ہمارے ساتھ ساری قوم تھی۔ ساری قوم نے زور لگایا اور کہا یہ بت ہے وہ بت ہے ہم ان کی مدد سے یوں کریں گے، یوں کریں گے۔ پھر ہمارے پاس طاقت تھی اور آپؐ کمزور تھے۔ لیکن ہم ہار گئے اور آپؐ جیت گئے۔ ہمارے سارے بت ٹوٹ گئے لیکن خدا تعالیٰ نے آپؐ کی مدد کی۔ کیا اتنا بڑا نقصان دیکھنے کے بعد بھی اس میں کوئی شبہ باقی رہ جاتا ہے کہ خدا ایک ہے۔'' (الفضل 20 ستمبر 1961ء صفحہ 3)

1: السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 204، 205 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولیٰ

خطرہ کے وقت رسول کریم ﷺ کا نمونہ

حضرت مصلح موعود نے 4 اپریل 1952ء کو خطبہ جمعہ ارشاد کرتے ہوئے فرمایا:۔

''مسلمانوں کے لئے جمع ہونے والی جگہ مسجد ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک دفعہ شورش ہوئی۔ اُس وقت خطرہ تھا کہ کہیں قیصرِ روم حملہ نہ کردے۔ چنانچہ ایک رات کچھ شور ہوا تو لوگوں نے سمجھا کہ قیصر کی فوجوں نے حملہ کر دیا ہے۔ وہ تلواریں اور نیزے ہاتھ میں لے کر باہر نکلے تو سوال پیدا ہوا کہ وہ جائیں کہاں۔ بعض صحابہؓ نے مشورہ دیا کہ ہمیں شہر کے دروازے کی طرف جانا چاہیے لیکن بعض نے کہا ہمیں مسجد کی طرف جانا چاہیے اس لئے کہ مسجد ہی مسلمانوں کے لئے جمع ہونے کی جگہ ہے۔ جس شخص کو بھی خطرہ کا پتا لگے گا وہ مسجد میں آجائے گا یا کسی آدمی کے ہاتھ اطلاع بھیج دے گا۔ اگر ہم سب ایک طرف چلے گئے اور دوسری طرف لڑائی ہوگئی تو ہمیں لڑائی کا کیا پتا لگے گا۔ غرض وہ سب مسجد میں جمع ہو گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب شور سنا تو آپؐ گھوڑے پر سوار ہو کر اکیلے ہی شور کا پتا کرنے کے لئے چلے گئے۔ جب واپس آئے تو دیکھا کہ صحابہؓ مسجد میں جمع ہیں۔ آپؐ نے اُن کے اس فعل کی تعریف کی اور فرمایا خطرہ کے وقت میں جمع ہونے کے لئے یہی موزوں جگہ تھی۔''[1] (الفضل 25 جنوری 1961ء صفحہ 4)

---

[1]: بخاری کتاب الجهاد والسیر باب السرعة والرکض فی الفزع صفحہ 491 حدیث نمبر 2969 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

نیکیوں میں آگے بڑھانے کے لئے رسول کریم ﷺ کا طریق

حضرت مصلح موعود نے 16 مئی 1952ء کو ربوہ میں خطبہ جمعہ کے دوران فرمایا:۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دفعہ غربا آئے اور انہوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! امیر لوگ بعض ایسی نیکیاں کرتے ہیں جن کی ہمیں توفیق نہیں ہوتی۔ وہ چندے دیتے ہیں، وہ صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور اس طرح نیکیوں میں ہم سے آگے نکل جاتے ہیں۔ باقی نیکیاں ایسی ہیں جو ہم بھی کرتے ہیں اور وہ بھی کرتے ہیں۔ جہاد ہم بھی کرتے ہیں اور وہ بھی کرتے ہیں۔ نمازیں ہم بھی پڑھتے ہیں اور وہ بھی پڑھتے ہیں۔ روزے ہم بھی رکھتے ہیں اور وہ بھی رکھتے ہیں۔ لیکن روپیہ ہمارے پاس نہیں وہ چندے دینے کی وجہ سے ہم سے آگے نکل جاتے ہیں۔ اب ہم اس کا کس طرح ازالہ کریں؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آؤ میں تمہیں ایک ایسی بات بتاؤں کہ اگر تم اس پر عمل کرو گے تو قیامت کے دن اُن سے زیادہ درجہ پالو گے اور وہ یہ ہے کہ ہر نماز کے خاتمہ پر تینتیس دفعہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تینتیس دفعہ سُبْحَانَ اللّٰہِ اور چونتیس دفعہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ لیا کرو۔ وہ بڑے خوش ہوئے۔ اُنہوں نے اس پر عمل شروع کر دیا۔ مگر کسی طرح امیروں کو بھی اس بات کا پتا لگ گیا اور انہوں نے بھی ہر نماز کے بعد سُبْحَانَ اللّٰہِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ کا ورد شروع کر دیا۔ غریب صحابہؓ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا

یَارَسُوْلَ اللّٰہ! ان امرا کو روکیے۔ پہلے یہ چندے دیتے تھے اور ہم ان سے آگے نہیں بڑھ سکتے تھے۔ آپ نے ہمیں آگے نکلنے کی ایک ترکیب بتائی تو اب اُس پر بھی امرا نے عمل شروع کر دیا ہے اور وہ پھر ہم سے آگے نکل گئے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر خدا کسی کو نیکی کا موقع دیتا ہے تو میں اُسے کس طرح روک سکتا ہوں۔'' 1

(الفضل 3 جون 1952ء صفحہ 5)

1: مسلم کتاب المساجد باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ صفحہ 241 حدیث نمبر 1347 مطبوعہ ریاض 2000ء الطبعۃ الثانیۃ

توبہ کی خوشی کے لئے گمشدہ بچے کی مثال

حضرت مصلح موعود نے یکم اگست 1952ء کو خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ بدر میں ایک عورت کو دیکھا۔ اُس وقت کفار میں افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ اس عورت کا بچہ کہیں گم ہو گیا۔ جنگ میں عورتیں بھی آئی ہوئی تھیں۔ ان کی نیت نیک نہیں تھی۔ وہ اس ارادہ سے میدانِ جنگ میں آئی تھیں تا اپنے مردوں کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے اُکسائیں۔ خدا تعالیٰ نے ان کی خواہش کو پورا نہ کیا۔ دشمن کی فوج میں بھاگڑ[1] مچ گئی اور اس کے نتیجہ میں بہت سے بچے اپنی ماؤں سے جدا ہو گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک عورت میدانِ جنگ میں اِدھر اُدھر پھر رہی ہے۔ وہ ہر بچے کے پاس جو اسے دکھائی دیتا ہے، جاتی ہے اور اسے اٹھا کر پیار کرتی ہے اور پھر آگے چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اُس کا اپنا بچہ مل گیا۔ اُس نے اُسے اپنی چھاتی سے لگا لیا اور ایک طرف ہٹ کر ایک پتھر پر اطمینان کے ساتھ جا بیٹھی۔ لوگ مارے جا رہے تھے لیکن وہ اس سے بےفکر ہو کر ایک طرف اپنے بچے کو لے کر بیٹھ گئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا تم نے اس عورت کو دیکھا! یہ میدانِ جنگ میں اِدھر اُدھر بھاگی پھرتی تھی۔ اب اسے بچہ مل گیا ہے تو کس آرام سے ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا جب ایک گنہگار انسان توبہ کر کے اپنے رب کی طرف آتا ہے تو اُسے بھی اس قدر خوشی ہوتی ہے جس قدر خوشی اس ماں کو اپنے گم شدہ بچہ کے ملنے سے ہوئی ہے۔''[2]

(الفضل 8 اگست 1952ء صفحہ 3، 4)

1: **بھاگڑ**: بھاگڑ مچنا: شکست ہو جانا، بد انتظامی ہونا۔ (فیروز اللغات اردو جامع صفحہ 230 مطبوعہ لاہور 2010ء)

2: بخاری کتاب الادب۔ باب رَحْمَةُ الْوَلَدِ وَ تَقْبِيلِهِ وَ مُعَانَقَتِهِ صفحہ 1050 حدیث نمبر 5999 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

رسول کریم ﷺ اور معاہدات کی پابندی

مسلم لاء کالج سندھ کے سہ ماہی رسالہ ''پاکستان لاء ریویو'' کے اگست 1952ء کے شمارہ میں حضرت مصلح موعود کا رقم کردہ مضمون شائع ہوا۔ آپ تحریر کرتے ہیں کہ:۔

''ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مکہ والوں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا تھا جو تاریخ میں صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس معاہدہ کی ایک شرط یہ تھی کہ اگر کوئی مسلمان کفر اختیار کر لے تو اسے مکہ واپس جانے کا پورا اختیار ہوگا لیکن اس کے برعکس اگر کوئی کافر اسلام لے آئے تو اسے مدینہ کی اسلامی ریاست میں رہنے کی اجازت نہیں ہوگی بلکہ اسے اس کے وارثوں اور رشتہ داروں کے پاس واپس بھیج دیا جائے گا۔ یہ شرط مسلمانوں کے لئے بظاہر نقصان دہ اور ذلیل کن معلوم ہوتی تھی اور انہوں نے اس ہتک کو محسوس بھی کیا یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے لیڈر بھی کچھ وقت کے لئے تذبذب میں پڑ گئے۔ ابھی اس معاہدہ پر دستخط ہوئے ہی تھے کہ ایک نوجوان جس کا نام ابوجندل تھا بیڑیوں میں جکڑا ہوا بمشکل تمام اس مجلس میں آ پہنچا جہاں اس کے باپ سہیل نے ابھی ابھی مکہ والوں کی طرف سے معاہدہ پر دستخط کئے تھے۔ سہیل نے فوراً مطالبہ کیا کہ معاہدہ کے مطابق ابوجندل کو مکہ واپس کیا جائے۔ مسلمانوں نے جب اس معاہدہ کا عملی پہلو دیکھا تو اسے نہایت خطرناک اور ذلیل کن خیال کیا اور ابوجندل کی حفاظت میں فوراً تلواریں کھینچ لیں لیکن رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سمجھایا اور فرمایا خدا کے رسول اپنا عہد کبھی توڑا نہیں

کرتے۔''[1] (الفضل 20 ستمبر 1952ء صفحہ 5)

[1]: السیرۃ النبویۃ لابن ھشام الجزء الثانی صفحہ 1108، 1109 مطبوعہ دمشق 2005ء

راستوں اور بازاروں میں مجالس لگانے کی ممانعت

حضرت مصلح موعود نے 29/اگست 1952ء کو ربوہ میں خطبہ جمعہ کے دوران فرمایا:۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق آتا ہے کہ آپ بازار میں بیٹھنا یا باتیں کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔1 لیکن آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ ان باتوں کو معیوب خیال نہیں کرتے اور نہ صرف معیوب خیال نہیں کرتے بلکہ ان باتوں کو فیشن ایبل خیال کیا جاتا ہے۔ بجائے اس کے کہ لوگ اپنے دوستوں کو اپنے گھروں پر بلائیں وہ مناسب سمجھتے ہیں کہ بازاروں میں کسی چبوترے پر بیٹھ کر مجلس کریں۔ وہ آپس میں بے تکلفی سے مذاق کرتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض لوگ اس کے اہل نہیں ہوتے اور وہ اس مذاق پر لڑائی جھگڑے پر اتر آتے ہیں۔ یہ ناپسندیدہ امر ہے اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ دوستوں کو چاہیے کہ وہ اس قسم کی مجالس اپنے گھروں پر کیا کریں۔ اپنے گھروں پر اپنے دوستوں کو بلاؤ اور بے شک اُن سے بے تکلفانہ باتیں کرو۔ اسلام یہ نہیں کہتا کہ تم سوشل نہ بنو، اسلام یہ نہیں کہتا کہ تم ہر وقت چڑچڑا پن اختیار کئے رکھو۔ اسلام مذاق کی اجازت بھی دیتا ہے، اسلام سوشل بننے کو پسند کرتا ہے۔ مثلاً اسلام کہتا ہے کہ یہ بھی صدقہ ہے کہ تمہیں کوئی دوست ملے تو وہ تمہارے چہرے پر بشاشت دیکھے۔2 اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں سوشل بننا منع نہیں۔ لیکن ہر چیز کا موقع اور محل ہوتا ہے۔ شریعت بھی کہتی ہے کہ دینی اور قومی کام مسجد میں کرو۔ باقی ذاتی کام گھر میں کیا کرو۔ بازاروں میں بیٹھ کر ایسی مجالس کرنا منع ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی صحابیؓ نے کھانے پر بلایا۔ بعض صحابہؓ بھی

مدعو تھے جن میں حضرت علیؓ بھی شامل تھے۔ آپؐ کی عمر نسبتاً چھوٹی تھی اس لئے بعض صحابہؓ کو آپؐ سے مذاق کی سوجھی۔ وہ کھجوریں کھاتے جاتے تھے اور گٹھلیاں حضرت علیؓ کے سامنے رکھتے جاتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اسی طرح کر رہے تھے۔ حضرت علیؓ جوان تھے کھانے میں مصروف رہے اور اس طرف دیکھا نہیں۔ جب دیکھا تو گٹھلیوں کا ڈھیر آپ کے سامنے لگا ہوا تھا۔ صحابہؓ نے مذاقاً حضرت علیؓ سے کہا تم نے ساری کھجوریں کھالی ہیں!! یہ دیکھو! ساری گٹھلیاں تمہارے آگے پڑی ہیں۔ حضرت علیؓ کی طبیعت میں بھی مذاق تھا چڑچڑا پن نہیں تھا۔ چڑچڑا پن ہوتا تو آپ صحابہؓ سے لڑ پڑتے اور کہتے کہ آپ مجھ پر الزام لگاتے ہیں یا مجھ پر بدظنی کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ سمجھ گئے کہ یہ مذاق ہے جوان سے کیا گیا ہے۔ اب میری خوبی یہ ہے کہ میں بھی اس کا جواب مذاق میں دوں۔ آپؓ نے فرمایا آپ سب گٹھلیاں بھی کھا گئے ہیں لیکن میں گٹھلیاں رکھتا رہا ہوں۔ اور ثبوت اس کا یہ ہے کہ گٹھلیوں کا ڈھیر میرے سامنے پڑا ہے۔ صحابہؓ پر یہ مذاق اُلٹ پڑا۔ پس اس قسم کی باتیں اپنی مجالس میں کی جاسکتی ہیں۔ خوش طبعی سے اسلام روکتا نہیں۔ لیکن اگر ایسی باتیں بازاروں میں کی جائیں تو کئی لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے اخلاق بلند نہیں ہوتے، وہ مذاق بگاڑ کر کریں گے اور اگلا آدمی اَور بگاڑے گا۔ یعنی یہ مذاق بڑھتا جائے گا اور لڑائی جھگڑے پر منتج ہوگا۔ اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم ایسی مجالس بازاروں میں نہ کیا کرو کیونکہ تم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ کون سا شخص اس قابل ہے کہ تم اُس سے مذاق کرو اور کون سا شخص تمہارے مذاق کو سمجھے گا نہیں۔ بعض دفعہ انسان کسی شخص سے ایسا مذاق کر لیتا ہے جو جائز ہوتا ہے لیکن اس کا نتیجہ صحیح نہیں نکلتا سننے والے اس سے اَور نتیجہ نکال لیتے ہیں۔'' (الفضل 11 ستمبر 1952ء صفحہ 3، 4)

1: مسلم کتاب اللباس و الزینة باب النّهی عن الجلوس فی الطرقات و اعطاء الطریق حقّهٗ صفحہ 948 حدیث نمبر 5563 مطبوعہ ریاض 2000ء الطبعة الثانية

2: ترمذی ابواب البر و الصلة باب ما جاء فی صنائع المعروف صفحہ 454 حدیث نمبر 1956 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الاولیٰ۔ترمذی ابواب البر و الصلة باب ماجاء فی طلاقة الوجه وحسن البشر صفحہ 457 حدیث نمبر 1970 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الاولیٰ

بیویوں سے حُسنِ معاشرت

حضرت مصلح موعود نے 5 ستمبر 1952ء کو خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی بیویوں کے ساتھ پھرتے تھے۔ایک دفعہ لشکر کے سامنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہؓ دوڑے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہار گئے اور حضرت عائشہؓ جیت گئیں۔ دوسری دفعہ پھر دوڑے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیت گئے اور حضرت عائشہؓ ہار گئیں کیونکہ حضرت عائشہؓ کا جسم کچھ موٹا ہو گیا تھا۔اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یَا عَائِشَۃُ تِلْکَ بِتِلْکَ عائشہ! اُس ہار کے بدلہ میں یہ ہار ہو گئی 1۔غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کے ساتھ پھرنا معیوب خیال نہیں فرماتے تھے اور جس بات کی اجازت اسلام نے دی ہے اُس کو عیب نہیں کہا جا سکتا۔'' (الفضل 8 اکتوبر 1952ء صفحہ 3)

1: سنن ابی داؤد کتاب الجهاد باب فی السبق علی الرجل صفحہ 373 حدیث 2578 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الاولیٰ میں ''هٰذِهٖ بِتِلْک السَّبْقَةِ'' کے الفاظ ہیں۔

رسول کریم ﷺ بطور قاضی

حضرت مصلح موعود نے 5 ستمبر 1952ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دفعہ دو جھگڑنے والے آئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا تعالیٰ نے مجھے کہا ہے کہ میں تم میں سے ایک فریق کو قسم دوں۔ اس پر الزام لگانے والے نے کہا اگر آپؐ نے قسم دی اور اس پر فیصلہ دے دیا تو یہ مقدمہ جیت گیا۔ یہ تو سو جھوٹی قسمیں بھی کھا سکتا ہے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا جو خدا تعالیٰ نے کہا ہے میں مانوں گا تمہاری بات نہیں مانوں گا۔ اگر یہ جھوٹی قسم کھائے گا تو خدا تعالیٰ اسے خود سزا دے گا۔''

(الفضل 8 اکتوبر 1952ء صفحہ 4)

پُل صراط کی لطیف تشریح

حضرت مصلح موعود نے 10/اکتوبر 1952ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قیامت کے دن لوگ پُل صراط کے اوپر سے، جو بال سے بھی زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے بھی زیادہ تیز ہوگی، گزریں گے۔ کچھ لوگ تو ایسے ہوں گے کہ وہ پُل صراط پر سے بجلی کی طرح گزر جائیں گے۔ کچھ ہوا کی تیزی کی طرح اس پر سے گزر جائیں گے۔ کچھ گھوڑے کی طرح دوڑتے ہوئے اس پر سے گزر جائیں گے۔ کچھ لوگ تیزی سے چلتے ہوئے اس پر سے گزر جائیں گے۔ کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو گھسٹتے ہوئے اس پر سے گزر جائیں گے[1]۔ درحقیقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں مومن کی کوششوں کا نقشہ کھینچا ہے۔ بعض لوگ اس بے وقوفی کی امید میں ہیں کہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ ایک لمبی تلوار لے کر ایک پُل بنائے گا۔ اُس تلوار کی دھار پر سے کوئی گھوڑے کی طرح دوڑتا ہوا نکل جائے گا، کوئی آدمی کے تیز دوڑنے کی طرح دوڑتا ہوا نکل جائے گا، کوئی آدمی کے چلنے کی طرح چل کر اس پر سے گزر جائے گا اور کوئی سرینوں کے بل گھِسٹتا ہوا اُس پر سے گزر جائے گا۔ مگر کیا تلوار کی دھار جیسے تیز پُل پر سے گزرنا ممکن بھی ہے؟ کیا بال سے باریک پُل پر سے گزرنا انسان کی طاقت میں ہے؟ ذرا ایک بال پر گھٹنے رکھ کر دیکھو تم اسے کتنا بھی مضبوط تصور کر لو۔ کیا تم اُس پر ایک کے بعد دوسرا گھٹنہ رکھ سکتے ہو؟ نٹ[2] رسّے باندھ کر اُن پر ناچا کرتے ہیں۔ لیکن نٹ بھی رسّوں پر ناچتے ہیں بال پر یا تلوار کی دھار پر نہیں۔ پھر بجلی کی طرح چلنا تو انسان کی طاقت میں

نہیں۔ ہوا کی طرح اڑنا انسان کی طاقت میں نہیں۔ بے شک احادیث سے پتا لگتا ہے کہ قیامت کے دن بعض لوگ پُل صراط پر سے بجلی کی طرح تیزی سے گزریں گے اور گزشتہ انبیاء کی روایات سے بھی پُل صراط پر سے تیز دوڑ کر گزرنے کا پتا لگتا ہے لیکن یہ سب تمثیلی زبان ہے۔ اور پھر سوال یہ ہے کہ ہم اگلے جہان میں وہ گڑھا کہاں پائیں گے جس کے ایک سِرے سے دوسرے سِرے تک ہمیں پُل سے گزر کر جانا ہو گا۔ وہ پُل کن دو سِروں کو ملاتا ہو گا؟ اس دنیا اور اگلی دنیا کا تو آپس میں کوئی تعلق نہیں۔ یہ دنیا جسمانی ہے اور اگلی دنیا روحانی۔ اس لئے اس دنیا سے اگلی دنیا میں جانے کے لئے کسی پُل کی ضرورت ہی نہیں۔ عزرائیل جان نکالتا ہے اور انسان اگلے جہان میں چلا جاتا ہے۔ لاکھوں انسان ہر روز اگلے جہان میں جاتے ہیں۔ ان کے جانے کے لئے کسی پُل کی ضرورت نہیں۔ وہ پُل جو بال سے زیادہ باریک ہو گا ہمیں تو نظر نہیں آتا۔ وہ پُل جو تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہو گا ہمیں دکھائی نہیں دیتا۔ وہ پُل جس پر سے لاکھوں روحیں روزانہ جاتی ہیں کسی نے نہیں دیکھا۔ پھر یہ پُل کس لئے ہے؟ اگر یہ پُل انسانوں کے گزرنے کے لئے ہے تو لاکھوں روحیں روزانہ اگلے جہان جاتی ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے جانے کے لئے کسی پُل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ عزرائیل آتا اور جان نکالتا ہے۔ روح اگلے جہان کو پرواز کر جاتی ہے اور جسم اس مادی دنیا میں رہ جاتا ہے۔ ان لاکھوں روحوں کے لئے جو اس جہان سے دوسرے جہان میں جاتی ہیں کسی پُل کی ضرورت نہیں۔ پھر انسان کے لئے اگلے جہان میں کسی پُل کی کیا ضرورت ہو گی۔

دراصل یہ تمثیلی زبان ہے۔ نادانوں نے اسے حقیقت سمجھ کر مادیات کی طرف لے جانے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ اگر اسے مادیات کی طرف لے جایا جائے تو یہ بات ہنسی کے قابل بن جاتی ہے۔ درحقیقت یہ پُل صراط وہ فاصلہ ہے جو مادیت اور روحانیت کے درمیان ہے۔ پُل صراط وہ فاصلہ نہیں جو اس دنیا اور دوسری دنیا

کے درمیان ہے کیونکہ لاکھوں روحیں روزانہ بغیر کسی پُل کے جا رہی ہیں۔لیکن یہ چیز کہ انسان مادی دنیا سے روحانی دنیا کی طرف کس طرح جاتا ہے اس کے سمجھانے کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمثیلی زبان اختیار کی اور فرمایا کہ مادیت سے روحانیت کی طرف انسان ایک پُل کے ذریعہ جاتا ہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے۔جس طرح اُس پُل پر جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہو چلنا مشکل ہوتا ہے اسی طرح مادیت کو روحانیت سے بدلنا مشکل ہوتا ہے۔لیکن باوجود اس کے کہ مادیت کو روحانیت سے بدلنا نہایت مشکل ہے بعض لوگ جو اولوالعزم ہوتے ہیں وہ مادیت اور روحانیت کے درمیانی فاصلہ کو بجلی کی طرح طے کر جاتے ہیں۔بعض لوگ جن میں عزم تو ہوتا ہے لیکن وہ زیادہ پختہ نہیں ہوتا وہ اسے ہوا کی طرح تیز اڑا کر طے کر جاتے ہیں۔کچھ لوگ پختہ ارادہ رکھتے ہیں لیکن اُن میں عزم نہیں ہوتا وہ گھوڑوں کی طرح تیز دوڑتے ہوئے اسے پار کر جاتے ہیں۔کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے ارادے زیادہ پختہ اور اعلیٰ نہیں ہوتے وہ انسانوں کی طرح دوڑتے ہوئے اس فاصلہ کو طے کر جاتے ہیں۔کچھ لوگ کمزور ارادہ کے ہوتے ہیں وہ چلتے ہوئے اس فاصلہ کو طے کرتے ہیں۔کچھ لوگ بہت کمزور ارادہ کے ہوتے ہیں وہ گھسٹ کر اس فاصلہ کو طے کرتے ہیں۔ان کی ایک نماز اور دوسری نماز میں وہ بعض دفعہ سالوں میں جا کر فرق پڑتا ہے۔جیسی نماز انہوں نے آج پڑھی ہے بجائے اس کے کہ اس سے اچھی نماز پڑھنے کی توفیق انہیں دوسری نماز میں مل جائے یا دوسرے دن مل جائے وہ بعض دفعہ سال سال بعد ملتی ہے یا کئی سالوں کے بعد ملتی ہے۔جس طرح گھسٹ کر چلنے والے کی کوئی رفتار نہیں ہوتی ان کی بھی کوئی رفتار نہیں ہوتی۔ جتنے اخلاص کے ساتھ انہوں نے اس سال روزے رکھے ہیں اس سے زیادہ اخلاص کے ساتھ روزے رکھنے کی توفیق انہیں اگلے سال نہیں ملتی بلکہ کئی سال گزرنے کے بعد ملتی ہے۔گویا اُن کے اعمال میں اتنا تھوڑا فرق ہوتا ہے جتنا گھسٹ کر

چلنے والے کی رفتار میں ہوتا ہے۔ جو بچہ گھٹنوں کے بل چلتا ہے وہ ایک عرصہ تک ہماری آنکھ کے سامنے رہتا ہے لیکن جو شخص گھوڑے پر سوار ہوتا ہے وہ بہت جلد ہماری آنکھوں کے سامنے سے گزر جاتا ہے۔ پھر بجلی کا تو پتا بھی نہیں لگتا۔ پس ایک اعلیٰ درجہ کا مومن تو اپنے ایمان میں اتنی جلدی ترقی کرتا ہے کہ دوسرے کو پتا بھی نہیں لگتا۔ ایک دن وہ کوشش شروع کرتا ہے۔ دوسرے دن وہ صالحین میں شامل ہو جاتا ہے۔ تیسرے دن وہ شہید بن جاتا ہے۔ چوتھے دن وہ صدیق بن جاتا ہے اور اگر اسے نبوت کے درجہ پر فائز ہونا ہے تو پانچویں دن وہ نبوت کا درجہ حاصل کر لیتا ہے اور وہ بجلی کی سی تیزی سے آگے نکل جاتا ہے۔ یہی پُل صراط ہے جس کا حدیثوں میں ذکر آتا ہے اور اس کی ساری حکمت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرکت میں بتائی ہے۔

روحانی مدارج کے فرق کو آپؐ نے حرکت کے ذریعہ واضح کیا ہے اور آپ نے بتایا ہے کہ کوئی شخص سرین کے بل گھسٹ رہا ہوتا ہے۔ کوئی شخص چار پایوں کی طرح چار پاؤں پر چل رہا ہوتا ہے۔ کوئی انسان کی طرح دوڑ رہا ہوتا ہے اور کوئی بجلی کی طرح دوڑ رہا ہوتا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ سب لوگ حرکت کر رہے ہوتے ہیں۔ لیکن بعض بد بخت ایسے ہوتے ہیں جو چل نہیں رہے ہوتے جنہیں یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ نے انہیں چلنے کے لئے پیدا کیا ہے۔‘‘

(الفضل 22 اکتوبر 1952ء صفحہ 3، 4)

1: کنز العمال جلد 14 صفحہ 386، 387 حدیث نمبر 39086 مطبوعہ دمشق 2012ء **الطبعة الاولٰی**

2: **بازی گر**: شعبدہ باز، وہ لوگ جو ڈھول بجا کر اور رسی پر چڑھ کر کرتب دکھاتے ہیں۔

(فیروز اللغات جامع اردو صفحہ 1351 مطبوعہ لاہور 2010ء)

رسول کریم ﷺ کی مشکلات

حضرت مصلح موعود نے 17/اکتوبر 1952ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعویٰ نبوت فرمایا تو مخالفت کے لحاظ سے وہ وقت کیسا خطرناک تھا۔ پھر جب صحابہؓ کی جماعت بڑھنی شروع ہوئی اور نبوت کے چوتھے سال ہجرتِ حبشہ ہوئی تو وہ کیسا خطرناک وقت تھا۔ پھر وہ کیسا خطرناک وقت تھا جب مدینہ کی طرف ہجرتِ اولیٰ ہوئی جس میں کچھ صحابہؓ مکہ کے مشرکین کے ظلم وستم سے تنگ آ کر مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ پھر وہ کیسا خطرناک وقت تھا جب آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو مکہ کی ایک چھوٹی سی وادی میں محصور ہونا پڑا اور مکہ کے رہنے والوں کی طرف سے آپؐ کا بائیکاٹ کر دیا گیا۔ اُس وقت کی مشکلات ایسی تھیں کہ اُن کی تاب نہ لا کر حضرت خدیجہؓ اور آپؐ کے چچا حضرت ابو طالب فوت ہو گئے جس کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید صدمہ ہوا۔ پھر وہ کیسا خطرناک وقت تھا جب آپؐ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔ پھر جنگِ بدر کا وقت کیسا خطرناک تھا۔ جنگِ اُحد کا وقت کیسا خطرناک تھا۔ جنگِ احزاب کا وقت کیسا خطرناک تھا۔ پھر وہ کیسا خطرناک وقت تھا جب رومی فوج مسلمانوں کے مقابلہ میں کھڑی ہوگئی۔ پھر ارتداد کا وقت آیا تو وہ کیسا خطرناک تھا۔ غرض ہر وقت ایسا تھا جب لوگوں نے یہ سمجھا کہ اب یہ جماعت ختم ہوگئی مگر خدا تعالیٰ نے ہر خطرہ کے بعد اسلام کو اَور زیادہ عروج بخشا۔''

(الفضل 14 مارچ 1962ء صفحہ 2)

اپنی وفات کی خبر اور ابوبکرؓ سے اظہارِ محبت

حضرت مصلح موعود 28 دسمبر 1952ء کو جلسہ سالانہ ربوہ سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا 1 ابراہیم کو اللہ تعالیٰ نے خلیل بنایا۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی وفات کی خبر آئی تو آپ نے صحابہؓ کو جمع کیا اور ان میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ خدا کا ایک بندہ تھا جسے اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اے میرے بندے! اگر تو چاہے تو میں تجھے اپنے پاس بلالوں اور اگر تو دنیا میں اور رہنا چاہے تو میں تیری عمر کو اور لمبا کردوں۔ اس بندے نے کہا اے میرے خدا! میں دنیا میں نہیں رہنا چاہتا تو مجھے اپنے پاس ہی بلالے۔ صحابہؓ نے یہ بات سنی تو انہوں نے سمجھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثال دی ہے اور وہ دل میں خوش ہوئے کہ آج ہمیں ایک بڑا اچھا نکتہ ملا ہے۔ مگر حضرت ابوبکرؓ یہ سنتے ہی رونے لگ گئے اور اتنے روئے، اتنے روئے کہ ان کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ تب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! ابوبکر مجھے اتنا پیارا ہے کہ اگر خدا کے سوا میں کسی اور کو خلیل بنا سکتا تو ابوبکر کو بنالیتا۔'' 2

(انوار العلوم جلد 23 صفحہ 161)

1: النساء: 126

2: بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ سدوا الابواب الّا باب ابی بکر صفحہ 613 حدیث نمبر 3654 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

رسول کریم ﷺ کی خالق اور مخلوق سے محبت

28 دسمبر 1952ء کے خطاب میں ہی آپ فرماتے ہیں:۔

''مخلوق سے محبت کر کے خدا کی محبت بھی پیدا ہوتی ہے اور خدا کی محبت سے مخلوق کی محبت بھی پیدا ہوتی ہے۔

حدیثوں میں آتا ہے کہ جب بارش نازل ہوتی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحن میں تشریف لاتے اور اپنی زبان نکال کر اس پر بارش کا قطرہ لیتے اور فرماتے یہ میرے رب کی طرف سے تازہ نعمت آئی ہے۔1''

اس موقع پر حضور نے اپنی زبان باہر نکالی اور فرمایا۔اس طرح۔ پھر فرمایا:۔

''میرے زبان نکالنے پر ممکن ہے تم میں سے بعض یہ خیال کرتے ہوں کہ میں نے تہذیب کے خلاف حرکت کی ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان نکالی تھی تو اس وقت بھی ایسے ہی خیالات رکھنے والے لوگ کہتے ہوں گے کہ یہ کیسی تہذیب کے خلاف بات ہے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے اعتراضات کی پرواہ نہیں کی اور فرمایا میرے رب کی طرف سے یہ تازہ نعمت آئی ہے میں کیوں نہ اسے اپنی زبان پر لے لوں۔اس وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کا قطرہ اپنی زبان پر نہیں لیا بلکہ درحقیقت خدا کی نعمت لی اور میں نے بھی اپنی زبان نکال کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ایک فعل کیا ہے تا کہ تمہیں یہ احساس ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی نعمتوں کی کس طرح قدر کیا کرتے تھے۔اسی مفہوم پر وہ آیت دلالت کرتی ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آتی

ہے کہ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ[2] اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! کیا تو اپنے آپ کو اس غم میں ہلاک کر لے گا کہ میرے یہ بندے ایمان نہیں لائے؟ گویا خیال کر کے کہ یہ مجھ سے دور ہیں اور میرے لئے ناخوشی کا موجب ہیں تُو آپ مرا جا رہا ہے۔ اس طرح سے بین السطور اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب تُو میری مخلوق کے غم میں مرا جا رہا ہے تو میں تجھ سے پیار کیوں نہ کروں۔ دنیا میں اور لوگ بھی لوگوں کے مومن نہ ہونے پر غم کرتے ہیں مگر ان کا غم ان کے ہدایت نہ پانے پر نہیں ہوتا بلکہ اپنی بات کی ناکامی پر ہوتا ہے اور دونوں غموں میں بڑا بھاری فرق ہے۔ ایک میں غصہ ہوتا ہے اور ایک میں رنج۔''

(انوار العلوم جلد 23 صفحہ 190، 191)

1: ابو داؤد کتاب الادب باب فی المطر صفحہ 717 حدیث نمبر 5100 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الاولٰی

2: الشعراء: 4

رسول کریم ﷺ کا اسم گرامی ''محمد''

حضرت مصلح موعود نے یکم مئی 1953ء کو ربوہ میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''رسول کریم ﷺ کے نام کو لے لو۔ آپ کا نام "محمدؐ" تھا۔ "محمدؐ" اسمِ ذات ہے لیکن الٰہی تصرف کے ماتحت یہ اسمِ صفت بھی ہے۔ اب اگر ہم لفظ "محمدؐ" بولتے ہیں تو اس سے اسمِ ذات اور اسمِ صفت دونوں مراد ہوتے ہیں۔ جب اسے بطور اسمِ ذات لیا جاتا ہے تو اس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ بچہ کی پہچان کے لیے اس کا نام والدین نے "محمدؐ" رکھا ہے۔ اور جب اسمِ صفت مراد لیا جاتا ہے تو اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ بچے کا نام الٰہی تصرف کے ماتحت "محمدؐ" رکھا گیا ہے تا یہ اس کے خاص قسم کے اخلاق اور صفات پر دلالت کرے۔ پس بعض نام ذاتی بھی ہوتے ہیں اور صفاتی بھی ہوتے ہیں۔ "محمدؐ" ذاتی نام بھی تھا اور صفاتی بھی۔ اسی لیے جب مشرکینِ مکہ نے رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیں تو صحابہؓ نے چڑ کر کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! یہ لوگ آپ کو گالیاں دیتے ہیں۔ عرب لوگ زبان دان تھے۔ وہ یہ جانتے تھے کہ اگر وہ "محمدؐ" نام لے کر گالیاں دیں گے تو اس کے کوئی معنے نہیں ہوں گے۔ محمدؐ کے معنے ہیں" تعریف کیا گیا"۔ اب جس شخص کی تعریف کی جائے اُسے گالیاں کس طرح دی جاسکتی ہیں۔ اگر "محمدؐ" نام لے کر گالیاں دی جائیں گی تو سننے والا کہے گا کہ ایک اچھی صفت رکھنے والا برا کیسے ہوگیا۔ اس لیے جب وہ گالیاں دیتے تھے تو "محمدؐ" نہیں کہتے تھے مُذَمَّمٌ کہا کرتے تھے اور مُذَمَّمٌ کے معنے ہیں جس کی مذمت کی گئی ہو۔ جیسے ہمیں مرزائی کہہ کر لوگ گالیاں دیتے ہیں احمدی کہہ کر گالیاں نہیں دیتے۔ کیونکہ لفظ "احمدی" کے معنے ہیں احمد ﷺ

سے تعلق رکھنے والا۔ اب اگر کوئی کہے کہ احمد سے تعلق رکھنے والے برے ہوتے ہیں تو اس کا کیا مطلب ہوگا؟ سننے والا کہے گا محمد رسول اللہ ﷺ سے تعلق رکھنے والا برا کیسے ہوگیا۔ اس لیے یہ لوگ ہمیں احمدی نہیں کہتے مرزائی کہتے ہیں۔ اسی طرح مشرکینِ مکہ محمد رسول اللہ ﷺ کو مُذَمَّمٌ کہا کرتے تھے اور مُذَمَّمٌ کے معنی ہیں وہ شخص جس کی مذمت کی گئی ہو۔ جب صحابہؓ نے رسول کریم ﷺ کے پاس عرض کیا کہ مشرکینِ مکہ آپ کو گالیاں دیتے ہیں تو آپ نے فرمایا آخر وہ کیا کہتے ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! وہ آپ کو مُذَمَّمٌ کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میرا نام تو محمد ہے مجھے تو کوئی گالی نہیں دے سکتا[1]۔

جیسے ہمیں احمدی کہہ کر کوئی گالی نہیں دے سکتا۔ جب بھی کوئی شخص ہمیں گالیاں دے گا وہ قادیانی یا مرزائی کہے گا۔ ہم نہ قادیانی ہیں اور نہ مرزائی۔ اگر وہ ہمیں قادیانی کہتے ہیں تو قادیان میں ہندو اور سکھ بھی آباد تھے۔ اور اگر مرزائی کہتے ہیں تو اِدھر تو ایک مرزا ہے اور اُدھر دس لاکھ مرزا ہیں۔ جب وہ ہمیں مرزائی کہہ کر گالیاں دیتے ہیں تو اس سے صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی مراد نہیں ہوتے بلکہ اس میں سارے مغل آجاتے ہیں۔ چاہے وہ پاکستان کے ہوں، ہندوستان کے ہوں یا سمرقند و بخارا کے ہوں۔ اور اگر وہ ہمیں قادیانی کہتے ہیں تو قادیانی کے لفظ میں وہ سب مسلمان، ہندو اور سکھ بھی آجاتے ہیں جو قادیان میں رہتے ہیں یا رہتے تھے وہ بھی گالیاں دینے والوں سے لڑیں گے۔ غرض مشرکین مکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے وقت ''محمد'' کا لفظ استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ ''مُذمّم'' کہا کرتے تھے اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا نام تو محمد ہے مذمّم نہیں۔''

(المصلح 13 مئی 1953ء صفحہ 3، 4)

1: بخاری کتاب المناقب باب ماجاء فی اسماء رسول اللّٰہ ﷺ صفحہ 594 حدیث نمبر 3533 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

ایک دشمن کا رسول کریم ﷺ سے حسن سلوک

حضرت مصلح موعود نے 22 مئی 1953ء کو ربوہ میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

’’رسول کریم ﷺ جب طائف کے لوگوں کو وعظ کرنے کے لیے تشریف لے گئے اور طائف والوں نے آپ سے برا سلوک کیا، پتھر مارے اور آپؐ کو شہر سے نکال دیا تو مکہ کی روایات کے مطابق کہ جب تک کوئی شخص کسی شہر میں رہتا تھا وہ شہری حقوق کا حقدار ہوتا تھا لیکن جب وہ اپنی مرضی سے شہر چھوڑ کر چلا جاتا تو وہ شہری حقوق کا اُس وقت تک حقدار نہیں رہتا تھا جب تک کہ شہر میں رہنے والے پھر اُسے شہری حقوق نہ دے دیں۔ اس لیے مکہ والے سمجھتے تھے کہ طائف جانے کے بعد رسول کریم ﷺ مکہ کے شہری حقوق سے دستبردار ہو گئے ہیں۔ آپؐ اور آپؐ کے ساتھی بھی یہ جانتے تھے کہ جب تک نئے سرے سے مکہ کے شہری حقوق آپ کو نہ ملیں آپؐ کا مکہ میں داخل ہونا آسان نہیں۔ چنانچہ جب آپؐ طائف سے واپس آئے اور آپؐ کو اس بات کی امید نہ رہی کہ طائف اور اُس کے گردونواح کے لوگ آپؐ سے نیک سلوک سے پیش آئیں گے تو آپؐ نے اپنے ساتھی حضرت زیدؓ سے فرمایا زید! چلو ہم مکہ میں واپس چلتے ہیں۔ زیدؓ نے جواب دیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! کیا مکہ والے آپ کو دوبارہ داخل ہونے دیں گے؟ یعنی وہ تو پہلے سے ہی مخالف ہیں اور پھر جب آپؐ ایک دفعہ شہر چھوڑ کر آ گئے ہیں تو عرب کے رواج کے مطابق آپؐ نے مکہ کے شہری حقوق چھوڑ دیئے ہیں اب وہ آپؐ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ آپؐ نے فرمایا زید! تم وائل کے

پاس جاؤ اور اُسے کہو کہ اگر تم مجھے پناہ دو تو میں مکہ میں دوبارہ آ جاؤں۔ مکہ کی ریاست کے اندر ہر رئیس کا یہ حق تھا کہ وہ کہے میں فلاں شخص کو شہر میں رہنے کا حق دیتا ہوں۔ اس لیے آپؐ نے زیدؓ کو وائل کے پاس بھیجا کہ اگر تم ہمیں پناہ دینے کے لیے تیار ہو تو ہم شہر میں آ جائیں۔ حضرت زیدؓ نے عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! وہ تو ہمارا شدید ترین دشمن ہے، وہ ہمیں پناہ کیوں دے گا!! رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم جاؤ، وائل بے شک دشمن ہے لیکن ساتھ ہی اس کے اندر یہ شان اور خوبی بھی پائی جاتی ہے کہ اگر اُس سے کوئی پناہ مانگے تو پناہ نہ دینے میں وہ اپنی ہتک محسوس کرتا ہے۔ وائل اُن چند چوٹی کے دشمنوں میں سے تھا جو آپؐ کی ہمیشہ ہی مخالفت کیا کرتے تھے۔ لیکن رسول کریم ﷺ کے ارشاد کے ماتحت زیدؓ اُس کے پاس گئے اور کہا وائل! مجھے رسول کریم ﷺ نے بھیجا ہے اور کہا ہے کہ اگر تم مجھے شہری حقوق دینے کے لیے تیار ہو۔ جس کے یہ الفاظ مقرر تھے کہ اگر تم مجھے پناہ دو یعنی یہ کہہ دو کہ میں حفاظت کا ذمہ دار ہوں۔ آپؐ مکہ میں واپس آ جائیں تو میں دوبارہ مکہ میں آ جاؤں۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے وائل کی فطرت کو پڑھا۔ وائل آپؐ کا شدید ترین دشمن تھا۔ اُس نے گیارہ سال تک آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو دکھ دیا تھا۔ اُس کے پانچ لڑکے تھے۔ اُس نے زیدؓ کی بات سنتے ہی اپنے لڑکوں کو بلایا اور اُن سے کہا تم تلواریں نکال لو۔ محمد (ﷺ) نے مجھ سے پناہ مانگی ہے اور میں خاندانی عزت اور وقار کے لحاظ سے اس بات پر مجبور ہوں کہ اُسے پناہ دوں۔ شاید مکے والے ہمارا مقابلہ کریں اس لیے تمہارا فرض ہے کہ تم ایک ایک کر کے مر جاؤ لیکن محمد (رسول اللہ ﷺ) پر کوئی آنچ نہ آنے دو۔ اور وہ خود بھی اپنے لڑکوں کے ساتھ مکہ کے دروازہ کے پاس گیا اور آپؐ کو ساتھ لے آیا۔[1]‘‘

(المصلح 30 مئی 1953ء صفحہ 3، 4)

---

[1]: السیرۃ الحلبیۃ جلد 2 صفحہ 63 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولیٰ کے مطابق یہ شخص مطعم بن عدی تھا۔

صحابہ رسول کی اطاعت کے نظارے

حضرت مصلح موعود نے 10 جولائی 1953ء کو ناصر آباد سندھ میں خطبہ جمعہ کے دوران فرمایا:۔

''رسول کریم ﷺ ایک دن مسجد میں تقریر فرما رہے تھے کہ بعض لوگ آئے اور کناروں پر کھڑے ہو کر تقریر سننے لگ گئے۔ ان کے بعد جو اَور لوگ آئے وہ اُن کھڑے ہونے والوں کی وجہ سے رسول کریم ﷺ کی آواز پوری طرح سن نہیں سکتے تھے۔ جب رسول کریم ﷺ نے دیکھا کہ بعض لوگ بعض دوسروں کو تقریر سننے سے محروم کر رہے ہیں تو آپؐ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ جب آپؐ نے فرمایا بیٹھ جاؤ تو اس سے مراد وہی لوگ تھے جو آپؐ کے سامنے کھڑے تھے۔ مگر چونکہ آپؐ نے بلند آواز سے یہ بات کہی آپ کی آواز باہر بھی پہنچ گئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اُس وقت تقریر سننے کے لیے آ رہے تھے اور ابھی آپ مسجد کے باہر ہی تھے کہ یہ آواز ان کے کانوں میں پہنچ گئی۔ جب انہوں نے سنا کہ رسول کریم ﷺ یہ فرما رہے ہیں کہ بیٹھ جاؤ تو وہ اُسی جگہ بیٹھ گئے اور بچوں کی طرح گھسٹتے ہوئے انہوں نے مسجد کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ کوئی اور شخص پیچھے سے آیا تو اُس نے کہا عبداللہ بن مسعود! تم یہ کیا بچوں والی حرکت کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا ابھی رسول کریم ﷺ کی آواز میرے کانوں میں آئی تھی کہ بیٹھ جاؤ اس لئے میں یہیں بیٹھ گیا۔ اُس نے کہا رسول کریم ﷺ نے آپ کو نہیں دیکھا۔ انہوں نے تو اُن لوگوں کو فرمایا ہوگا جو آپؐ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ اس لیے آپ اس حکم کے مخاطب نہیں ہو سکتے۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے رسول کریم ﷺ نے

انہی لوگوں کو فرمایا ہے کہ بیٹھ جاؤ۔ مگر زندگی کا اعتبار نہیں میں نے سمجھا کہ اگر اُس جگہ پہنچنے سے پہلے پہلے میری جان نکل گئی اور اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ایک حکم رسول کریم ﷺ کا تم نے نہیں مانا تو میں اس کا کیا جواب دوں گا۔ اس لیے خواہ یہ حکم میرے لئے ہو یا نہ ہو میں نے سمجھا کہ جب یہ آواز میرے کان میں پڑ گئی ہے تو اب میرا فرض ہے کہ میں اس پر عمل کروں۔1

اسی طرح ایک دفعہ صحابہؓ بیٹھے تھے اور شراب پی رہے تھے۔ اُس وقت تک ابھی شراب کی مناہی کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ کوئی شادی تھی جس کی خوشی میں شرابیں پی جارہی تھیں اور گانے گائے جارہے تھے کہ اتنے میں شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوگیا۔ رسول کریم ﷺ کا عام طریق یہی تھا کہ جب آپؐ پر کوئی نیا حکم نازل ہوتا تو آپؐ مسجد میں تشریف لاتے اور ذکر فرماتے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر یہ وحی نازل ہوئی ہے۔ پھر جو لوگ وہاں موجود ہوتے وہ آپؐ سے سن کر آگے دوسرے لوگوں میں بات پھیلا دیتے اور اس طرح سب میں مشہور ہو جاتی۔ اُس دن آپؐ مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام قرار دے دیا ہے۔ جو لوگ وہاں موجود تھے وہ یہ سنتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور جس گلی کوچہ میں سے گزرتے یہ اعلان کرتے جاتے کہ شراب حرام ہوگئی ہے۔ جب اعلان کرنے والا اُس گلی میں سے گزرا جہاں لوگ دعوت کھا رہے اور شرابیں پی رہے تھے اور وہ ایک مٹکا ختم کر چکے تھے اور دوسرا مٹکا شروع کرنے والے تھے یہاں تک کہ بعض لوگ مخمور ہو چکے تھے اور بعض مخمور ہونے کے قریب تھے تو اُس نے وہاں بھی اعلان کیا کہ خدا تعالیٰ نے آج سے شراب حرام کر دی ہے۔ جب یہ آواز اُن کے کانوں میں پڑی تو ایک صحابیؓ نے دوسرے سے کہا کہ ذرا اٹھ کر اس شخص سے پوچھو تو سہی کہ کیا بات ہے اور کیا واقعہ میں شراب حرام ہوگئی ہے؟ جس شخص سے یہ بات کہی گئی تھی اُس نے بجائے اعلان کرنے والے سے دریافت کرنے کے سوٹا اٹھایا اور زور سے شراب والے مٹکے پر

مار کر اُسے توڑ دیا اور کہا پہلے میں شراب کا مٹکا توڑوں گا اور پھر اس سے پوچھوں گا کہ کیا حکم ہے۔2 یعنی جب رسول کریم ﷺ کے نام سے ایک بات بیان کی جارہی ہے تو ہمارا فرض ہے کہ پہلے اس پر عمل کریں اور پھر اگر تحقیقات کرنا چاہیں تو بے شک تحقیقات کریں۔'' (المصلح 22 جولائی 1953ء صفحہ 3)

1: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الامام یکلم الرجل فی خطبتہ صفحہ 165 حدیث نمبر 1091 مطبوعہ ریاض 1999 الطبعۃ الاولیٰ۔ اسد الغابۃ جلد 3 صفحہ 55 مطبوعہ بیروت 2006ء الطبعۃ الاولیٰ

2: بخاری کتاب التفسیر باب قولہ انما الخمر والمیسر صفحہ 789 حدیث نمبر 4617 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعۃ الاولیٰ

جو خاتم النبیین کا منکر ہے وہ یقیناً اسلام سے باہر ہے

حضرت مصلح موعود نے 21 جولائی 1953ء کو یہ مضمون رقم فرمایا:۔

''اے عزیزو! آجکل احمدی احراری جھگڑے میں ایک طوفان بے تمیزی اٹھ رہا ہے اور جن لوگوں کا اس اختلاف سے دور کا بھی تعلق نہیں وہ بھی سنی سنائی باتوں پر کان دھر کے اشتعال میں آرہے ہیں اور غلط رائے قائم کررہے ہیں لیکن یہ معاملہ ایسا نہیں کہ صرف اظہارِ غضب سے اسے حل کیا جاسکے۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام کا سوال ہو تو کم سے کم اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات کو سامنے رکھنا چاہئے کیونکہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ ایک شخص آپؐ کے احترام کے لئے جان دینے کا دعویٰ کرتا ہو لیکن اس غرض کے لئے وہ کام کرتا ہو جنہیں آپؐ نے منع فرمایا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب وہ بات کرتے ہیں تو غلط بیانی کرتے ہیں اور جب کسی سے اختلاف ہوتا ہے تو گالی گلوچ پر اتر آتے ہیں۔ مگر مومنوں کو ایسا نہیں ہونا چاہئے۔

اب آپ لوگ خود ہی دیکھ لیں کہ کیا احمدیت کے خلاف تقریریں کرنے والے جن کی تقریریں آپ نے سنی ہیں اس حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں کہ نہیں؟ کیا جب وہ یہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ فساد نہ کرو تو کیا آپ پر یہی اثر ہوتا ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ فساد نہ کرو؟ یا اس کے نتیجہ میں بہت سے بچے اور چند نوجوان فوراً جلوس بناتے اور گلیوں میں احمدیوں کے خلاف شور مچاتے پھرتے ہیں اور بعض پرائیویٹ مجالس میں احمدیوں

کے قتل اور بائیکاٹ کے منصوبے کرنے لگ جاتے ہیں ۔ اگر یہ مقرر واقعہ میں امن کی تعلیم دیتے ہیں تو اس کا الٹا اثر کیوں ہوتا ہے۔ کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ سامعین بین السطور مطلب ان تقریروں کا یہی سمجھتے ہیں کہ مقرر کہتا ہے کہ ہمیں قانون کی زد سے آزاد رہنے دو اور خود جا کر جو نقصان احمدیوں کا ہوسکتا ہے کرو۔ اسی طرح جو الفاظ وہ میری نسبت یا چودھری ظفر اللہ خان کی نسبت یا باقی جماعت احمدیہ کے متعلق بولتے ہیں کیا وہ گالی گلوچ کی حد میں نہیں آتے اور کیا یہ سچ نہیں کہ ان لوگوں کی طرف سے جو جلوس مختلف جگہوں پر نکالے گئے ان میں چودھری ظفر اللہ خان کو نہایت ناپسندیدہ طور پر پیش کیا گیا اور ایک کتا پکڑ کر اسے ظفر اللہ خان ظاہر کیا گیا اور اس پر جوتیاں لگائی گئیں ۔ کیا یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے مطابق نہیں کہ جب وہ جھگڑتا اور مخالفت کرتا ہے تو گالی گلوچ پر اُتر آتا ہے۔

اے اسلام کی غیرت رکھنے والو! اور اے وہ لوگو جن کے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذرا بھی عشق ہے میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ ایک منٹ کے لئے بھی یہ خیال کر سکتے ہیں کہ ان مجالس اور ان جلوسوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پسند کر سکتے تھے؟ کیا اگر کوئی دشمن ایسے جلوس کا نقشہ کھینچ کر یہ کہے کہ **نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ** رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کسی جلوس کو پسند فرمایا تھا تو کیا آپ کے جسم پر لرزہ طاری نہ ہو جائے گا؟ کیا آپ اسے غلط بیانی کرنے والا نہ کہیں گے؟ پھر آپ یہ کس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ ایسی تقریریں کرنے والے اور ایسے جلوس نکلوانے والے احترامِ رسول کی خاطر ایسا کر رہے ہیں۔ کیا سچ جھوٹ سے قائم ہوتا ہے؟ کیا احترام اور اعزاز گالی گلوچ کے ذریعہ سے قائم کیا جاتا ہے؟ کیا یہ مظاہرات دنیا کی نگاہ میں اسلام کی عزت کو بڑھانے والے ہیں یا گھٹانے والے؟ کیا اگر اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نظارہ دکھا دے تو آپ فخر کریں گے کہ ان کے نام پر تقریریں کرنے والے امن کا نام لے کر فساد کی تعلیم دے رہے ہیں؟ کیا وہ اس جلوس کو دیکھ کر

خوش ہوں گے جس میں گالیاں دی جاتی ہیں؟ جس میں ماتم کیا جاتا ہے؟ جس میں کتوں کو جوتیاں مار کر اپنے ملک کا وزیر خارجہ قرار دیا جاتا ہے؟ کیا اگر صحابہؓ یہ نظارہ دیکھیں تو وہ خوش ہو کر ایک دوسرے سے کہیں گے کہ یہ ہیں ہمارے سچے پیرو؟ یہ وہی کام کر رہے ہیں جس کا کرنا ہم پسند کرتے تھے؟ اگر ایسا نہیں بلکہ آپ کا دل گواہی دیتا ہے کہ نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ کام پسند کر سکتے تھے نہ صحابہؓ ان کاموں کا کرنا پسند کر سکتے تھے تو بتائیں کہ حرمت رسول کا دعویٰ کرنے والے اگر سچے ہیں تو یہ کام کیوں کرتے ہیں۔

اے عزیزو! عقیدہ وہی ہوتا ہے جو ایک شخص بیان کرتا ہے، نہ وہ جو اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ پس اچھی طرح سن لو کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا ایمان تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین تھے اور قرآن کریم خاتم الکتب ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

''میں مسلمانوں کے سامنے صاف صاف اقرار اس خانۂ خدا میں کرتا ہوں کہ میں جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں[1]۔''

اسی طرح فرماتے ہیں:۔

''نوع انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو[2]۔''

پھر آگے لکھتے ہیں:۔

''آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور

نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے اور کسی کے لئے خدا نے نہ
چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے مگر یہ برگزیدہ نبیؐ ہمیشہ کے لئے زندہ ہے3۔''

ان الفاظ کے ہوتے ہوئے اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہ مانتے تھے تو وہ یاد رکھے کہ وہ خدا کی گرفت تلے ہے۔ اسے ایک ناکردہ گناہ پر اتہام لگانے کی خدا تعالیٰ سزا دے گا اور ہر شخص جو اس امر سے واقف ہو کر محض اس لئے اس الزام لگانے والے کے پیچھے چلے گا کہ وہ اس کا مولوی ہے یا وہ قومی یا شہری جدوجہد میں اس کی مدد کرے گا اور اس کا رفیق کار ہو گا تو اسے یاد رہے کہ اتنے بڑے اتہام پر خاموش رہنے والا اور اس کے خلاف احتجاج نہ کرنے والا خدا تعالیٰ کے سامنے کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ پس چاہئے کہ وہ عاقبت کو سنوارے اور اس دنیا کے کاموں اور اس کی ترقیوں میں بھی اللہ تعالیٰ پر توکل کرے نہ کہ ان لوگوں پر جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر یہ اخلاق سوز جلوس نکلواتے ہیں اور قتل اور فساد کی سازشیں کرتے ہیں۔

اے عزیزو! بانیٔ سلسلہ ہی نے ختم نبوت کے عقیدہ پر اتنا زور نہیں دیا بلکہ میں نے بھی اسے بیعت کی شرائط میں قرار دیا ہے اور ہر بیعت کرنے والے سے اقرار لیتا ہوں کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یقین کروں گا۔ اب بتاؤ کہ اس سے زیادہ زور اس عقیدہ پر کیا ہو سکتا ہے۔ اب بھی جو نہ سمجھے قیامت کے دن ہمارا ہاتھ ہو گا اور اس کا دامن۔

باقی رہا کہ ہم یہ سب کچھ دل سے نہیں کہتے بلکہ جھوٹ بولتے ہیں تو یہ دلیل تو دونوں طرف چل سکتی ہے۔ ہم بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم پر الزام لگانے والے لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتے۔ اگر ہم ایسا کہیں تو کیا آپ ہماری بات مان لیں گے اور وہی غیرت جس کا مظاہرہ ہمارے متعلق کرتے ہیں ان کے متعلق بھی دکھائیں گے؟

اے عزیزو! ایک دن ہم سب نے مرنا ہے اور خدا تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ آپ کے آباء بھی مرے اور آپ بھی مریں گے اور آپ کی اولاد بھی مرے گی اور یہی حال میرا اور میرے ساتھیوں کا ہے۔ پس چاہئے کہ ہم اس دن کے لئے تیاری کریں جو آنے والا ہے۔ یہ دنیا چند روزہ ہے، یہ لاف گزاف اور کثرت پر ناز اور پھکڑ بازی اور گالی گلوچ مَالِکُ الْمُلکِ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ کے سامنے ہرگز کام نہ دیں گے۔ پس چاہئے کہ جس نے ایسی غلطی نہیں کی وہ اپنے بھائی کو سمجھائے اور جس نے کی ہے وہ توبہ کرے کہ اسی کی جان محفوظ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے اخلاق پر چلتا ہے نہ وہ کہ منہ سے آپؐ کے احترام کا دعویٰ کرتا ہے مگر عمل اس کے خلاف کرتا ہے۔ جو لوگ ایسے ہیں کہ ہمیں مارنے کا ارادہ رکھتے ہیں وہ بے شک اس کی طاقت رکھتے ہیں کیونکہ وہ بہت ہیں اور ہم تھوڑے ہیں مگر وہ اس دن کو بھی یاد رکھیں جس دن ہم سب خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے۔ جس دن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منہ دکھانا ہوگا۔ جو اس دن خوش ہوگا وہی کامیاب ہے اور جو اس دن آنکھ اونچی نہ کر سکے گا اس کی زندگی رائیگاں گئی۔ کاش! وہ پیدا نہ ہوتا، کاش! اسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غضب ناک آنکھ نہ دیکھنی پڑتی۔''

(''جو خاتم النبیین کا منکر ہے وہ یقیناً اسلام سے باہر ہے۔'' الناشر انجمن ترقی اسلام ربوہ پاکستان)

1: مجموعہ اشتہارات جلد 1 صفحہ 229 اشتہار نمبر 74 بعنوان تقریر واجب الاعلان جدید ایڈیشن

2: کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 13 مطبوعہ 2008ء

3: کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 14 مطبوعہ 2008ء

سیرت رسول کے متفرق پہلو

حضرت مصلح موعود نے 21/اگست 1953 کو کراچی میں خطبہ عیدالاضحیٰ فرمایا:۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مسلمانوں کو ہمت دلانے کے لئے یہی طریق اختیار کیا تھا۔ چنانچہ جب آپؐ نے دیکھا کہ مسلمانوں میں ان مصائب اور آلام کی وجہ سے جو دشمن کی طرف سے پیدا کئے جارہے ہیں گھبراہٹ کے آثار نظر آتے ہیں تو آپؐ نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم سے پہلے ایسے لوگ گزر چکے ہیں جن سے یہ سلوک کیا گیا کہ انہیں کھڑا کر کے ان کے سروں پر آرا رکھ دیا جاتا اور پھر انہیں چیر کر دو ٹکڑے کر دیا جاتا مگر پھر بھی وہ اف تک نہیں کرتے تھے۔ جب انہوں نے ان سخت مشکلات کو برداشت کر لیا تو تم کیوں برداشت نہیں کر سکتے۔1

غرض ٹریڈیشن (Tradition) یا کسی قوم کے بزرگوں کی سابقہ روایات اس قوم کو ہمت دلانے اور اسے سیدھے راستہ پر قائم رکھنے میں بڑی ممد ہوتی ہیں۔ چنانچہ دیکھ لو ہماری ٹریڈیشن تو سورۃ فاتحہ سے شروع ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ دعا سکھلاتا ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۔صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ 2 اے خدا! تو ہمیں سیدھا راستہ دکھا وہ رستہ جو منعم علیہ لوگوں کا تھا اور جس پر چل کر وہ لوگ کامیاب ہوئے۔ یہ منعم علیہ گروہ ہی ہے جسے قرآن کریم نے مسلمانوں کا آبا و اجداد قرار دیا ہے دنیوی آباء دنیوی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور روحانی آباء روحانی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص خالصۃً نسلاً بعد نسلٍ بغیر کسی شبہ کے ابراہیم علیہ السلام کا پوتا ہو لیکن ابراہیم علیہ السلام کی خوبیوں اور اس کے کمالات سے اسے کچھ نہ

ملا ہو اور ہوسکتا ہے کہ ایک شخص نسلی لحاظ سے ابراہیم علیہ السلام سے سینکڑوں سال کا فاصلہ رکھتا ہو اور اس کا کوئی باپ دادا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے نہ ہو لیکن سو یا دو سو یا ہزار پشتوں کے باوجود پھر بھی وہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہو کیونکہ ابراہیم یہودیوں کا باپ نہیں تھا۔ ابراہیم خلیفۃ اللہ تھا اور خلیفۃ اللہ ہونے کے لحاظ سے وہی اس کی نسل تھی جو خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتی تھی ۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم بار بار مسلمانوں کو ابراہیمی طریق پر چلنے کی ہدایت دیتا ہے اور ابراہیمؑ کے طریقِ عبادت کو اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے3 حالانکہ قرآن کریم خود کہتا ہے کہ انبیاء سابقین میں سے کوئی نبی بھی ایسا نہیں جو ساری دنیا کی طرف بھیجا گیا ہو۔ صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ایک ایسے وجود ہیں جو ساری دنیا کی طرف مبعوث کئے گئے ہیں4 اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرماتے ہیں کہ مجھے خدا تعالیٰ نے ابیض و اسود اور احمر و اصفر سب کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے اور مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں کوئی شخص ایسا نہیں جو میرے دائرہ ہدایت سے باہر ہو5 مگر اس کے باوجود جب اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کا حکم دیتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی جسمانی نسل سے نہیں بلکہ ساری دنیا سے خطاب کرتا ہے اور روحانی لحاظ سے ساری دنیا کو ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے قرار دیتا ہے ورنہ ابراہیم علیہ السلام صرف ایک قوم کی طرف آئے تھے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری دنیا کی طرف مبعوث ہوئے تھے بلکہ ایک قوم بھی نہیں صرف ایک قبیلہ تھا جس کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام بھیجے گئے تھے ۔ بلکہ اگر ہم بائبل کے بیان کو دیکھیں تو ایک قبیلہ بھی نہیں صرف ایک خاندان تھا جس کی ہدایت کے لئے وہ مبعوث ہوئے ۔ پس یہ کہنا کہ وہ شخص جو صرف ایک خاندان کی طرف آیا تھا تم اس کے نقش قدم پر چلو بتاتا ہے کہ تم کو اس کا خاندان قرار دیا جاتا ہے اور تم بھی آئندہ ابراہیمی نسل میں سے ہو۔

غرض قرآن کریم نے ہمارے لئے ہمارے بزرگوں کی روایات کو زندہ رکھا ہے

اگر ہم ان روایات کو یاد رکھیں تو ہمارے اخلاق اور ہماری ہمت اور ہمارے حوصلے کو بڑھانے میں یہ بات بہت کچھ مدد دے سکتی ہے۔ یہ بات جو میں نے تمہارے سامنے بیان کی ہے یہ علم النفس کے لحاظ سے نہایت ہی اہم ہے۔ اتنی اہم کہ انسان کے اخلاق اور اس کے کردار کو بالکل بدل دیتی ہے۔ میں نے تمہیں یہ نکتہ بتایا ہے کہ عید آتی ہے تو لوگ کہتے ہیں ابراہیمؑ نے بڑی قربانی کی۔ لوگ سمجھتے ہیں اسمٰعیلؑ نے اپنی جان خدا تعالیٰ کے لئے دے دی۔ جس وقت لوگ کہتے ہیں کہ ابراہیمؑ نے بڑی قربانی کی اور جس وقت لوگ کہتے ہیں کہ اسمٰعیلؑ نے بڑی قربانی کی تو دوسرے الفاظ میں وہ یہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ سامی نسل کے ایک انسان ابراہیمؑ نے بڑی قربانی کی یا سامی نسل کے ایک انسان اسمٰعیلؑ نے بڑی قربانی کی۔ وہ اس سے یہ نتیجہ نکال رہے ہوتے ہیں کہ وہ بھی انسان تھے اور ہم بھی انسان ہیں۔ اگر وہ ایسی قربانی کر سکتے تھے تو ہم کیوں نہیں کر سکتے۔ مگر جو بات میں نے بیان کی ہے اس کے نتیجہ میں جب ایک مسلمان یہ کہتا ہے کہ ابراہیمؑ نے بڑی قربانی کی یا اسمٰعیلؑ نے بڑی قربانی کی تو وہ یہ نہیں سمجھتا کہ ایک سامی نسل کے انسان ابراہیمؑ نے بڑی قربانی کی یا ایک سامی نسل کے انسان اسمٰعیلؑ نے بڑی قربانی کی بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ میرے دادا ابراہیمؑ نے یہ قربانی کی یا میرے دادا اسمٰعیلؑ نے یہ قربانی کی۔ اور تم سمجھ سکتے ہو کہ میرے باپ اور دادا کہنے اور سامی نسل کے ایک باپ اور دادا کہنے میں کتنا عظیم الشان فرق ہے۔ ایک شخص سمجھتا ہے کہ سامی نسل کا ایک انسان تھا جس نے یہ قربانی کی۔ وہ بھی انسان تھا اور میں بھی انسان ہوں۔ اگر وہ یہ کام کر سکتا ہے تو میں بھی یہ کام کر سکتا ہوں۔ لیکن دوسرا شخص سمجھتا ہے کہ مجھے قرآنی اصطلاحات نے ابراہیمؑ کی اولاد میں سے قرار دیا ہے مجھے قرآنی اصطلاحات نے اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے قرار دیا ہے۔ پس ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ نے جو کچھ کیا سامی نسل کے لئے نہیں کیا بلکہ میرے ایک باپ اور میرے ایک دادا نے یہ کام کیا اور میں بھی اس کا خون اپنے اندر رکھتا ہوں۔ جو شخص اس نقطۂ نگاہ

سے ابراہیمؑ کی قربانی کو دیکھتا ہے اس کے جذبات بالکل اور ہوتے ہیں ۔لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات حدیثوں میں پڑھتے ہیں یہ حدیثیں شیعوں کی بھی ہیں اور سنیوں کی بھی ہیں لیکن جب شیعوں کی حدیثیں پڑھی جائیں تو ان میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ ہمارے نانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں کہا یا ہمارے دادا علیؓ نے یوں کہا اب جس شان کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نانا اور علیؓ کو دادا کہنے والے راوی کا قول نظر آتا ہے اس شان کے ساتھ کسی دوسرے راوی کا قول کہاں نظر آسکتا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ہمیں درود میں بھی یہی تعلیم دی گئی ہے چنانچہ **اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ** میں یہی بتایا گیا ہے کہ ہر مسلمان کو اپنی ذہنیت ایسی بدل لینی چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد میں سے سمجھنے لگے ۔جب ہم دعا کرتے ہیں کہ الٰہی! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپؐ کی آل پر فضل نازل کر تو ظاہر ہے کہ اس جگہ آل سے مراد صرف نسل نہیں ہوتی بلکہ ہر وہ شخص ہوتا ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلقۂ غلامی میں شامل ہوتا ہے۔ آخر انسان کا کوئی فقرہ اس کے عام طریق کار اور معمول سے مختلف نہیں ہوسکتا۔ یا تو ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی ایسی دعا نظر آنی چاہئے جس میں آپ نے عام مسلمانوں کو باہر رکھا ہو اور صرف اپنی نسل کو شامل کیا ہو اور یا پھر ہمیں سمجھنا چاہئے کہ اس جگہ آل سے صرف جسمانی آل مراد نہیں بلکہ روحانی آل مراد ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لئے اور اپنے خاندان کے لئے کوئی الگ دعا نہیں کی تو ماننا پڑے گا کہ **اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ** میں سارے مسلمانوں کو شامل کیا گیا ہے اور آل سے صرف جسمانی آل مراد نہیں بلکہ روحانی آل مراد ہے۔اور روحانی آل جسمانی آل سے کم نہیں ہوتی۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں عملاً اس کا تجربہ ہو چکا ہے ۔ جب صلح حدیبیہ کا

موقع آیا تو عرب لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ اگر ہم مسلمانوں کو عمرہ سے روکیں گے تو سارے عرب میں ہماری بدنامی ہوگی اور دوسری طرف اگر ہم نے ان کو اندر آنے دیا تو لوگ یہ سمجھیں گے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے زور سے داخل ہوئے ہیں انہوں نے ایک درمیانی طریق نکالا کہ ہم آپس میں صلح کرلیں اور اگلے سال مسلمانوں کو طوافِ کعبہ کے لئے آنے کی اجازت دیں۔ چنانچہ انہوں نے عرب کا ایک بڑا سردار صلح کے لئے بھجوایا۔ وہ اتنا بڑا سردار تھا کہ سارا عرب اس کی عزت کرتا تھا اور وہ اتنا مخیّر تھا کہ مکہ کا کوئی فرد ایسا نہیں تھا جو اس کے احسان کے نیچے نہ ہو۔ مکہ والے جانتے تھے کہ جب یہ سردار گیا تو مسلمان جو محمد رسول اللہ ﷺ کی ریڑھ کی ہڈی ہیں ان کی آنکھیں اس کے سامنے نیچی ہوجائیں گی۔ چنانچہ وہ آیا اور اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو شروع کی۔ بات کرتے وقت جیسے گاؤں کے لوگوں اور زمینداروں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ دوسرے کی داڑھی کو اپنا ہاتھ لگاتے ہیں اس نے بھی متکبرانہ لہجہ میں کہا کہ جانتے ہو میری کیا حیثیت ہے۔ میں سارے عرب کا سردار ہوں تم کچھ تو میرا لحاظ کرو اور دیکھو میں تمہاری داڑھی کو ہاتھ لگاتا ہوں کہ میری عزت کا خیال کرو۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا ہاتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داڑھی کی طرف بڑھایا۔ اس پر ایک صحابی نے زور سے اپنی تلوار کا کندہ اس کے ہاتھ پر مارا اور کہا اپنے ناپاک ہاتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک داڑھی کو مت لگا۔ اس نے اوپر کی طرف دیکھا کہ یہ کون شخص ہے اور اسے پہچان کر کہنے لگا کہ تم فلاں ہو۔ کیا تم میں بھی جرأت ہے کہ تم میرے ہاتھ کو اپنی تلوار کے کندہ سے ہٹاؤ؟ کیا تمہیں میرے فلاں فلاں احسانات یاد نہیں رہے؟ چونکہ اس صحابی کا خاندان اس سردار کا ممنون احسان تھا اس لئے جب اس نے یہ فقرہ سنا تو پیچھے ہٹ گیا۔ وہ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہوا اور اس نے کہا میں بزرگ ہوں بڑی عمر گزار چکا ہوں۔ تم زمانہ کے حالات کو سمجھو یہ لوگ جن میں سے

کوئی کسی جگہ کا آدمی ہے اور کوئی کسی جگہ کا آدمی یہ تمہارے کیا کام آسکتے ہیں۔ آخر اپنے خاندان کے آدمی اور اپنے بھائی ہی کام آیا کرتے ہیں تم ان کے لئے اپنے بھائیوں سے نہ لڑو۔ اور دیکھو! میں تمہیں یہ بات کہتا ہوں اور پھر اس نے آپ کی داڑھی کو ہاتھ لگانا چاہا اس پر ایک اور شخص آگے بڑھا اور اس نے اپنی تلوار کا کندہ اس کے ہاتھ پر مارا اور کہا اپنے ناپاک ہاتھ پیچھے ہٹا۔ اس نے پھر اوپر کی طرف آنکھ اٹھائی اور پہچان کر کہنے لگا کیا تم میں جرأت ہے کہ میرے ساتھ ایسا سلوک کرو؟ کیا تم جانتے نہیں کہ میں کون ہوں اور میرے تم پر کتنے احسانات ہیں؟ اس پر وہ بھی شرمندہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔ غرض وہ بار بار زور دیتا کہ اپنے خاندان کے لوگوں سے نہیں لڑنا چاہئے، ان کے تعلقات دوسروں کے قائم مقام نہیں ہو سکتے یہ لوگ منہ سے تو باتیں کرتے ہیں مگر اتنی محبت نہیں رکھ سکتے جتنی محبت رشتہ دار رکھا کرتے ہیں۔ اُس وقت ایک ایک صحابی کے دل میں جوش آتا تھا کہ ہم اسے پیچھے ہٹائیں مگر وہ سب کے سب مجبور تھے کیونکہ ان کے دلوں میں یہ احساس تھا کہ اس شخص کے ہم پر احسانات ہیں۔ تب صحابہؓ کہتے ہیں اُس وقت ہمارے دل میں دعا کا جوش پیدا ہوا اور ہم نے کہا خدا اب کسی ایسے بندے کو آگے لائے جس پر اس کا احسان نہ ہو۔ تب ایک شخص آگے بڑھا اور جب پھر اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داڑھی کو ہاتھ لگانے کے لئے اپنا ہاتھ آگے کیا تو اس نے ایک سخت لفظ استعمال کر کے جو میں خطبہ میں دہرا نہیں سکتا مگر بخاری میں موجود ہے زور سے اپنا ہاتھ بڑھایا اور اس کے ہاتھ کو جھٹکا دے کر پیچھے ہٹا دیا اور کہا کہ اپنا ناپاک ہاتھ پیچھے ہٹا۔ اس نے آنکھیں اٹھائیں یہ دیکھنے کے لئے کہ یہ کون شخص ہے اور پھر اس نے اپنی آنکھیں نیچی کر لیں اور کہا کہ میں تجھے کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ میرا تجھ پر کوئی احسان نہیں[6] یہ نیا شخص ابوبکرؓ تھا گویا سارے صحابہؓ میں سے صرف ایک ابوبکرؓ ہی تھے جن پر اس کا کوئی احسان نہیں تھا۔ انہوں نے جب دیکھا کہ سارے اس کے احسانوں کے نیچے دبے ہوئے ہیں اور اس وجہ سے وہ کچھ

نہیں کر سکتے تو انہوں نے سمجھا کہ اب میرا کام ہے کہ میں آگے آؤں۔ تو رشتہ داروں کی محبت اور ان کے فوائد بتانے کا واقعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں موجود ہے۔ مگر پھر وہی لوگ جن کے متعلق پنجابی محاورہ کے مطابق کہا جاتا تھا کہ یہ ون ون کی لکڑی ہے (مختلف جنگلوں کی لکڑی ہے) انہوں نے اپنے اخلاص اور فدائیت کا وہ نمونہ دکھایا جس کی نظیر دنیا میں اور کہیں نظر نہیں آتی۔ حقیقت یہی ہے کہ وہ ون ون کی لکڑی تھی اور ون ون کی لکڑی کارآمد نہیں ہوتی۔ اگر تم نے اچھا فرنیچر تیار کرنا ہو اور مختلف قسم کی لکڑیاں تمہارے پاس ہوں۔ کوئی دو سال کی ہو، کوئی پانچ سال کی ہو، کوئی دس سال کی ہو، کوئی سو سال کی ہو اور پھر کوئی شیشم کی ہو، کوئی کیکر کی ہو، کوئی گیلی ہو اور کوئی سوکھی تو کبھی تم اس سے اچھا فرنیچر تیار نہیں کر سکتے۔ اچھے فرنیچر کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ ایک جگہ اور ایک عمر اور ایک ہی قسم کی لکڑی ہو۔ اگر مختلف جنگلوں سے مختلف قسم کی لکڑی کاٹ کر لائی جائے تو عمدہ فرنیچر نہیں بن سکتا۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت سے اور آپ کی دعاؤں اور روحانیت کی برکت سے وہی جو مختلف جنگلوں کی کاٹی ہوئی لکڑیاں تھیں ان میں اتنا اتحاد پیدا ہو گیا کہ کوئی رشتہ دار اپنی محبت کا اس قسم کا نمونہ نہیں دکھا سکتا جس قسم کا نمونہ انہوں نے دکھایا۔

اسلام کی سخت ترین جنگوں میں سے ایک غزوہ احزاب ہے۔ عام طور پر مسلمان چونکہ تاریخ کا مطالعہ نہیں کرتے اس لئے وہ بدر اور احد کی تفصیلات سے تو واقف ہوتے ہیں لیکن احزاب سے نہیں۔ حالانکہ قرآن کریم نے اس پر خاص طور پر زور دیا ہے کیونکہ احزاب کی جنگ ہی ہے جس میں دشمن نے متحدہ طور پر مسلمانوں کا مقابلہ کیا اور ایسی صورت میں کیا کہ ظاہری حالات کے لحاظ سے مسلمانوں کا ان کے مقابلہ میں ٹھہرنا بالکل ناممکن نظر آتا تھا۔ مسلمانوں کی تعداد اس جنگ میں صرف بارہ سو تھی جس میں سے پانچ سو مسلمان عورتوں کی حفاظت کے لئے رکھے گئے تھے اور صرف سات سو مسلمان دشمن کے مقابلہ میں کھڑے کئے گئے تھے اور دشمن کی کم سے کم تعداد دس ہزار

تھی جسے چوبیس ہزار تک بھی بیان کیا جاتا ہے۔ پھر یہ سارے عرب کا مقابلہ تھا مکہ کے تمام قبائل اس میں شریک تھے اور یہودی بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ عرب کے ایک ایک قبیلہ کی تعداد مسلمانوں سے زیادہ تھی اور پھر ان کے آپس میں خونی رشتے بھی تھے اور وہ سب مل کر اپنی جان دینے کے لئے تیار اور آمادہ تھے۔ ادھر مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ ان کے اپنے پہلو میں یہودی لوگ تھے جن سے ان کا معاہدہ تھا مگر یہ بھی خطرہ تھا کہ وہ کسی وقت کوئی شرارت نہ کر دیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ سے مشورہ لینے کے بعد شہر کی اس جہت میں جو بے حفاظت تھی اور جس طرف سے دشمن کے حملہ کا امکان تھا قریباً ایک میل لمبی خندق کھدوادی تھی۔ مگر مسلمانوں کے پاس چونکہ سامان کم تھا اور آدمی بھی تھوڑے تھے اس لئے ظاہر ہے کہ وہ زیادہ لمبی، زیادہ گہری اور پھر زیادہ چوڑی خندق نہیں کھود سکتے تھے۔ تاریخ سے پتہ لگتا ہے کہ وہ خندق جو مسلمانوں نے کھودی اس پر سے ایک اچھا گھوڑ سوار اپنے گھوڑے کو کدا کر آ سکتا تھا۔ پھر مشکل یہ تھی کہ ایک میل لمبے علاقہ کی حفاظت مسلمانوں کے سپرد تھی اور مسلمانوں کی تعداد صرف سات سو تھی۔ سات سو آدمیوں کا چوبیس گھنٹے متواتر اس کی حفاظت کرنا بڑا مشکل کام تھا۔ چنانچہ ایک دو دن کے بعد کفار نے فیصلہ کیا کہ بہترین طریق مقابلہ کا یہ ہے کہ مسلمانوں کو تھکایا جائے۔ انہوں نے اپنی فوج کو چار ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ چوتھا حصہ حملہ کرتا تھا اور باقی لوگ آرام کرتے تھے اور جب وہ لوگ تھک جاتے تو دوسری تازہ دم فوج ان کی جگہ آ جاتی۔ فرض کرو کہ وہ دس ہزار تھے تو صرف اڑھائی ہزار مقابلہ کرتے اور ساڑھے سات ہزار آرام کرتے جب اڑھائی ہزار مقابلہ کر کے تھک جاتے تو واپس چلے جاتے اور دوسرے اڑھائی ہزار ان کی جگہ آ جاتے لیکن مسلمانوں کے لئے ایک منٹ بھی آرام کرنا ناممکن تھا کیونکہ ان کی تعداد تھوڑی تھی اور انہوں نے اپنا سات سو آدمی تمام خندق پر پھیلا رکھا تھا۔ چنانچہ بیسیوں واقعات ایسے ہوئے کہ دشمن کے آدمی گھوڑوں پر سوار ہو کر خندق پر سے کودے اور

مسلمانوں کے علاقہ میں آ گئے مگر باوجود اس کے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک نہیں پہنچ سکے۔ سر ولیم میور (Sir William Muir) اسلام کے شدید ترین دشمنوں میں سے ہے مگر باوجود شدید دشمن ہونے کے وہ بڑا ذہین انسان ہے اور جہاں کوئی بات اسے مسلمانوں کی تائید میں نظر آتی ہے اسے بھی وہ بیان کرنے میں ہچکچاتا نہیں۔ وہ اپنی کتاب میں جنگ احزاب کے واقعات پر تفصیل سے بحث کرتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ اتنے دنوں تک مسلمانوں پر حملہ کیا گیا اور متواتر اور پوری شدت کے ساتھ کیا گیا۔ یہ حملہ چوبیس چوبیس گھنٹے مسلسل کیا گیا اور مسلمانوں کو آرام کرنے کا کوئی موقع نہیں ملا۔ پھر اگر خندق زیادہ چوڑی ہوتی تب بھی ہم سمجھ سکتے تھے کہ مسلمان مطمئن تھے کہ دشمن ہم تک نہیں پہنچ سکتا مگر واقعات بتاتے ہیں کہ متعدد بار دشمن کے آدمی مسلمانوں کے علاقہ میں آئے اور پھر واپس بھاگنے پر مجبور ہو گئے وہ سوال اٹھاتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ اتنی تھوڑی تعداد کے باوجود اور دشمن کے اتنے متفقہ حملے کے باوجود جبکہ مسلمانوں کو آرام کرنے کا بھی کوئی موقع نہیں ملتا تھا ایسا کیوں ہوا کہ دشمن جب بھی خندق پار کر کے آتا وہ واپس بھاگنے پر مجبور ہو جاتا۔ وہ اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس کی صرف ایک ہی وجہ نظر آتی ہے اور وہ یہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود ان کی نگاہوں میں اتنا عزیز تھا اور اتنا قیمتی اور مقدس تھا کہ جب دشمن قریب پہنچتا تو مسلمان انسان نہیں رہتے تھے بلکہ وہ کچھ اور ہی چیز بن جاتے تھے۔ وہ پہاڑوں کو دھکیل کر پرے پھینک دینے پر تیار ہو جاتے تھے، وہ سمندروں کو چیر کر گزر جانے پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ وہ اُس وقت آپؐ کی محبت میں اپنے وجود کو بھول جاتے تھے، اپنی انسانی کمزوریوں کو بھول جاتے تھے اور مجنونوں کی طرح آگے بڑھ کر ہر سامنے کی چیز کو خس و خاشاک کی طرح اڑا کر پھینک دیتے تھے۔ چنانچہ جب کبھی دشمن کا لشکر کو دکر آگے آیا اور اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھنا چاہا تو وہ دیوانہ وار اس کے مقابلے کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور انہوں نے کم سامان اور

کم تعداد کے باوجود زیادہ ساز وسامان اور زیادہ تعداد رکھنے والوں کو ایسا مارا کہ ان کے لئے سوائے بھاگنے کے اور کوئی چارہ نہ رہا۔

غرض فتح بے شک آئی مگر کئی ہفتوں کے بعد۔ درمیانی عرصہ جو ایک نہایت ہی کٹھن زمانہ تھا اس غیر معمولی ایثار اور قربانی اور بے مثال اخلاص اور فدائیت کی وجہ سے گزرا جس کا مظاہرہ عرب کے مختلف حصوں کے مسلمانوں نے کیا جن کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی رشتہ داریاں نہیں تھیں مگر دینی لحاظ سے ان کا آپ کے ساتھ ایسا تعلق تھا کہ انہوں نے آپ کے لئے اتنی بڑی قربانیاں کیں کہ قریبی رشتہ داروں میں سے کوئی باپ اپنے بیٹے کے لئے یا کوئی بیٹا بھی اپنے باپ کے لئے ایسی قربانی نہیں کرسکتا۔ تو دینی رشتہ، دنیوی رشتوں سے بہت زیادہ اہم ہوتا ہے۔ یہی وہ رشتہ ہے جو اپنی شدت کے لحاظ سے اور اپنی اہمیت اور تقدیس کی وجہ سے چھوٹی قوموں کو آگے بڑھاتا اور انہیں دنیا پر غالب کر دیتا ہے۔ ان کے اندر اس تعلق کی وجہ سے قربانی اور ایثار کا ایسا مادہ پیدا ہو جاتا ہے کہ دنیا کی کوئی چیز اسے دبا نہیں سکتی۔ بدر کی جنگ میں تھوڑے سے مسلمان تھے اور پھر انہیں لڑائی کا کسی قسم کا تجربہ حاصل نہیں تھا جب کفار کا لشکر مسلمانوں کے قریب پہنچ گیا تو کفار نے یہ جائزہ لینے کے لئے کہ مسلمانوں کی کتنی تعداد ہے اپنے ایک آدمی کو تحقیقات کے لئے بھجوایا۔ اس نے ان اونٹوں سے جو ذبح کئے جا رہے تھے مسلمانوں کی تعداد کا اندازہ لگا لیا اور انہیں جا کر کہا کہ میرے نزدیک مسلمانوں کی تعداد تین سو ساڑھے تین سو کے درمیان ہے۔ اس پر انہوں نے سمجھا کہ اتنی تھوڑی تعداد کا تو ہم بڑی آسانی کے ساتھ مقابلہ کرسکیں گے۔ مگر جو شخص تحقیقات کے لئے گیا تھا اس نے کہا کہ واقعہ تو یہی ہے جو میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ ان کی تعداد زیادہ نہیں بس تین سو اور ساڑھے تین سو کے درمیان ہے لیکن میری نصیحت یہی ہے کہ آپ لوگ ان سے لڑنے کا ارادہ نہ کریں کیونکہ وہ ہیں تو تھوڑے لیکن سچی بات یہ ہے کہ میں جب ان کو دیکھنے کے لئے گیا تو میں نے اونٹوں اور

گھوڑوں پر آدمی سوار نہیں دیکھے بلکہ موتیں سوار دیکھی ہیں7 یعنی ان میں سے ہر شخص اس نیت اور ارادہ سے اپنے گھر سے نکلا ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں اور بائیں مرجائے گا مگر واپس نہیں جائے گا ایسے لوگوں کا مقابلہ کرنا کوئی آسان بات نہیں۔ یہ اخلاص اور فدائیت کی روح ان میں کس طرح پیدا ہوئی؟ اُسی دینی تعلق کی وجہ سے جو ان کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ پھر یہ تو دور کی بات ہے تیرہ سو سال گزر گئے اور مسلمان نسلاً بعد نسل کمزور ہوتے چلے گئے۔ دین کی محبت ان کے دلوں سے کم ہوگئی، اسلامی احکام پر عمل جاتا رہا، غفلت اور سستی ان پر چھا گئی مگر اس گئے گزرے زمانہ میں بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ان کے دلوں میں ایسی مرکوز نظر آتی ہے کہ اسے دیکھ کر مردہ ایمان بھی زندہ ہو جاتا ہے۔

میں چھوٹا تھا کہ قادیان میں ایک عورت آئی وہ میراثی خاندان میں سے تھی۔ وہ اپنے ساتھ اپنے لڑکے کو بھی لائی۔ اسے سل کا مرض تھا اس نے حضرت مولوی صاحب خلیفہ اول کی تعریف سنی تو وہ آپ کے پاس اپنے لڑکے کو علاج کے لئے لے آئی۔ مگر جب وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملی تو اس نے کہا کہ اصل میں میں اس لئے نہیں آئی کہ اپنے بیٹے کا علاج کرواؤں بلکہ دراصل میں اس لئے آئی ہوں کہ میرا بیٹا عیسائی ہوگیا ہے۔ میں نے سنا تھا کہ آپ نے عیسائیوں کا بڑا رد کیا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ اس لڑکے کو سمجھائیں تا کہ یہ کسی طرح مسلمان ہو جائے۔ اس نے بتایا کہ ہمارا قبیلہ اپنے اخلاق کے لحاظ سے بہت گھٹیا قسم کا ہے ہمارا پیشہ گانا بجانا ہے۔ میں خود بھی شادیوں پر گاتی بجاتی ہوں لیکن میں اس امر کو برداشت نہیں کر سکتی کہ میرا بیٹا عیسائی ہو کر مرے۔ میں آپ کے پاس اسے اس لئے لائی ہوں کہ وہ کسی طرح مسلمان ہو جائے۔ میں اُس وقت چھوٹا بچہ تھا مگر وہ نظارہ ایسا تھا جسے میں کبھی بھول نہیں سکتا۔ میں نے کئی دفعہ دیکھا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سامنے بیٹھی ہے، اس نے ہاتھ جوڑے ہوئے ہیں اور زاروقطار رو رہی ہے اور کہہ رہی ہے کہ

حضور! میرا ایک ہی بیٹا ہے میں نہیں چاہتی کہ یہ اچھا ہو جائے میں صرف اتنا چاہتی ہوں کہ یہ ایک دفعہ کلمہ پڑھ لے اور پھر خواہ اُسی وقت مر جائے۔ غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تیرہ سو سال گزرنے کے بعد بھی مسلمانوں کے دلوں میں اتنی پائی جاتی ہے کہ ایک ایسی عورت جو نہایت ادنیٰ اور ذلیل خاندان میں سے تھی وہ بھی یہ برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ اس کا لڑکا کلمہ پڑھے بغیر اس دنیا سے گزر جائے۔ مگر وہ لڑکا بھی بڑا پکا عیسائی تھا۔ اسے تبلیغ شروع ہوئی تو اس نے ارادہ کیا کہ قادیان سے بھاگ جائے۔ چنانچہ ایک رات کو وہ اٹھا اور بیماری کی حالت میں ہی بٹالہ کی طرف بھاگ پڑا۔ کچھ دیر کے بعد اس کی ماں کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ چارپائی خالی پڑی ہے۔ وہ سمجھ گئی کہ میرا لڑکا بھاگ گیا ہے۔ چنانچہ وہ بھی اس کے پیچھے بھاگی اور پانچ سات میل پر جا کر اس نے اپنے بیٹے کو پکڑا اور پھر اسے قادیان واپس لائی اور اس طرح گڑگڑا گڑگڑا کر وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کہنے لگی کہ حضور! دعا کریں یہ ایک دفعہ کلمہ پڑھ لے پھر بے شک مر جائے مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ آخر خدا نے اس کی دعا سن لی اور وہ لڑکا مسلمان ہو گیا اور پھر چند دنوں کے بعد مر گیا۔ اس کی ماں نے اس صدمہ کو بڑے صبر سے برداشت کیا اور وہ خوش تھی کہ میرا لڑکا عیسائی ہو کر نہیں مرا بلکہ کلمہ پڑھ کر مرا ہے۔

تو رشتوں کی محبت بے شک جاہل لوگوں اور نادان لوگوں میں زیادہ ہوتی ہے لیکن انسانیت کا مقام اس محبت سے انسان کو اونچا لے جاتا ہے۔ جتنا نیچے چلے جاؤ محبت کا ذریعہ مادیت ہوتی ہے لیکن جتنا اوپر چلے جاؤ محبت کا ذریعہ روحانیت ہوتی ہے۔ جتنا جتنا انسان جانوروں میں شامل ہوگا اتنی ہی اس میں مادیت والی محبت اور بھائیوں اور رشتہ داروں کی محبت زیادہ ہوگی اور جتنا جتنا وہ اونچا ہوگا اتنی ہی اس کی محبت بھی بلند سے بلند تر ہوتی چلی جائے گی۔ پہلے وہ اپنی اولاد سے زیادہ محبت رکھے گا اور اونچا ہوگا تو اپنے خاندان سے محبت رکھے گا، اور اونچا ہوگا تو اپنے وطن سے محبت

کرنے لگ جائے گا، اور اونچا ہوگا تو اپنی قوم سے محبت کرنے لگ جائے گا، اور اونچا ہوگا تو انسانیت سے محبت کرنے لگ جائے گا، اور اونچا ہوگا تو دین الٰہی سے محبت کرنے لگ جائے گا، اور اونچا ہوگا تو فرشتوں سے تعلق رکھنے لگ جائے گا، اور اونچا ہوگا تو اس کا خدا سے تعلق ہو جائے گا۔ مگر خدائی تعلق کا پہلا زینہ خدا تعالیٰ کے نبیوں سے تعلق پیدا کرنا ہے۔ جس طرح تمہارے لئے یہ ناممکن ہے کہ تم چھلانگ لگا کر چھت پر چڑھ سکو اسی طرح تمہارے لئے یہ ناممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف راہنمائی کرنے والے وجودوں کو چھوڑ کر تم خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کر سکو۔ مگر جس طرح کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ چھت پر بیٹھا ہوا انسان جب دیکھتا ہے کہ کسی پر شیر یا ڈاکو نے حملہ کر دیا ہے تو وہ رسی گرا کر اس کو اوپر کھینچ لیتا ہے اسی طرح کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ جب دیکھتا ہے کہ کوئی شخص اس سے ملنے کی سچی تڑپ رکھتا ہے لیکن وہ ایسے ماحول میں ہے کہ اسے انبیاء کی رہنمائی میسر نہیں آسکتی تو وہ خود اس کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے مگر ایسا بہت شاذ ہوتا ہے اور شاذ پر کسی قانون کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ عام قانون یہی ہے کہ جو لوگ خدا نما وجود ہوتے ہیں انہی کے ذریعہ انسان کو روحانی ترقی ملتی ہے اور اس ترقی کے حصول کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ انسان دنیوی محبتوں کو سرد کر کے ان کی محبت کو اپنے اوپر غالب کرے۔ جب وہ ان کی محبت کو غالب کر لیتا ہے تو ان کا نمونہ اختیار کرنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ اُس وقت وہ یہ نہیں سمجھتا کہ یہ کوئی غیر ہے جس کی میں اقتدا کر رہا ہوں بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ میرا باپ ہے اور اس کا خون میری رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ یہی سبق اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ میں سکھایا گیا ہے۔ اور پھر آگے ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ کا ذکر کر کے بتایا گیا ہے کہ جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد میں شامل ہو جاتا ہے وہ ابراہیمؑ کی اولاد میں بھی شامل ہو جاتا ہے پھر جو کام اسمٰعیلؑ نے کیا وہی کام وہ خود بھی کرنے لگ جاتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ اگر اسمٰعیلؑ نے یہ قربانی پیش کر دی تھی تو میں

کیوں نہیں کرسکتا بلکہ اس لئے کہ وہی خون جو اسمٰعیلؑ کی رگوں میں دوڑ رہا تھا میری رگوں میں بھی دوڑ رہا ہے اور میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیٹا ہوکر ابراہیمؑ کا بھی بیٹا ہوں اور ابراہیم کا بیٹا ہوکر اسمٰعیلؑ کے کاموں میں اس کا شریک ہوں۔ پس جو کام اس نے کیا وہ میں بھی کروں گا۔ جو شخص اس نقطہ نگاہ سے اسلام کو دیکھتا ہے اس کے لئے عیدالاضحیہ بالکل اور چیز ہوجاتی ہے کسی نے کہا ہے کہ دوسروں کی باتیں سن کر نصیحت حاصل کرنا عقلمند انسان کا کام ہے۔ یہ بھی درست ہے مگر اپنے ہی خاندان کے افراد کی قربانی اور ان کا نمونہ جو تغیر انسان کے اندر پیدا کرسکتا ہے وہ کسی دوسرے کی قربانی اور اس کا نمونہ تغیر پیدا نہیں کرسکتا۔

پس عیدالاضحیہ کے آنے پر ہر مسلمان یہ سبق تازہ کرتا ہے کہ اس میں کسی غیر کا ذکر نہیں بلکہ میرے بھائی اسمٰعیلؑ کی قربانی کا ذکر ہے اگر اس نے ایسا نمونہ دکھایا تھا تو میں کیوں نہیں دکھا سکتا۔ اگر ابراہیمؑ کا ایک بیٹا ایسی قربانی کرسکتا ہے تو اس کا دوسرا بیٹا ایسی قربانی کیوں نہیں کرسکتا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ چونکہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل میں سے ہیں جو ساری دنیا کی طرف مبعوث کئے گئے تھے اس لئے ایک سچا مسلمان تو اس موقع پر یہ کہے گا کہ اگر حضرت ابراہیمؑ نے خدا کی راہ میں اپنا ایک بیٹا قربان کیا تھا تو میں دین کی راہ میں اپنے دو بیٹے پیش کروں گا کیونکہ میں ابراہیمؑ ہی کی نہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی آل ہوں۔

غرض ہر مسلمان اگر حقیقی معیارِ روحانیت کو حاصل کرنا چاہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد میں سے سمجھنے کی عادت ڈالے۔ پھر آدمؑ تک جو سلسلہ انبیاء جاری رہا اس کا اپنے آپ کو جزو سمجھے۔ جب وہ اس بات کو سمجھ لے گا تو اس کا اخلاص بالکل اور رنگ اختیار کرلے گا۔ اس کی روحانیت ترقی کرجائے گی، اس کی قربانی بڑھ جائے گی اور اس کی روح ایک نیا جامہ پہن لے گی اور جو چیز اسے پہلے دوسروں کے باپ میں نظر آتی تھی وہ اسے اپنے

خاندان میں نظر آنے لگے گی۔ تب وہ خطرناک وادیاں جن میں سے گزرتے بلکہ داخل ہوتے بھی لوگ ڈرتے اور گھبراتے ہیں ان میں سے گزرنا اس کے لئے آسان ہو جائے گا اور وہ خدا تعالیٰ کے قرب میں تیزی سے ترقی کرنے لگے گا۔ پس اس عید سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ روح اپنے اندر پیدا کرو کہ یہ دوسروں کے باپ کے قصے نہیں بلکہ تمہارے اپنے باپوں اور اپنے خاندان کے واقعات ہیں جو تمہارے لئے ایک مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور جن کو عیدالاضحیہ کے ذریعہ تمہارے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔'' (المصلح کراچی 16 اکتوبر 1953ء صفحہ 3 تا 6)

1: بخاری کتاب مناقب الانصار باب ما لقی النبی ﷺ و اصحابہ صفحہ 646 حدیث نمبر 3852 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

2: الفاتحة: 6، 7

3: البقرة: 96

4: الاعراف: 159

5: مسند احمد بن حنبل، مسند عبدالله بن عباس صفحہ 231 حدیث نمبر 2742 مطبوعہ لبنان 2004ء

6: بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجهاد صفحہ 448 حدیث نمبر 2732 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

7: السيرة النبوية لابن هشام الجزء الاوّل صفحہ 682، 683 زیر عنوان تشاور قريش فی الرجوع عن القتال مطبوعہ دمشق 2005ء

رسول کریم ﷺ کا صحابہؓ میں جذبہ عمل بھرنا

حضرت مصلح موعود نے 24/اگست 1953 کوکراچی میں خدام الاحمدیہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

''باوقار طریق پر سوچنے اور غور کرنے کی عادت ڈالو تا کہ تم میں ایسی روح اور جذبہ پیدا ہوجائے کہ تم وقت آنے پر بڑی سے بڑی ذمہ داری اٹھا سکو۔ کام کرنے کا جذبہ قوم کو ابھار دیتا ہے۔ پھر کسی کے مرنے یا فوت ہونے سے حوصلے پست نہیں ہوتے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ میں غور وفکر کی عادت پیدا کر کے ان میں جذبہ عمل بھر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں کسی کے مرنے یا فوت ہونے سے کبھی خلا پیدا نہیں ہوا۔ ہر موقع پر کوئی نہ کوئی لیڈر آگے آتا رہا اور مسلمان اس کی قیادت میں منزل بہ منزل کامیابی و کامرانی کی طرف بڑھتے رہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علہ وسلم کا وصال ہوا تو فوراً حضرت ابوبکرؓ نے آگے آ کر خلا کو پورا کر دیا اور قوم میں پست ہمتی قطعاً پیدا نہ ہونے دی۔ آپ نے اس موقع پر صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اگر کوئی شخص محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خدا سمجھتا تھا تو وہ سن لے کہ اس کا خدا فوت ہوگیا لیکن جو اس حی و قیوم ہستی کو خدا مانتا ہے کہ جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا تھا تو اس کو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ زندہ ہے اور اس پر کبھی موت وارد نہیں ہوتی[1]۔'' (المصلح 25 اگست 1953ء صفحہ 2)

---

[1]: بخاری کتاب المغازی باب مرض النبی ﷺ ووفاتہ صفحہ 757 حدیث نمبر 4454 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

رسول کریم ﷺ کے ایک ارشاد کی تفسیر

حضرت مصلح موعود نے 28/اگست 1953ء کو کراچی میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''رسول کریم ﷺ کے اس ارشاد کا یہ مطلب نہیں کہ گو یہ واقعہ تو نہیں کہ'' خدا تمہیں دیکھ رہا ہے''1 مگر تم نماز پڑھتے وقت یہ تصور کر لیا کرو کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ نماز کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان اس یقینِ کامل پر قائم ہو جائے کہ خدا اُسے دیکھ رہا ہے۔ یہاں دیکھنے کے عام معنی تو ہو نہیں سکتے کیونکہ وہ کافر کو بھی دیکھ رہا ہے اور مومن کو بھی دیکھ رہا ہے، عیسائی کو بھی دیکھ رہا ہے اور ہندو کو بھی دیکھ رہا ہے، نماز پڑھنے والے کو بھی دیکھ رہا ہے اور نماز نہ پڑھنے والے کو بھی دیکھ رہا ہے۔ ایسی صورت میں ایک نماز پڑھنے والا بھی اگر یہ سمجھ لیتا ہے کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے تو اس میں اسے کوئی خصوصیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ خدا جس طرح اُسے دیکھ رہا ہے اُس طرح ایک کافر اور منافق کو بھی دیکھ رہا ہے۔ خصوصیت اُسے تبھی حاصل ہو سکتی ہے جب دیکھنے کے بھی اَور معنے لیے جائیں۔ اور وہ معنے ''حفاظت اور مدد کرنے کے لیے اس کی طرف متوجہ ہونے'' کے ہیں۔ جیسے قرآن کریم میں ہی اللہ تعالیٰ ایک دوسرے مقام پر رسول کریم ﷺ کی نسبت فرماتا ہے کہ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ 2 پس تُو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور چاہیے کہ جب تُو (نماز کے لیے) کھڑا ہو تو ہماری تسبیح کیا کر۔ اب آنکھوں کے سامنے ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ رسول کریم ﷺ تو خدا تعالیٰ کی

آنکھوں کے سامنے تھے لیکن رسول کریم ﷺ کا دشمن خدا تعالیٰ کی آنکھوں کے سامنے نہیں تھا۔ بلکہ اس کا مطلب یہی ہے کہ تُو ایسے مقام پر پہنچ گیا ہے کہ اب ہم تیرا خاص خیال رکھتے ہیں۔ کوئی تجھ کو چھیڑ نہیں سکتا، کوئی تجھ پر حملہ نہیں کرسکتا، کوئی تجھے ذلیل اور رسوا نہیں کرسکتا ہے۔ جیسے حفاظت کے لیے اگر کسی کی ڈیوٹی مقرر ہو تو وہ حملہ آور کو دیکھ کر چپ نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح ہمارا تیرے ساتھ ایسا تعلق قائم ہو چکا ہے کہ اب ہم تجھ پر حملہ ہوتے دیکھ کر چپ نہیں رہ سکتے۔ دنیا میں بھی انسان جب کسی معاملہ میں دخل دینا مناسب نہیں سمجھتا تو آنکھیں پھیر لیتا ہے۔ اور جب دخل دینا چاہتا ہے تو کہتا ہے "میں دیکھ رہا ہوں"۔ بہرحال جب رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ نماز کا یہ ہے کہ انسان یہ سمجھے کہ خدا اُسے دیکھ رہا ہے تو اس کے معنے یہی ہیں کہ اسے یہ یقینِ کامل حاصل ہونا چاہیے کہ میری نماز اتنی درست ہے کہ اب میرے ساتھ کوئی شخص ایسا سلوک نہیں کرسکتا جسے خدا نظر انداز کردے۔ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے الہاماً فرمایا کہ اِنِّیْ مُعِیْنٌ مَّنْ اَرَادَ اِعَانَتَکَ وَاِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ[3] کہ جو شخص تیری مدد کا ارادہ کرے گا میں اس کی مدد کروں گا اور جو شخص تیری اہانت کا ارادہ کرے گا میں اس کی اہانت کروں گا۔

گویا اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیکی اور بدی دونوں کا ردعمل ظاہر ہوجاتا ہے۔ اور وہ اپنے بندے سے نیکی کرنے والے کی نیکی کو ضائع نہیں ہونے دیتا اور نہ اپنے بندے کے ساتھ برائی کرنے والے کی برائی کو نظر انداز کرتا ہے۔ اگر کوئی اُس سے نیکی کرتا ہے تو وہ اُس سے بڑھ کر اُس کے ساتھ نیک سلوک کرتا ہے اور اگر کوئی اُس کے ساتھ بدی کرتا ہے تو وہ اُس سے بڑھ کر اس کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے۔ اور یہ ادنیٰ درجہ ہے جو رسول کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق ہر مومن کو حاصل ہونا چاہیے۔ اس کے بعد رسول کریم ﷺ نماز کے اعلیٰ درجہ کی طرف مومنوں کو توجہ دلاتے ہیں اور فرماتے ہیں اصل مقام یہ ہے کہ تُو نماز پڑھتے وقت یہ سمجھے کہ میں خدا کو

دیکھ رہا ہوں۔ یہاں بھی **کَاَنَّکَ تَرَاہُ** کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ اب اس کے بھی یہ معنے نہیں ہو سکتے کہ تُو فرض کر لے کہ میں خدا کو دیکھ رہا ہوں کیونکہ یہ جھوٹ بن جاتا ہے۔ اول تو جو چیز ہے ہی نہیں اُس کے متعلق کسی نے سمجھنا ہی کیا ہے۔ اور اگر کوئی ایسا کمزور دل ہو جو اپنے دل پر بار بار یہ اثر ڈالنے کی کوشش کرے کہ میں خدا کو دیکھ رہا ہوں تو اس کا فائدہ کیا ہو سکتا ہے۔ پس **کَاَنَّکَ تَرَاہُ** کے یہ معنے تو نہیں ہو سکتے کہ تُو یہ فرض کر لے کہ تُو خدا کو دیکھ رہا ہے۔ درحقیقت اس کے معنے یہ ہیں کہ پہلا مقام حاصل ہو جانے کے بعد مومن ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اعمال کی حقیقت اس پر واضح ہو جاتی ہے اور وہ خدا تعالیٰ کے سلوک اور اس کے نشانات کو اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیتا ہے۔'' (المصلح 27 اکتوبر 1953ء صفحہ 4)

1: **بخاری کتاب الایمان باب سؤال جبریل النبی ﷺ عن الایمان** صفحہ 12 حدیث نمبر 37 مطبوعہ ریاض 1999ء **الطبعة الثانية**

2: **الطور**: 49

3: تذکرہ صفحہ 700 ایڈیشن 2023ء مطبوعہ برطانیہ

رسول کریم ﷺ کی ہجرت

حضرت مصلح موعود نے 19 نومبر 1953ء کو دفاتر صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا:۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو سات آٹھ سال کے بعد مکہ فتح ہوا اور اس کے بعد بھی خدا تعالیٰ نے ایسے سامان کر دیئے کہ آپ مکہ میں نہیں بسے بلکہ صحابہؓ نے تو نبوت کے پانچویں سال ہی حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی جس کے معنے یہ تھے کہ وہ 16 سال تک وطن سے الگ رہے پھر کہیں جا کر مکہ فتح ہوا۔ مگر جب مکہ فتح ہوا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی مدینہ کو ہی اپنا مرکز بنائے رکھا۔ گویا ان کے لئے ہمیشہ کی ہجرت ہوگئی۔'' (الفضل جلسہ سالانہ نمبر 25 دسمبر 1955ء صفحہ 6)

رسول کریم ﷺ کی ستاری

حضرت مصلح موعود نے 20 نومبر 1953ء کو ربوہ میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''شریعت کہتی ہے کہ تم اپنے نقائص کی ستاری کرو اور دوسروں کے عیوب کی بھی ستاری کرو1۔ خدا تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ستار ہے۔ پس اگر کوئی شخص گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اِرادتاً یا غیر اِرادتاً تو شریعت کہتی ہے تم اُسے چھپاؤ۔ خدا تعالیٰ اگر تمہارے عیب کو ظاہر نہیں کرتا تو تم بھی اُسے ظاہر نہ کرو۔

ایک شخص رسول کریم ﷺ کے پاس آیا اور اُس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میں نے بدکاری کی ہے۔ آپؐ نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ وہ اُس طرف گیا اور کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میں نے بدکاری کی ہے۔ آپؐ نے پھر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ وہ پھر چکر کھا کر آپؐ کی طرف آیا اور کہنے لگا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میں نے بدکاری کی ہے۔ اس پر آپؐ نے پھر اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ لیکن وہ پھر آپ کے سامنے گیا اور کہنے لگا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میں نے بدکاری کی ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم پاگل ہو؟ یعنی میں تو چاہتا تھا کہ تمہارا گناہ چھپا رہے اور تُو سمجھتا تھا کہ میں نے سنا ہی نہیں۔ حالانکہ میں تجھ پر ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ جب خدا تعالیٰ نے تیری ستاری کی ہے تو تُو اپنے گناہ کو کیوں ظاہر کرتا ہے۔ پھر اس وجہ سے کہ اُس نے چار دفعہ اپنے گناہ کا اعتراف کیا تھا آپؐ نے اُس کی سزا کا حکم جاری کر دیا 2۔'' (الفضل 30 ستمبر 1959ء صفحہ 4)

1: بخاری کتاب الطلاق باب الطلاق فی الاغلاق صفحہ 941، 942 حدیث نمبر 5271

مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

2:ابو داؤد کتاب الحدود باب رجم ماعز بن مالک صفحہ 623 حدیث نمبر 4430 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الاولیٰ

رسول کریم ﷺ کے نزدیک دعوت الی اللہ کی اہمیت

حضرت مصلح موعود نے 27 نومبر 1953ء کو خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''ایک دفعہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اے علی! یہ سامنے دونوں پہاڑوں کے درمیان جو وادی نظر آتی ہے اگر اس وادی میں اونٹ اور گھوڑے بھرے ہوں اور وہ سب اونٹ اور گھوڑے تجھے مل جائیں تو یہ کتنی بڑی بات ہے۔ پھر فرمایا اگر تجھے اتنے اونٹ اور گھوڑے مل جائیں تو اس سے بہت زیادہ یہ دولت ہے کہ کسی ایک انسان کو تیرے ذریعے ہدایت مل جائے1۔

دیکھو تبلیغ کرنے اور دوسروں کو ہدایت کی طرف لانے کی کتنی فوقیت اور عظمت آپؐ نے بیان فرمائی ہے۔ پس یہ وہ کام ہے جس کو کسی وقت بھی چھوڑا نہیں جاسکتا۔ پس میں انیس سال کا دور ختم ہونے پر یہ مانتے ہوئے کہ میں نے یہ کہا تھا کہ انیس سال کے بعد یہ دور ختم ہو جائے گا، یہ جانتے ہوئے کہ میں نے یہ الفاظ کہہ کر تمہارے اندر یہ امید پیدا کر دی تھی کہ اس عرصہ کے بعد یہ مالی بوجھ تمہاری پیٹھ سے اتر جائے گا بیسویں سال کے وعدوں کی تحریک کرتا ہوں۔ چاہے تم یہ کہہ لو کہ میں بے شرم ہو کر پھر مانگتا ہوں یا یہ سمجھ لو کہ میں اب زیادہ نور پا کر آ گیا ہوں یا پہلے میں غلطی کا مرتکب ہوا تھا اور اب خدا تعالیٰ نے مجھے غلطی سے نکال لیا ہے۔ تم یوں بھی کہہ سکتے ہو اور یوں بھی کہہ سکتے ہو۔

میری مثال وہی ہے جیسے رسول کریم ﷺ نے جب مکہ فتح کیا اور اس کے بعد طائف کی لڑائی ہوئی اور فتح کے بعد غنیمت کے اموال آئے تو آپؐ نے مکہ والوں کو

نئے مسلمان سمجھ کر ان کی استمالت قلب 2 کے لیے اور انہیں اپنی طرف کھینچنے کے لیے اور تالیفِ قلوب کے لیے اموال اُن میں تقسیم کر دیئے۔ اس پر مدینہ کے انصار میں سے ایک نوجوان نے کہا خون تو ہماری تلواروں کے سروں سے ٹپک رہا ہے اور اموال آپؐ نے اپنے رشتہ داروں اور خاندان کے افراد میں تقسیم کر دیئے ہیں۔ یہ بات آپ تک بھی پہنچی۔ آپؐ نے انصار کو بلایا اور فرمایا اے انصار! مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ تم میں سے بعض لوگوں نے یہ بات کہی ہے کہ خون تو ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے لیکن محمد رسول اللہ ﷺ نے اموال اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دیئے ہیں۔ انصار نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! یہ درست ہے کہ ہم میں سے بعض نوجوانوں نے ایسا کہا ہے لیکن ہم ان سے متفق نہیں ہیں۔ آپؐ نے فرمایا انصار! جو بات کسی کے منہ سے نکل گئی، نکل گئی۔ اے انصار! تم یہ کہہ سکتے ہو کہ محمد رسول اللہ ﷺ مکہ میں پیدا ہوئے۔ جب بڑے ہو کر آپ نے دعویٰ نبوت کیا تو قوم نے آپ کو رد کر دیا۔ مکہ والوں نے آپؐ کو دھتکار دیا اور اپنے گھر سے نکال دیا۔ ہم جو غیر تھے اور سینکڑوں میل دور رہتے تھے ہم نے آپؐ کو پناہ دی اور آپؐ کو مکہ والوں کے خلاف مدد دی۔ مکہ والے غصہ میں آ کر مدینہ پہنچے اور آپؐ پر حملہ کیا۔ اس پر ہم آپ کے دائیں بھی لڑے اور بائیں بھی لڑے، آگے بھی لڑے اور پیچھے بھی لڑے۔ ہم نے اپنی جانیں قربان کر کے آپ کا وطن فتح کر کے دیا۔ مگر جب ہمارے خونوں سے آپ کی عزت قائم ہوئی اور آپ کا وطن مکہ فتح ہوا تو محمد رسول اللہ ﷺ نے سارا مال اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دیا اور ہمیں اس سے محروم کر دیا۔ انصار ایک بڑی مومن قوم تھے، وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی باتیں سنتے جاتے تھے اور آہ وزاری سے ان کی ہچکیاں بندھتی جاتی تھیں۔ انہوں نے عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! ہم نے یہ نہیں کہا۔ ہم میں سے بعض بے وقوف نوجوانوں نے ایسا کہا ہے بڑوں نے یہ بات نہیں کہی۔ ہم سب اس سے بیزار ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اے انصار! اس مسئلہ کا ایک دوسرا رخ بھی ہے۔ تم یوں بھی کہہ سکتے ہو کہ خدا تعالیٰ

نے اپنا آخری نبی مکہ میں بھیجا اور اس کی وجہ سے مکہ والوں کو عزت بخشی گئی۔ لیکن مکہ والوں کی بدقسمتی اور ان کے بداعمال کی وجہ سے وہ اپنے رسول کو مدینہ لے گیا اور جو نعمت مکہ کے لیے مقدر تھی وہ مدینہ کو دے دی گئی۔

پھر خدا تعالیٰ کے فرشتے نازل ہوئے اور غیر معمولی نشانوں کی مدد سے اُس نے اپنے رسول کو فتح نصیب کی۔ جب اس نے مکہ فتح کر لیا اور کفر کو وہاں سے نکال دیا تو مکہ والوں کو یہ امید پیدا ہوئی کہ اُن کی نعمت انہیں واپس مل جائے گی۔ لیکن ہوا یہ کہ مکہ والے تو اونٹ اور بکریاں ہانک کر لے گئے اور مدینہ والے خدا تعالیٰ کے رسولؐ کو اپنے ساتھ لے گئے۔ کیونکہ باوجود مکہ فتح ہونے کے رسول کریم ﷺ نے مدینہ نہیں چھوڑا۔ پس آپؐ نے فرمایا اے انصار! تم اس طرح بھی کہہ سکتے ہو۔ انصار کی روتے روتے پھر ہچکیاں بندھ گئیں۔ اور کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! ہم نے یہ بات نہیں کہی۔3‘‘

(المصلح 11 دسمبر 1953ء صفحہ 3)

1: **بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب مناقب علی** صفحہ 624 حدیث نمبر 3701 مطبوعہ ریاض 1999ء **الطبعة الثانية**

2: **استمالت قلب**: دلجوئی کرنا (فیروز اللغات اردو جامع صفحہ 92 مطبوعہ لاہور 2010ء)

3: **بخاری کتاب المغازی باب غزوة الطائف** صفحہ 733 حدیث نمبر 4331 مطبوعہ ریاض 1999ء **الطبعة الاولیٰ**

رسول کریم ﷺ کا ایک غریب صحابیؓ سے پیار

14 دسمبر 1953ء کو حضرت مصلح موعود نے مرزا محمد ادریس صاحب مبلغ سلسلہ کے نکاح کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت غربت کی حالت میں زندگی بسر کرتے تھے مگر عرب کا کوئی معزز قبیلہ نہ تھا جس کی لڑکی حضور کے گھر میں نہ ہو اور وہ لوگ اس بات پر فخر کرتے تھے۔ اسی طرح حضورؐ کے ایک صحابی تھے جو کسی پیدائشی نقص کی وجہ سے نہایت ہی بدشکل تھے اور نہایت درجہ غریب بھی۔ جسم اور کپڑے خاک آلود تھے اسی حالت میں پسینہ سے لبریز وہ بازار میں کسی کی کوئی چیز بیچ رہے تھے مگر اس صحابی میں کوئی چیز تھی جس کی حضورؐ کے دل میں قیمت تھی۔ اسی حالت میں جب کہ خود انہیں اپنے آپ سے گھن آ رہی تھی حضورؐ پیچھے سے تشریف لائے اور جس طرح بچوں سے کھیلتے ہیں اپنے ہاتھوں سے ان کی آنکھیں بند کر لیں۔ انہوں نے ٹٹول کر معلوم کر لیا کہ یہ حضورؐ کے ہی ہاتھ ہیں کیونکہ حضورؐ کے جسم پر بال بالکل ہی نہ تھے یا بہت کم تھے اور جسم بھی نہایت درجہ ملائم تھا اس پر وہ بھی محبت سے اپنا جسم حضورؐ کے جسم سے رگڑنے لگے۔ جس سے حضورؐ کا جسم اور کپڑے بھی میلے ہونے لگے مگر حضورؐ نے ذرہ بھر برا نہ منایا۔ حضورؐ نے ان پر ہاتھ رکھا اور فرمایا یہ میرا غلام ہے کوئی ہے جو اسے خریدے۔ اس پر ان کا دل بھر آیا اور حضورؐ سے کہا میرے آقا! یہ تو ایک بے نفع اور بے قیمت چیز ہے اسے کون خریدے گا۔ حضورؐ نے فرمایا ہرگز نہیں اللہ کے نزدیک اس کی بہت قیمت ہے1۔'' (خطبات محمود جلد 3 صفحہ 663)

1: اسد الغابة جلد 2 صفحہ 149، 150 مطبوعہ بیروت 2006ء الطبعة الاولیٰ

رسول کریم ﷺ کی عالمگیر بعثت اور عالمگیر شریعت

حضرت مصلح موعود نے 1953ء کی تحقیقاتی عدالت کیلئے دس سوالوں کے جواب میں بیان فرمایا:۔

''قرآن کی رو سے ابتدائے آفرینش میں ایک نبی تھا یعنی حضرت آدمؑ۔نسلِ انسانی اُس وقت محدود تھی اور سب کی سب حضرت آدمؑ پر ایمان لانے کے لئے مدعو۔حضرت نوحؑ تک یہ سلسلہ چلا۔آپ کے بعد بنی نوع انسان کثرت سے ہوگئے اور دنیا میں پھیل گئے۔اُس وقت سے الگ الگ قوموں میں الگ الگ نبی آتے رہے۔لیکن جب انسانی ذہن ارتقا کو پہنچ گیا اور وہ زمانہ قریب آ گیا جس میں بنی نوع انسان کے آپس میں ملنے اور ایک دوسرے سے تعلقات قائم کرنے کے سامان کثرت سے پیدا ہوجانے والے تھے تو خدا تعالیٰ نے پھر بنی نوع انسان کی وحدت کے لئے رسول کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا اور آپ کو حکم دیا کہ آپ تمام بنی نوع انسان کو دعوتِ حقہ دیں۔ چنانچہ فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ[1] ہم نے تجھے صرف اس غرض سے بھیجا ہے کہ تو تمام بنی نوع انسان کو ایک مذہب اور ایک عقیدہ پر جمع کردے اور پھر فرماتا ہے قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا[2] اے لوگو! میں تم سب انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔اسی طرح فرماتا ہے وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا[3] ہم نے تجھے تمام بنی نوع انسان کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا تھا کہ آپ ساری دنیا اور سب زمانوں کے لوگوں کی طرف کیوں مبعوث کئے گئے ہیں؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ

لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا[4]
یعنی آج سے میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین چن لیا۔ یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تو انسانی حالات اور زمانی کیفیات ایسی تھیں کہ مختلف علاقوں کے لئے مختلف قسم کے اصولی احکام دیئے جائیں لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت دنیا اس حد تک ترقی کر چکی تھی اور آپس میں میل جول کے ذرائع اس حد تک پیدا ہو گئے تھے کہ اب تمام دنیا کے لئے ایک ہی قسم کے اصولی احکام دینا ضروری ہو گیا تھا۔ اسی طرح آپ کے زمانہ سے پہلے انسانی دماغ نے اس قدر نشوونما نہیں پائی تھی کہ وہ شریعت کی تمام باریکیوں سے واقفیت کا متحمل ہو سکے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں انسانی دماغ اتنا کامل ہو چکا تھا کہ شریعت کے رازوں اور حکمتوں سے واقفیت حاصل کر سکے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ کتاب دی جو شریعت کے تمام ضروری احکام پر مشتمل تھی اور وہ ایسے الفاظ میں تھی جو شریعت کے رازوں اور حکمتوں کو تفصیل کے ساتھ واضح کر دینے پر کماحقہٗ حاوی تھی۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ[5] فرماتا ہے (تم میرا خوف کرو) تا میں تم پر اپنی نعمت کامل کر دوں اور تم ہدایت پا جاؤ۔ اس لئے کہ میں نے تمہاری طرف وہ رسول بھیجا ہے جو تم میں سے ہی ہے، جو تمہیں میرے نشان پڑھ کر سناتا ہے اور تم کو پاک کرتا ہے اور تمہیں شریعت بھی سکھاتا ہے اور اس کی حکمتیں بھی تم پر واضح کرتا ہے۔

اس آیت میں اوپر والی آیت کی تشریح کر دی ہے کہ اتمام نعمت کے لئے یہ ضروری ہے کہ شریعت کی حکمتیں بیان کی جائیں کیونکہ شریعت کا کامل ہونا انسانی دماغ

کے تنور کے لئے ضروری نہیں۔ شریعت صرف ہمارے خیال، ہمارے افکار اور ہمارے اعمال کو درست کرتی ہے مگر ہمارے ذہن کو بلندی تبھی حاصل ہوتی ہے جب کہ اس شریعت کے بیان کرنے کا پس منظر بھی ہمارے سامنے کھولا جائے اور اس کی حکمتیں بھی ہم پر ظاہر کی جائیں۔ تب ہمیں صرف ایک قانون ہی نہیں ملتا بلکہ ہم ایک رنگ میں اس قانون کے بنانے والے ہو جاتے ہیں کیونکہ جب اس قانون کے بنانے کی حکمتیں ہم پر ظاہر کر دی جاتی ہیں اور ہم ان سے متفق ہو جاتے ہیں تو ہمارا دل یہ محسوس کرتا ہے کہ اگر یہ علم ہمیں حاصل ہوتا اور ہم پر قانون بنانے کی ذمہ داری ڈال دی جاتی تو ہم بھی یہی قانون بناتے۔ پس گو قانون بنا بنایا ہمیں ملا ہے لیکن جو علم اس کے ساتھ دیا گیا ہے اس کے ساتھ ہم محسوس کرتے ہیں کہ اگر ہم قانون بناتے تو یہی قانون بناتے اور یہی ہمارے لئے بہتر ہوتا۔ جب تک شریعت اس مقام پر نہ پہنچے اُس وقت تک وہ عالمگیر شریعت نہیں بن سکتی اور نہ ہمیشگی کی شریعت بن سکتی ہے۔ پس ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ گزشتہ زمانے میں بنی نوع انسان کے متفرق ہو جانے کے بعد پھر آدم کی طرح تمام دنیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر کیوں جمع کر دی گئی ہے اور کیوں اس سے پہلے جمع نہیں کی گئی۔

اوپر کی تمہید سے ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے جو کمال انسانی ظاہر کیا گیا ہے وہ یہی ہے کہ ایک ایسی شریعت آپ کو دی گئی جو تمام اصولی وضروری احکام پر مشتمل تھی، جو تمام بنی نوع انسان کی ضرورتیں پوری کرنے والی تھی اور جس کے ساتھ ان احکام کا پس منظر بھی دے دیا گیا جو ان احکام کے دینے کی وجہ تھا تا بنی نوع انسان بشاشت کے ساتھ ان احکام پر عمل کر سکے۔ حضرت مسیح ناصریؑ بھی اپنے اس قول میں اسی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ:۔

’’مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے کہ

وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا6۔'' (انوار العلوم جلد 23 صفحہ 243 تا 245)

1: سبا: 29

2: الاعراف: 159

3: النساء: 80

4: المائدۃ: 4

5: البقرۃ: 151، 152

6: یوحنا باب 16 آیت 12، 13 کتاب مقدس صفحہ 1044 پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور 2011ء

رسول کریم ﷺ کے صبر و برداشت کا واقعہ

حضرت مصلح موعود نے 27 دسمبر 1953ء کو جلسہ سالانہ ربوہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ آتا ہے نہایت دردناک۔ کسی مسئلہ کو سوچنے کے لئے آپ صفا میں باہر نکلے اور ایک چٹان کے اوپر بیٹھ گئے اور سوچنے لگے۔ صبح کا وقت تھا ابوجہل نکلا۔ ابھی لوگ چلتے پھرتے کم تھے ادھر آپؐ کو اس نے دیکھا کہ سر لٹکائے ہوئے بیٹھے ہیں اکیلے۔ تو اس نے کہا یہ موقع اچھا ہے ان کو ذلیل کرنے کا۔ سیدھا آپؐ کی طرف آیا اور زور سے آپؐ کے منہ پر تھپڑ مارا۔ جب آپ کے منہ پر اس نے تھپڑ مارا تو آپؐ نے سر اوپر اٹھایا اور فرمایا اے لوگو! میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے کہ تم بیٹھے بٹھائے بلاوجہ مجھے مارتے ہو؟ اور پھر آپؐ نے اسی طرح سر جھکا لیا۔ حضرت حمزہؓ اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ چچا تھے آپؐ کے۔ بڑے بہادر تھے۔ سپاہی تھے، شکار کو جاتے تھے سارا دن ادھر ادھر پھرتے تھے۔ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ حمزہؓ کا گھر سامنے تھا۔ ایک لونڈی پرانی جس کے ہاتھوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تھے اور اس نے آپ کو بڑا اور جوان ہوتے ہوئے دیکھا تھا (اور لونڈیوں کو بھی ماں جیسی محبت ہو جاتی ہے) وہ کھڑی تھی دروازہ کے آگے۔ اس نے یہ سارا نظارہ دیکھا۔ اس کے دل کو بہت تکلیف پہنچی اور وہ روئی۔ حمزہؓ تو تھے نہیں سارا دن کہتے ہیں کام کرتی جاتی اور یہ فقرہ دہراتی جاتی تھی کہ میری آمنہ کے بچے کو لوگ بلاوجہ مارتے ہیں۔ شام کے وقت حضرت حمزہؓ آئے، ہتھیار

لگائے ہوئے تھے، بڑی شان کے ساتھ اپنے فخر کے ساتھ کمان لٹکائی ہوئی گھر میں داخل ہوئے تو دیکھتے ہی وہ لونڈی ان کے پیچھے پڑ گئی۔ کہنے لگی شرم نہیں آتی سپاہی بنا پھرتا ہے یہ کوئی سپاہی ہونا ہے کہ تم شکار مارتے پھرتے ہو۔تم کو پتہ ہے کہ آج تمہارے بھتیجے کے ساتھ کیا ہوا؟ حمزہؓ نے پوچھا کیا ہوا؟ کہنے لگی میں دروازہ کے آگے کھڑی تھی اور رسول اللہ کا نام لے کر کہا کہ وہ ایک پتھر پر بیٹھا ہوا تھا اور کچھ سوچ رہا تھا کہ اتنے میں ابوالحکم (ابوجہل کا نام ابوالحکم تھا) آیا اور بغیر اس کے کہ اس نے اس کی طرف آنکھ بھی اٹھائی ہو جا کر بڑے زور سے اس کے منہ پر تھپڑ مارا اور خدا کی قسم اس نے کچھ بھی نہیں کہا۔ اس نے صرف یہی کہا کہ اے لوگو! میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے کہ مجھے یونہی مارتے ہو؟ تو اگر تم سپاہی ہو تو جا کے غیرت دکھاؤ اور بدلہ لو۔ یہ سپاہ گری تمہاری کون سی عزت ہے۔ لونڈی کے منہ سے بات سن کے حمزہؓ کو بھی غیرت آ گئی۔ اسی طرح لوٹے۔ ابوجہل خانہ کعبہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ ارد گرد رؤسا بیٹھے تھے، لوگ بیٹھے تھے اور فخر میں وہ یہی واقعہ سنا رہا تھا کہ آج میں اس طرح گزرا۔ محمدؐ یوں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے یوں مارا چانٹا زور سے۔ منہ ہلا دیا اس کا۔ اتنے میں حضرت حمزہؓ پہنچے۔ ہاتھ میں کمان تھی۔ کمان اٹھا کے زور سے اس کے منہ پر ماری اور کہا تو بہادر بنتا پھرتا ہے محمد تیرے آگے جواب نہیں دیتا اس لئے تو اس کے آگے بہادر بنتا ہے۔ میں آیا ہوں میرے ساتھ لڑ اگر تیرے اندر طاقت ہے۔ وہ لوگ کھڑے ہو گئے ارد گرد۔ اس کے جو ساتھی تھے، دوست تھے اور جھپٹے حضرت حمزہؓ پر۔ لیکن حضرت حمزہؓ کی بھی قوم بڑی تھی۔ ابوجہل سمجھ گیا کہ یہاں تو آج مکہ میں خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔ اس نے کہا نہیں! خیر مجھ سے ہی غلطی ہو گئی تھی جانے دو[1]۔

تو دوسروں سے الجھنے میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ حمزہؓ اس بات کے اوپر سیدھے گئے۔ جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھا کرتے تھے وہاں گئے۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپؐ نے ایک صحابیؓ سے کہا پوچھو کون ہیں؟ کہنے لگے حمزہ۔ آپ نے فرمایا حمزہ شکار

چھوڑ کے کدھر کو آ نکلے؟ انہوں نے کہا شکار چھٹ گیا اب میں آپ کا شکار بن کے آ گیا ہوں اور اُسی وقت کلمہ پڑھ کے وہ مسلمان ہو گئے اور پھر کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! کب تک آپ اس گھر میں بیٹھیں گے اور ان سے ڈریں گے خدا کی قسم! میں خانہ کعبہ میں خون کی ندیاں بہادوں گا اگر کچھ کہیں۔ چلیے مسجد میں چل کر نماز پڑھیے۔ آپ نے فرمایا نہیں ابھی وقت نہیں آیا۔ تو یہ چیز کتنا اخلاق پیدا کرتی ہے۔ حمزہؓ کا اسلام اور بعد میں عمرؓ کا اسلام درحقیقت اس قربانی کا نتیجہ تھا، اس صبر کا نتیجہ تھا جو مسلمانوں نے دکھایا۔''

(غیر مطبوعہ مواد از ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

1: اسد الغابۃ جلد 1 صفحہ 548، 549 مطبوعہ بیروت 2006ء الطبعۃ الاولیٰ

رسول کریم ﷺ کے ذریعہ دشمنان اسلام کے عبرت ناک انجام کی خبر

حضرت مصلح موعود نے 28 دسمبر 1953ء کو جلسہ سالانہ ربوہ پر سیر روحانی کے موضوع پر ساتواں خطاب فرماتے ہوئے سیرت نبوی ﷺ کے درج ذیل پہلو بیان فرمائے:۔

''اس نوبت خانہ کو میں نے دیکھا کہ اسلامی حکومت کا ایک نائب اور خدا کا خلیفہ مکہ مکرمہ میں پھر رہا ہے، معمولی سادہ لباس ہے، اس کے ساتھی نہایت غریب اور بے کس لوگ ہیں، حکومت کا کوئی واہمہ بھی ان کے ذہن میں نہیں ہے، ماریں کھاتے ہیں، پٹتے ہیں، بائیکاٹ ہوتا ہے، فاقے رہتے ہیں، جائیدادیں اور مکان چھینے جا رہے ہیں، غلاموں کو پکڑ کر زمین پر لٹایا جاتا ہے اور ان کے سینوں پر لوگ چڑھتے ہیں، کیلوں والے بوٹ پہن کر ان کی چھاتی پر کودتے ہیں۔ اور نہ مکہ والوں کے ذہن میں خیال آتا ہے کہ یہ کبھی بادشاہ ہو جائیں گے، نہ ان کے ذہن میں کبھی خیال آتا ہے کہ ہم کبھی بادشاہ ہو جائیں گے۔ غرض ابھی بادشاہت کے قیام کا کوئی واہمہ بھی نہیں لیکن بادشاہت کے بننے سے بھی پہلے دشمن کے آنے کی خبر دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے تمہارے ملک پر حملہ ہونے والا ہے۔ فرماتا ہے وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ۔ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ۔ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ۔ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۔ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَ اَمَرُّ 1۔ ہم نے موسیٰ کے ذریعہ سے فرعون کو جو کہ مصر کا بادشاہ تھا اور بنی اسرائیل پر ظلم کیا کرتا تھا ڈرایا کہ دیکھو تم ہمارے بندے کے روحانی لشکر سے مقابلہ مت کرو ورنہ تمہیں نقصان پہنچے گا لیکن اس نے رسول کی پرواہ نہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی بے اعتنائی اور اس کے انکار اور تکذیب کی وجہ سے ہم نے اس کو پکڑ لیا اور معمولی طور پر نہیں پکڑا بلکہ ایک غالب اور قادر کی حیثیت سے اس کو پکڑا یعنی بعض گرفتیں ایسی ہوتی ہیں کہ انسان بہانے بنا کر اس سے نکل جاتا ہے مگر ہماری گرفت ایسی تھی کہ ایک تو اس گرفت سے کوئی نکل نہیں سکتا تھا دوسرے سزا ایسی تھی کہ اس سے وہ بچ نہیں سکتا تھا۔ گورنمنٹیں بھی سزائیں دیتی ہیں لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ پھانسی کی سزائیں دیتی ہیں تو لوگ جیل والوں سے مل جاتے ہیں اِدھر رشتہ داروں کے ساتھ سمجھوتا کر لیتے ہیں اور وقت سے پہلے پہلے وہ زہر کھا کر مر جاتے ہیں اور گورنمنٹ کے ججوں نے جو پھانسی کا حکم دیا ہوتا ہے وہ یونہی رہ جاتا ہے۔ گزشتہ جنگِ عظیم میں جو جرمن لیڈر پکڑے گئے تھے ان میں سے گوئرنگ کے لئے امریکنوں نے بڑی تیاریاں کیں کہ اس کو پھانسی پر لٹکائیں گے جس کا لوگوں پر بڑا اثر ہوگا کہ دیکھو گوئرنگ جیسے آدمیوں کو امریکنوں نے سزا دی ہے اور جرمن بڑے ذلیل ہوتے ہیں لیکن جس وقت پھانسی دینے کیلئے وہ اس کے کمرہ میں گئے تو دیکھا کہ وہ مرا پڑا تھا۔ معلوم ہوا کہ کسی نہ کسی طرح جرمنوں نے اندر زہر پہنچا دیا اور وہ کھا کر مر گیا۔ اب انہوں نے پکڑا تو سہی لیکن جو سزا دینے کا ارادہ تھا اس میں وہ کامیاب نہ ہوئے۔ گویا اَخْذَ عَزِيْزٍ تو تھا مگر اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ نہیں تھا یعنی پکڑ تو لیا وہ نکلا نہیں مگر جو چاہتے تھے کہ سزا دیں اس میں وہ کامیاب نہ ہوئے۔

پھر بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مجرم ان کی سزا سے بھی پہلے نکل جاتا ہے جیسے کئی مجرم جیل خانوں سے بھاگ جاتے ہیں، کئی مقدموں سے پہلے بھاگ جاتے ہیں،

کئی پولیس کی ہتھکڑیوں سے نکل جاتے ہیں، بعض دفعہ اطلاع ملنے سے پہلے ہی بھاگ جاتے ہیں اور پھر ساری عمر نہیں پکڑے جاتے۔ بعض دفعہ پولیس ان کے پیچھے تیس تیس سال تک ماری ماری پھرتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دنیوی حکومتوں میں تو یہ دو باتیں ہوا کرتی ہیں یعنی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مجرم بھاگ جاتا ہے لیکن ہم ایسا پکڑیں گے کہ وہ بھاگ نہیں سکے گا۔ پھر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حکومت پکڑ تو لیتی ہے مگر جو سزا اس کے لئے تجویز کرتی ہے وہ اس کو نہیں دے سکتی۔ پھانسی دینا چاہتی ہے تو اتفاقیہ طور پر مجرم مر جاتا ہے، ہارٹ فیل ہو کر مر جاتا ہے، زہر کھا کر مر جاتا ہے، کسی نہ کسی طرح ان کے قبضہ سے نکل جاتا ہے مگر ہم اَخْذَ عَزِیْزٍ مُّقْتَدِرٍ کی طرح انہیں پکڑیں گے، ہم اس طرح پکڑیں گے کہ وہ بھاگ بھی نہیں سکیں گے اور پھر جو سزا تجویز کریں گے وہی ان کو ملے گی۔

پھر فرماتا ہے اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ۔ اے مکہ والو! تم بتاؤ تو سہی کہ وہ جو موسیٰ کے منکر تھے کیا تم ان سے بہتر ہو؟ اگر موسیٰؑ کے منکروں کو یہ سزائیں ملی تھیں تو تم اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہو۔ آیا یہ کہ تمہیں وہ سزائیں نہیں مل سکتیں یا نہیں دی جاسکتیں جو موسیٰؑ کی قوم کو دی گئیں؟ یا خدا تعالیٰ کی کتابوں میں تمہارے لئے کوئی ضمانت آئی ہوئی ہے کہ ہم نے مکہ والوں کو کچھ نہیں کہنا؟ مکہ والے کہتے تھے کہ خانہ کعبہ ہماری حفاظت کا سامان ہے۔ فرماتا ہے وہ تو خانہ کعبہ کی حفاظت کا وعدہ تھا تمہارے لئے تو کوئی وعدہ نہ تھا۔ خدا نے یہ تو وعدہ کیا کہ وہ خانہ کعبہ کی حفاظت کرے گا مگر یہ تو وعدہ نہیں کہ تم کو بھی سزا نہیں دے گا۔ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ۔ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ایک بڑا جتھہ رکھتے ہیں اور ہم ان مسلمانوں سے سخت بدلہ لینے والے ہیں ہم ان کو تباہ کر کے چھوڑیں گے۔ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔ فرمایا ٹھیک ہے یہ حملے کریں گے اور قوموں کی قومیں اکٹھی ہو جائیں گی، سارا ملک جمع ہو جائے گا اور جمع ہو کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ملک

پر حملہ کریں گے لیکن سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۔ان کے لشکر جو اکٹھے ہوں گے ان کو شکست دے دی جائے گی اور وہ پیٹھ دکھاتے ہوئے بھاگ جائیں گے۔

دشمن کے حملہ کی بارہ سال پہلے خبر

گویا ابھی کوئی حملہ نہیں ہوا، کوئی حکومت نہیں بنی، کوئی فوج نہیں آئی اور بارہ سال پہلے سے خبر دے دی جاتی ہے کہ یہ لوگ حملہ کے لئے آئیں گے لیکن جب اِدھر سے یہ جمع ہو رہے ہوں گے اُدھر سے خدا اپنے گورنر کی مدد کے لئے دوڑا چلا آ رہا ہوگا اور اسے دیکھ کر دشمن کی فوج حواس باختہ ہو جائے گی اور اسے بھاگنا پڑے گا۔ یہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ انسان خدا کا بن جائے۔ جب وہ خدا کا بن جاتا ہے تو کبھی ایسا نہیں ہوا کہ وہ کسی جگہ پر ہو اور خدا وہاں نہ ہو۔ جب بھی دنیا میں لوگ ایسے شخص کے پاس پہنچیں گے اسے اکیلا نہیں پائیں گے بلکہ خدا اس کے پاس کھڑا پائیں گے اور انسان کا لوگ مقابلہ کر سکتے ہیں خدا کا نہیں کر سکتے۔ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَ اَمَرُّ ۔فرماتا ہے وہ جو گھڑی ہوگی وہ فرعون کی گھڑی سے بھی زیادہ خطرناک ہوگی۔ بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ فرعون کی گھڑی زیادہ سخت تھی اس لئے کہ وہ ڈوب کر مر گیا اور اس کی فوج تباہ ہوگئی لیکن واقعہ میں دیکھیں تو کفار کو جو سزا ملی وہ فرعون کی سزا سے زیادہ سخت تھی۔ فرعون کا لشکر تباہ ہوا لیکن موسیٰؑ کو مصر کا قبضہ نہیں ملا۔ موسیٰؑ آگے چلے گئے اور کنعان پر جا کر قابض ہوئے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل میں جو دشمن آیا اس کو صرف شکست ہی نہیں ہوئی بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے ملک پر بھی قبضہ ہوگیا۔ یہ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَ اَمَرُّ ہی تھا کہ موسیٰؑ کے دشمن فرعون کو جو سزا ملی اس سے اِن کی سزا زیادہ سخت تھی کیونکہ یہ قومی طور پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتحت آ گئے۔

مدینہ منورہ میں اسلام کی اشاعت

اب جیسا کہ میں نے بتایا ہے یہ خبر ایسے وقت میں دی گئی تھی جبکہ اسلامی حکومت ابھی بنی بھی نہیں تھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان پیدا کئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکلنا پڑا۔ پہلے تو یہ ہوا کہ مدینہ کے کچھ لوگ مسلمان ہونے شروع ہو گئے۔ کسی کو کیا خبر ہو سکتی تھی کہ مدینہ کے لوگوں میں اسلام پھیل جائے گا۔ وہ تین چار سو میل کے فاصلہ پر ایک جگہ تھی جن کے مکہ والوں کے ساتھ کوئی ایسے تعلقات بھی نہیں تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ چونکہ مدینہ والوں کی نواسی تھیں اس لئے صرف اتنا تعلق تھا اس سے زیادہ نہیں تھا لیکن حج کے موقع پر مدینہ سے کچھ لوگ آئے تو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لئے بھی آ گئے۔ آپ نے فرمایا اگر آپ لوگ مجھے اجازت دیں تو میں آپ لوگوں کو کچھ نصیحت کرنا چاہتا ہوں۔ مکہ کے لوگ آگے سے مارنے پیٹنے اور گالیاں دینے لگ جاتے تھے اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق تھا کہ پیچھے نہیں پڑتے تھے بلکہ پہلے آپ ان لوگوں سے اجازت مانگتے تھے۔ اسی طریق کے مطابق آپ نے فرمایا کہ اگر اجازت ہو تو میں تمہیں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ چونکہ مدینہ کے لوگوں کو معلوم تھا کہ آپ ہمارے نواسے ہیں اس لئے انہوں نے کہا تم تو ہمارے نواسے ہو جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو مگر تمہاری قوم کے لوگ تو کہتے ہیں کہ تم پاگل ہو گئے ہو۔ آپ نے فرمایا تم میری باتیں سن لو اور پھر بیٹھ کر انہیں اسلام کی تعلیم دی۔ انہوں نے کہا یہ باتیں تو بڑی معقول ہیں مگر تمہاری قوم کے لوگ تو یہی کہتے تھے کہ تم پاگل ہو لیکن بات یہ ہے کہ ہماری قوم میں بڑی جتھہ بندی ہوتی ہے اس لئے اگر آپ اجازت دیں تو ہم اس وقت کوئی فیصلہ نہ کریں ہم واپس جا کر اپنی قوم کے لوگوں کو یہ باتیں سنائیں گے اگر قوم کو توجہ پیدا ہوئی تو ہم پھر دوبارہ آئیں گے چنانچہ وہ واپس گئے اور انہوں نے مدینہ میں اسلام کی تعلیم پھیلانی شروع کی۔ لوگوں نے سنا تو ان میں سے درجنوں آدمی آپ کو قبول کرنے کے لئے تیار

ہو گئے اور انہوں نے کہا یہ باتیں سچی ہیں2۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اسرائیلی انبیاء و اولیاء کی پیشگوئیاں

ایک بڑا ذریعہ ان کے لئے یہ بن گیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ سے پہلے یہودی لوگ اپنے بزرگوں کی پیشگوئیاں سنایا کرتے تھے کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ عرب میں ایک نبی پیدا ہو گا اور ہمیں یقین ہے کہ چونکہ نبی ہم میں سے ہی ہوسکتا ہے اس لئے وہ ہماری قوم میں سے ہو گا بلکہ مدینہ کے جو یہودی تھے وہ اسی لئے ہجرت کر کے وہاں آ بسے تھے کہ کسی نے کتابوں میں سے ان کو یہ پیشگوئیاں سنائیں تو انہوں نے کہا وہ نبی ہم میں سے آ جائے اس لئے ہم عرب میں چلے جاتے ہیں۔غرض ان میں یہ پیشگوئیاں تھیں کہ آنے والا نبی عرب میں ظاہر ہو گا اس لئے انہوں نے خیال کیا کہ وہ نبی ان یہودیوں میں سے ہو گا جو مدینہ جا کر رہیں گے اسی وجہ سے وہ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ انہوں نے جب یہ بات سنی تو انہوں نے آپس میں کہا کہ وہ جو یہودی کہا کرتے تھے کہ نبی ہم میں سے آئے گا وہ تو جھوٹی بات ہے نبی ہم میں سے آنا تھا جو آ گیا اس لئے بہتر ہے کہ ہم پہلے اس کو قبول کر لیں۔ وہ ڈرے کہ ایسا نہ ہو یہودی پہلے اس کو قبول کر لیں۔ یہ تو انہیں معلوم نہیں تھا کہ یہودی اس کی مخالفت کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے ایک بڑا وفد بنایا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور رات کو آپ سے ملے اور آپ کی باتیں سنیں اور کہا ہم اسلام قبول کرتے ہیں۔

رسول کریم ﷺ کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت

پھر انہوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! ہم تو یہ بھی چاہتے ہیں کہ آپ ہجرت کر کے ہمارے پاس آ جائیں کیونکہ آپ کے شہر کے لوگ آپ سے اچھا سلوک نہیں کرتے۔ حضرت عباس آپ کے ساتھ تھے، انہوں نے یہ باتیں سنیں تو ان سے

ایک عہد لیا۔ انہوں نے کہا اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے پاس آ جائیں تو تمہارے لئے کچھ شرطیں ہوں گی۔ ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہو گی کہ اگر مدینہ پر دشمن حملہ کرے تو تم لوگ اپنی جان اور مال کو قربان کر کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرو گے۔ ہاں اگر مدینہ سے باہر جا کر لڑائی کرنی پڑے تو پھر مدینہ والوں کی ذمہ داری نہیں ہو گی3 چنانچہ یہ عہد ہو گیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد حکم بھی ہو گیا کہ ہجرت کر جاؤ۔ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔ مدینہ پہنچتے ہی کوئی ایسی رو چلی کہ وہاں عرب کے جو قبائل تھے وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے اور وہاں یہودیوں کے ساتھ معاہدہ کر کے اسلامی حکومت قائم ہو گئی۔

قبائل عرب کی برافروختگی

جب یہ خبر مشہور ہوئی تو عربوں نے یہ دیکھ کر کہ اب تو ان کے پاؤں جمنے لگے ہیں ان قبائل پر جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کرنا چاہتے تھے اور دوستی رکھنا چاہتے تھے مکہ سے حملے کرنے شروع کر دیئے اور وہ مسلمان جو اِکّا دُکّا سفر کر رہے ہوتے تھے ان کو لوٹنا اور مارنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد پھر بدر کے موقع پر ایک باقاعدہ حملہ کر دیا اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ شروع کر دی مگر اس واقعہ کی ہجرت سے چار سال قبل آپ کو خبر دی جا رہی ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ تمہیں حکومت ملے گی، تمہارے شہر میں لشکر داخل ہو گا اور سارے عرب کی فوجیں اکٹھی ہو کر آئیں گی مگر باوجود اس کے کہ وہ اکٹھے ہوں گے تمہارا مقابلہ ان سے ہو گا اور وہ شکست کھائیں گے۔ اب دیکھو احزاب کی جنگ تو کہیں نو دس سال بعد ہوئی مگر نو دس سال پہلے بلکہ حکومت بننے سے بھی چار سال پہلے خبر دی گئی کہ اس طرح دشمن داخل ہو گا۔ اب کجا یہ نوبت خانہ اور کجا وہ نوبت خانے کہ دشمن اندر داخل ہو جائے تو بادشاہ کو خبر ہوتی تھی اور اتنی دیر میں وہ سو دو سو میل تک ملک پر قابض بھی ہو جاتا تھا کتنا بڑا زمین و آسمان کا فرق ہے جو ان دونوں نوبت خانوں میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ احزاب کے موقع پر جب سارا عرب اکٹھا

ہو گیا اور اس نے مدینہ پر حملہ کیا تو بجائے اس کے کہ مسلمانوں کے دلوں میں تکلیف اور گھبراہٹ پیدا ہوتی یا ڈر پیدا ہوتا ان کے ایمان بڑھنے شروع ہوئے کہ خدا تعالیٰ نے تو یہ خبر پہلے سے دی ہوئی تھی۔ جب خدا نے پہلے سے خبر دی ہوئی ہے تو ان کے داخل ہونے سے ہمیں کیا ڈر ہے۔ خدا نے کہا تھا کہ لوگ اکٹھے ہو کر حملہ کے لئے آئیں گے اور ہمیں امید بھی تھی کہ آئیں گے اور جب وہ بات پوری ہو گئی تو اگلی کیوں نہ پوری ہو گی۔ یہ ایک بڑا بھاری نشان ہوتا ہے۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانہ میں مسلمانوں کی تباہی اور ان کی خرابیوں کے متعلق خبریں دیں اور پھر بتایا کہ اس کے بعد خدا تعالیٰ ایک ایسا زمانہ پیدا کرے گا کہ مسلمانوں کی تباہی دور ہو جائے گی اور مسلمان پھر ترقی کرنا شروع کر دیں گے۔''

(سیر روحانی جلد سوم صفحہ 189 تا 195 ناشر الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ)

1: القمر: 42 تا 47

2: السیرۃ النبویۃ لابن ھشام الجزء الاوّل 484 مطبوعہ دمشق 2005ء

3: السیرۃ النبویۃ لابن ھشام الجزء الاوّل صفحہ 497 زیر عنوان العباس یتوثق للنبی مطبوعہ دمشق 2005ء

سیرت نبوی ﷺ کے متفرق پہلو

حضرت مصلح موعود نے 28 دسمبر 1953ء کو جلسہ سالانہ ربوہ پر سیر روحانی کے موضوع پر ساتواں خطاب فرماتے ہوئے سیرت نبوی کے درج ذیل پہلو بیان فرمائے:۔

قرآنی نوبت خانہ کی ایک اور خبر جو بڑی شان سے پوری ہوئی

''دوسری خبر جو اس نوبت خانہ سے دی گئی وہ یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ مکہ گئے ہیں اور وہاں عمرہ کر رہے ہیں۔آپ نے صحابہؓ کو دیکھا کہ کسی نے سر منڈایا ہوا ہے اور کسی نے بال تراشے ہوئے ہیں اور عمرہ ہو رہا ہے۔آپ نے صحابہؓ سے کہا کہ چونکہ خواب آئی ہے چلو ہم عمرہ کر آئیں۔جب آپؐ حدیبیہ مقام پر پہنچے تو مکہ والوں کو پتہ لگ گیا وہ لشکر لے کر آ گئے اور انہوں نے مسلمانوں سے کہا کہ تم کو یہاں آنے کی کس نے اجازت دی ہے؟انہوں نے کہا ہم لڑنے کے لئے تو نہیں آئے صرف اس لئے آئے ہیں کہ عمرہ کر لیں یہ مقام تمہارے نزدیک بھی برکت والا ہے اور ہمارے نزدیک بھی۔ہم اس کی زیارت کے لئے آئے ہیں لڑائی کے لئے نہیں آئے۔انہوں نے کہا طواف کا سوال نہیں۔ ہماری تمہاری لڑائی ہے اگر تم مکہ آئے اور طواف کر گئے تو تمام عرب میں ہماری ناک کٹ جائے گی کہ تمہارا دشمن آ کر تمہارے گھر میں طواف کر گیا ہے۔ہم ساری دنیائے عرب کو اجازت دے سکتے ہیں مگر تم کو نہیں دے سکتے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد بھیجے،رؤسائے عرب کی طرف توجہ کی،ان کو سمجھایا مگر وہ سارے متفق ہو گئے کہ ہم عمرہ کی اجازت نہیں دے سکتے آخر یہ

فیصلہ ہوا کہ صلح نامہ لکھا جائے۔

صلح نامہ حدیبیہ کی بعض شرائط

اس معاہدہ میں انہوں نے کہا کہ اب کے تم واپس چلے جاؤ تا سارے عرب کو پتہ لگ جائے کہ تم پوچھے بغیر آئے تھے اس لئے ہم نے تم کو طواف نہیں کرنے دیا۔ پھر اگلے سال آجانا تو ہم تمہیں تین دن کے لئے طواف کرنے کی اجازت دے دیں گے۔ معاہدہ کرتے وقت جو بڑے بڑے سردار اِن لڑائیوں کو ناپسند کرتے تھے وہ کہنے لگے کہ پھر آپس میں کچھ صلح کی شرطیں بھی ہو جائیں تا کہ لڑائیاں ختم ہو جائیں۔ آپ نے منظور فرمالیا۔ چنانچہ شرطیں یہ طے ہوئیں کہ اگلے سال مسلمان آکر طواف کر جائیں اور یہ معاہدہ ہو جائے کہ آئندہ دس سال کے لئے لڑائی بند کر دی جائے اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ کوئی نشان ظاہر کر دے تو وہ جس کی تائید کرے گا اس کو فائدہ پہنچ جائے گا ورنہ ملک میں امن پیدا ہو جائے گا۔ پھر ایک شرط یہ بھی کی گئی کہ عرب قبائل میں سے جو چاہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کرلے اور جو چاہے مکہ والوں سے معاہدہ کرلے۔ اردگرد کے جو قبائل تھے ان کو یہ آفر کیا گیا کہ تم جس سے چاہو معاہدہ کرلو۔ چنانچہ بنوخزاعہ نے کہا ہم تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کریں گے ان کی مکہ والوں سے لڑائیاں تھیں اور بنوبکر جو ایک بڑا قبیلہ تھا اور مکہ والوں کا دوست تھا اس نے کہا کہ ہم مکہ والوں سے معاہدہ کریں گے۔ غرض قبائلِ عرب بھی تقسیم ہو گئے۔ ان میں سے بنوخزاعہ مسلمانوں کے حق میں ہو گئے اور بنوبکر مکہ والوں کے حق میں ہو گئے اور فیصلہ یہ ہوا کہ آپس میں لڑنا نہیں سوائے اس کے کہ کوئی معاہدہ توڑے۔ اگر کوئی معاہدہ توڑ کر اپنے مدمقابل سے یا اس کے حلیف سے مقابلہ کرے تو پھر اس سے لڑائی کی اجازت ہوگی اسی طرح کچھ اور شرطیں طے ہوئیں[1]۔

دشمن کی معاہدہ شکنی کی خبر

جب یہ شرطیں طے ہوگئیں تو اب گویا آئندہ دس سال کیلئے جنگ بند ہوگئی۔ اب جنگ کی صرف

ایک ہی صورت باقی تھی اور وہ یہ کہ مکہ والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے حلیفوں پر حملہ کر دیں کیونکہ مسلمان کو تو حکم ہے کہ بہر حال تم نے اپنا عہد پورا کرنا ہے۔اس معاہدہ کے بعد ناممکن تھا کہ مسلمان لڑائی کر سکیں۔صرف ایک ہی صورت باقی تھی کہ مکہ والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر دیں یا آپ کے حلیفوں پر حملہ کر دیں اس کے بغیر لڑائی نہیں ہوسکتی تھی۔گویا اب لڑائی کا اختیار دشمن کے ہاتھ میں چلا گیا مومنوں کے ہاتھ میں نہ رہا۔ایسی صورت میں جب لڑائی کا اختیار دشمن کے ہاتھ میں تھا جب یہ پتہ لگنے کی کوئی صورت ہی نہیں تھی کہ دشمن کی فوجیں اسلامی نظام کے دائرہ میں داخل ہو جائیں گی کیونکہ فیصلہ تو اس نے کرنا تھا مسلمانوں نے نہیں کرنا تھا اُس وقت جب صلح حدیبیہ کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس آ رہے تھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو خبر دی گئی کہ دشمن معاہدہ توڑے گا اور ہم تم کو ان پر قبضہ دیں گے۔گویا پھر قریباً ڈیڑھ سال پہلے خبر مل گئی کہ دشمن کی فوجیں تمہارے ملک میں داخل ہو جائیں گی۔چنانچہ آپ کو الہام ہوا اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا۔ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَ يُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا۔وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا[2] یعنی اے محمد رسول اللہ! ہم تجھ کو ایک عظیم الشان فتح کی خبر دے رہے ہیں۔وہ ایک ایسی فتح ہوگی جو اپنی ذات میں اس بات کی گواہ ہوگی کہ تو سچا ہے اور پھر وہ فتح مبین ہوگی۔بعض نشانات تو ہوتے ہیں مگر ان سے نتیجہ نکالنا اور استنباط کرنا پڑتا ہے لیکن وہ فتح ایسی ہوگی کہ استنباط کی ضرورت نہیں ہوگی بلکہ وہ خود اپنی ذات میں تیری صداقت کا ایک زندہ ثبوت ہوگی۔ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ اور یہ فتح ہم تجھے اس لئے دیں گے تا کہ تیری جنگ جو عربوں سے چلی آ رہی ہے اس میں بعض باتیں کرنے والی تھیں جو تو نے نہیں کیں اور بعض غلطیاں تم سے ایسی ہوئیں جو نہیں ہونی چاہئے تھیں اور تم نے کر لیں۔مثلاً بعض جگہ عفو نہیں کرنا چاہئے تھا مگر عفو کر دیا۔بعض جگہ معاف کرنا

چاہئے تھا مگر صحابہؓ کو خیال نہیں آیا اور انہوں نے معاف نہیں کیا مثلاً محرم الحرام میں جا کر مسلمان لڑ پڑے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خفا ہوئے کہ اس مہینہ میں تو لڑنا جائز ہی نہیں۔ وَ یُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ وَ یَهْدِیَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا اور وہ تجھ پر اپنی نعمت پوری کرے اور تجھے وہ راستہ دکھائے جس کے ذریعہ سے تجھے کامیابی نصیب ہوجائے۔ وَّ یَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِیْزًا اور اللہ تعالیٰ تیری مدد کرے گا اور مدد بھی معمولی نہیں بلکہ بڑی غالب مدد۔اس میں اس طرف اشارہ کیا گیا کہ چونکہ مسلمان حملہ نہیں کر سکتے اس لئے تیرے ہاتھ سے تو لڑائی نکل گئی اب ہم ایسا طریق اختیار کریں گے جس سے لڑائی جائز ہو جائے اور وہ طریق یہی ہوسکتا تھا کہ کفار حملہ کر دیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم خود ایسے سامان کریں گے کہ کفار تجھ پر حملہ کر دیں گے اور پھر اس کے نتیجہ میں وہ تباہ ہو جائیں گے۔ یُتِمَّ نِعْمَتَهٗ سے بھی یہی مراد ہے کہ عرب شکست کھا جائیں گے اور اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی۔ کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا[3]۔ یعنی موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تم میں اپنے انبیاء مبعوث فرمائے اور اس نے تمہیں دنیوی بادشاہت کی نعمت سے بھی نوازا۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نعمت کی تعریف بیان کی ہے اور بتایا ہے کہ نعمتِ الٰہی اور اس کا اتمام الٰہی جماعتوں سے دو طرح ہوتا ہے۔اگر ان کا سیاسی مقابلہ ہو تو حصولِ ملوکیت سے اور اگر خالص مذہبی ہو تو تکمیلِ نبوت سے۔یعنی دنیا میں جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نبی آتا ہے تو اگر اس سے صرف سیاسی لڑائی ہو تو اللہ تعالیٰ اسے بادشاہ بنا دیتا ہے اور اگر مذہبی لڑائی ہو تو اس کے دین کو غالب کر دیتا ہے اور اگر سیاسی اور مذہبی دونوں قسم کا مقابلہ ہو تو دونوں قسم کے انعام عطا کئے جاتے ہیں۔یعنی نبوت بھی قائم کی جاتی ہے اور بادشاہت بھی عطا کی جاتی ہے۔ پس یہاں ہم یُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ سے یہی

مراد لیں گے کہ اس حملہ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عرب کی حکومت ٹوٹ جائے گی اور مسلمانوں کی حکومت قائم کر دی جائے گی۔ اور یَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا میں بتایا کہ تم کو غداری نہیں کرنی پڑے گی اللہ تعالیٰ خود ایسا راستہ نکالے گا جس کے نتیجہ میں لڑائی کرنا تمہارے لئے جائز ہو جائے گا اور ہر شخص تمہارے حملہ کو جائز اور معقول قرار دے گا۔

فَتْحًا مُّبِيْنًا سے مراد فتح مکہ ہے

اس آیت کے متعلق مفسرین میں اختلاف پایا جاتا ہے بعض کہتے ہیں کہ فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے لیکن کچھ اَور مفسرین اور صحابہؓ کہتے ہیں کہ اس سے مراد فتح مکہ ہے اور ان کے اس خیال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ابنِ مردویہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتی ہیں مَیں نے خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا میں جس فتح کا ذکر ہے اس سے مراد فتح مکہ ہے۔ گویا خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ ہے کہ اس جگہ فتح سے مراد فتح مکہ ہے لیکن اگر صلح حدیبیہ لو تب بھی فتح مکہ صلح حدیبیہ کے نتیجہ میں ہی ہوئی اگر صلح حدیبیہ نہ ہوتی تو فتح مکہ بھی نہ ہوتی۔

خدائی نوبت خانہ کی ایک اور خبر

اب یہ جو اطلاع ملی تھی کہ دشمن آئے گا اور حملہ کرے گا اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوگی اس کے واقعات کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کس طرح ہوئے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ پہلے تو قریباً ڈیڑھ سال پہلے نوبت خانہ نے اطلاع دی کہ دشمن آئے گا، اس کے بعد جب یہ وقت قریب آ گیا تو خدائی نوبت خانہ نے پھر دشمن کے حملہ کی خبر دی۔ چنانچہ جب دشمن کے آنے کا وقت قریب آ گیا تو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات میری باری میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں سو رہے تھے۔ جب آپ تہجد کے لئے اٹھے تو آپ وضو فرماتے ہوئے بولے اور مجھے آواز آئی کہ آپ فرما رہے ہیں لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ۔ اس کے بعد آپ نے

فرمایا نُصِرْتَ، نُصِرْتَ، نُصِرْتَ۔ وہ کہتی ہیں جب آپ باہر تشریف لائے تو میں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! کیا کوئی آدمی آیا تھا اور آپ اس سے باتیں کر رہے تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں! میرے سامنے کشفی طور پر خزاعہ کا ایک وفد پیش ہوا اور وہ شور مچاتے چلے آ رہے تھے کہ ہم محمد کو اس کے خدا کی قسم دے کر کہتے ہیں کہ تیرے ساتھ اور تیرے باپ دادوں کے ساتھ ہم نے معاہدے کئے تھے اور ہم تیری مدد کرتے چلے آئے ہیں مگر قریش نے ہمارے ساتھ بدعہدی کی اور رات کے وقت ہم پر حملہ کر کے جبکہ ہم میں سے کوئی سجدہ میں تھا اور کوئی رکوع میں ہم کو قتل کر دیا اب ہم تیری مدد حاصل کرنے کیلئے آئے ہیں۔ غرض میں نے دیکھا کہ خزاعہ کا آدمی کھڑا ہے۔ جب کشفی طور پر وہ آدمی مجھے نظر آیا تو میں نے کہا لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ میں تمہاری مدد کے لئے حاضر ہوں، میں تمہاری مدد کے لئے حاضر ہوں، میں تمہاری مدد کیلئے حاضر ہوں، پھر میں نے کہا نُصِرْتَ، نُصِرْتَ، نُصِرْتَ[4] تجھے مدد دی جائے گی، تجھے مدد دی جائے گی، تجھے مدد دی جائے گی۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اُسی دن صبح کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے اور آپ نے فرمایا خزاعہ کے ساتھ ایک خطرناک واقعہ پیش آیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے سمجھ لیا کہ خزاعہ کے ساتھ خطرناک واقعہ یہی ہو سکتا ہے کہ وہ مکہ کی سرحد پر ہیں اور مکہ والے جن کا خزاعہ کے ساتھ معاہدہ ہے وہ خزاعہ پر حملہ کر دیں۔ میں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! کیا یہ ممکن ہے کہ اتنی قسموں کے بعد قریش معاہدہ توڑ دیں اور وہ خزاعہ پر حملہ کر دیں؟ آپ نے فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ کی ایک حکمت کے ماتحت وہ اس معاہدہ کو توڑ رہے ہیں اور وہ حکمت یہی تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حملہ کی اجازت نہیں تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! کیا اس کا نتیجہ اچھا نکلے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں! نتیجہ اچھا ہی نکلے گا۔[5] غرض اس دن پھر نوبت خانہ بجتا ہے اور اُدھر وہ واقعہ ہوتا ہے جو میں ابھی

بیان کروں گا اور اِدھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی اطلاع مل جاتی ہے۔

بنوخزاعہ اور بنوبکر کی لڑائی

اب واقعہ یوں ہوا کہ خزاعہ اور بنوبکر میں آپس میں لڑائی تھی اور بنوبکر ہمیشہ مکہ والوں کی مدد کرتے تھے۔ خزاعہ نے عملی طور پر مسلمانوں کی کبھی مدد نہیں کی مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادوں پڑدادوں سے ان کے معاہدے تھے، ان کی مدد کیا کرتے تھے۔ یوں مسلمانوں کو یہ ہمدردی تھی کہ ان کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادوں پڑدادوں سے تعلقات تھے۔ جب یہ معاہدہ ہوا تو یوں تو وہ لڑائی کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے لیکن معاہدہ کے بعد بنوبکر نے سمجھا کہ اب تو یہ غافل رہیں گے اب موقع ہے ان کو مارنے کا۔ چنانچہ وہ مکہ کے لوگوں کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ یہ بڑا اچھا موقع ہے معاہدہ ہوگیا ہے، ان کو تو خیال بھی نہیں ہوسکتا کہ ہم ان کو ماریں گے اگر اس وقت آپ ہماری مدد کریں تو ہم ان کو تباہ کر سکتے ہیں۔ مکہ والوں نے کہا بڑی اچھی بات ہے تم ہمیشہ ہماری مدد کرتے رہے ہو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ چنانچہ باہمی مشورہ کے بعد ایک اندھیری رات انہوں نے تجویز کی اور فیصلہ کیا کہ رات کے وقت حملہ کریں گے۔ مکہ کے لشکر ہمارے ساتھ آجائیں کسی نے کیا پہچاننا ہے کہ مکہ والے بیچ میں موجود ہیں یہی کہیں گے کہ بنوبکر کے لوگ ہیں اور پھر چوری چوری ان کو مار کر آجائیں گے ان کو وہم بھی نہیں ہوگا۔ چنانچہ رات جو مقرر تھی اس رات وقتِ مقررہ پر بنوبکر کا لشکر اور قریش کا لشکر مل کر وہاں گیا اور انہوں نے خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا کہ ہم سجدے کر رہے تھے اور رکوع میں گئے ہوئے تھے حالانکہ وہ سب مسلمان نہیں تھے صرف کچھ لوگ مسلمان تھے انہوں نے مبالغہ سے کہا کہ ہم کو سجدے اور رکوع کرتے ہوئے مار دیا ہے۔ وہ تو اس امید میں بیٹھے تھے کہ آپس میں دس سال کا معاہدہ ہو چکا ہے اب ہمیں حملہ کا کوئی خطرہ نہیں کوئی کسی کو نہیں

چھیڑے گا مگر اچانک قریش اور بنو بکر مل کر ان پر ٹوٹ پڑے اور انہوں نے خزاعہ کو مارنا شروع کر دیا۔ جو بھاگ سکے بھاگ گئے اور باقی جو اپنے ڈیروں پر رہے وہ مارے گئے لیکن رات کے وقت کسی کی آواز تو نکل جاتی ہے بعض لوگوں کے منہ سے آوازیں نکلیں تو بنو خزاعہ کو پتہ لگ گیا کہ قریش ان کے ساتھ شامل ہیں۔ چنانچہ انہوں نے صبح شور مچا دیا کہ قریش نے بنو بکر سے مل کر ہم پر حملہ کیا ہے صرف بنو بکر نے نہیں کیا اور اردگرد کے لوگوں کو بھی یقین ہو گیا کہ بنو بکر کبھی جرأت نہیں کر سکتے تھے جب تک قریش کی مدد ان کو حاصل نہ ہوتی اس لئے ضرور قریش حملہ میں شامل ہیں۔ اس طرح سارے علاقہ میں باتیں شروع ہو گئیں کہ قریش نے معاہدہ توڑ دیا ہے۔ چنانچہ مکہ کے رؤسا اکٹھے ہوئے اور انہوں نے کہا یہ تو بڑے فکر کی بات ہے معاہدہ ٹوٹ گیا ہے اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موقع مل گیا ہے کہ وہ ہم پر حملہ کر دیں اس کو کسی طرح سنبھالنا چاہئے۔

بنو خزاعہ کا وفد رسول کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں

ادھر بنو خزاعہ نے فوراً چالیس آدمیوں کا ایک وفد تیار کیا، انہیں اونٹوں پر سوار کیا اور انہیں کہا کہ رات دن منزلیں طے کرتے ہوئے جاؤ اور مدینہ جا کر خبر دو۔ چنانچہ وہ تین دن میں مارا مار کر کے مدینہ پہنچے اور جس طرح آپ کو الہاماً بتایا گیا تھا اسی طرح فریاد کرتے ہوئے داخل ہوئے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے خدا کی قسم دلاتے ہیں اور اسی کا واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ ہم نے تمہارے ساتھ اور تمہارے باپ دادوں کے ساتھ ہمیشہ معاہدے کئے اور تمہارے ساتھ وفاداری کی لیکن قریش نے تمہاری دوستی کی وجہ سے رات کو حملہ کر کے ہمارے آدمیوں کو مارا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت مسجد میں بیٹھے تھے اور تین دن پہلے الہامی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو اس کی خبر بھی مل چکی تھی۔ جب آپ نے سنا تو عمرو بن سالم جوان کا لیڈر تھا آپؐ نے اسے فرمایا گھبراؤ نہیں تمہاری مدد کی جائے

گی۔ پھر آپ نے فرمایا ''اگر میں تمہاری مدد نہ کروں تو خدا میری کبھی مدد نہ کرے۔'' پھر آپ نے فرمایا ''جس طرح میں اپنی جان اور اپنے بیوی بچوں کی جانو ں کی حفاظت کرتا ہوں اسی طرح تمہاری جانوں اور تمہارے بیوی بچوں کی جانوں کی بھی حفاظت کروں گا۔'' پھر آپ نے انہیں تسلی دی اور کہا کہ مکہ والوں کو پتہ لگے گا اور وہ تمہاری تلاش میں ہوں گے تم جاؤ لیکن چالیس آدمیوں کا قافلہ چونکہ آسانی سے پکڑا جا سکتا ہے اس لئے تم واپس جاتے وقت دو دو تین تین آدمی مل کر جاؤ۔ قافلہ کی صورت میں اکٹھے نہ جاؤ تا پتہ نہ لگے کہ تم میرے پاس پہنچے ہو۔ چنانچہ انہوں نے قافلہ کو دو دو، تین تین، چار چار کی پارٹیوں میں تقسیم کر دیا اور واپس چلے گئے6۔

ابوسفیان کا معاہدہ کی تجدید کے لئے مدینہ پہنچنا

ادھر مکہ والوں کو جب فکر ہوئی کہ ہم نے معاہدہ توڑ دیا ہے اور اب مسلمانوں کے لئے راستہ کھل گیا ہے ہم الزام نہیں لگا سکتے اور وہ حملہ کر سکتے ہیں اور ادھر دیکھا کہ مکہ میں جو معاہدہ کیا جائے لوگ اس کی بڑی عزت کرتے تھے حرم میں کئے ہوئے معاہدہ کی وجہ سے سارے لوگ کہیں گے کہ یہ بڑے بے ایمان ہیں اور وہ ہم سے نفرت کریں گے اور کہیں گے کہ انہوں نے مقدس مقام کی ہتک کی ہے ادھر انہوں نے معاہدہ کیا اور ادھر اسے توڑ ڈالا۔ پس جب انہوں نے دیکھا کہ ہم سے غلطی بھی ہوئی ہے اور ارد گرد کے قبائل میں بھی ہماری بدنامی ہوتی ہے اور اب اس کے نتیجہ میں بالکل ممکن ہے کہ مسلمان ہم پر حملہ کر دیں تو انہوں نے چاہا کہ کسی طرح اس لڑائی کو ٹلا دیا جائے۔ جس وقت حدیبیہ کی صلح ہوئی ہے اُس وقت ابوسفیان جوان کا لیڈر تھا مکہ میں موجود نہیں تھا وہ باہر تھا مگر اس واقعہ کے وقت ابوسفیان موجود تھا۔ مکہ کے رؤسا آخر پریشان ہو کر ابوسفیان کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ اس اس طرح واقعہ ہو گیا ہے۔ وہ کہنے لگا واقعہ کیا ہے؟ میں نے تو سنا ہے کہ تم خود وہاں گئے تھے اور خزاعہ پر تم نے حملہ کیا۔ وہ کہنے لگے جو ہو گیا سو ہو گیا تم لیڈر ہو تمہارا کام ہے

کہ اس کو سنبھالو۔تم مدینہ جاؤ اور وہاں جا کر دوبارہ معاہدہ کرو اور یہ بہانہ بنالو کہ دس سال تھوڑی مدت ہے ہم پندرہ سال تک معاہدہ کرنا چاہتے ہیں ان کو پتہ بھی نہیں لگے گا کہ ہم کیوں کر رہے ہیں۔نیا معاہدہ ہو جائے گا اور ہم کہیں گے کہ اب پچھلی غلطی پر کوئی لڑائی نہیں ہوسکتی۔ابوسفیان نے کہا بہت اچھا چنانچہ وہ چل پڑا۔

ابوسفیان کی بہانہ سازی

جب وہ مدینہ پہنچا تو اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا آپ جانتے ہیں میں مکہ کا سردار ہوں۔فرمایا ٹھیک ہے۔اس نے کہا آپ کو معلوم ہے جب صلح حدیبیہ ہوئی تھی میں مکہ میں موجود نہیں تھا اُس وقت معاہدہ ہو گیا۔اب میری پناہ دیئے بغیر کسی کو کیوں پناہ دے سکتے ہیں۔میں معاہدہ کروں تو معاہدہ مکہ کی طرف سے ہوسکتا ہے میں نہ کروں تو کیسے ہوسکتا ہے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بات سن کر خاموش رہے۔پھر اس نے کہا میری تجویز یہ ہے کہ معاہدہ نئے سرے سے کیا جائے اور میں اس پر دستخط کروں اور دوسرے دس سال تھوڑے ہیں قوم لڑتے لڑتے تھک گئی ہے میرا خیال ہے اس مدت کو پندرہ یا بیس سال کر دیا جائے۔اس طرح اس نے بہانہ بنایا کہ گویا ایک معقول وجہ بھی موجود ہے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوسفیان کیا کوئی معاہدہ توڑ بیٹھا ہے؟ وہ کہنے لگا مَعَاذَاللّٰہِ مَعَاذَاللّٰہِ یہ کس طرح ہوسکتا ہے معاہدہ ہم نے خدا سے کیا ہے اسے کوئی توڑ سکتا ہے؟ ہم اپنے معاہدہ پر قائم ہیں ہم اسے نہیں توڑ سکتے۔آپ نے فرمایا اگر تم معاہدہ توڑنے والے نہیں تو ہم بھی توڑنے والے نہیں۔کسی نئے معاہدہ کی کیا ضرورت ہے۔اب گھبرا گیا کیونکہ بات تو بنی نہیں تھی۔وہ کہنے لگا زیادہ مناسب یہی ہے کہ میں بڑا آدمی ہوں معاہدہ پر میرے دستخط نہیں اگر میرے دستخط ہو جائیں تو معاہدہ محفوظ ہو جائے گا اس سے زیادہ کوئی بات نہیں۔آپ نے فرمایا کوئی ضرورت نہیں۔اب ابوسفیان کو فکر پڑی تو وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور جا کر کہنے لگا ابوبکر! تم جانتے ہو میری کتنی بڑی پوزیشن ہے میرے دستخط

معاہدہ پر نہ ہوں تو مکہ والوں پر وہ کیسے حجت ہوسکتا ہے میرے دستخط ہونے چاہئیں اور میں پھر کہتا ہوں کہ مدت بھی بڑھا دی جائے۔تم محمد رسول اللہ سے کہو وہ تمہاری بات بڑی مانتے ہیں تم ان سے کہو کہ معاہدہ پھر سے ہو جائے اور اس پر میرے دستخط بھی ہو جائیں۔آپ نے فرمایا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا؟ اس نے کہا ہاں میں نے کہا تو تھا مگر انہوں نے فرمایا کہ جب معاہدہ ہو چکا ہے تو پھر نئے معاہدہ کی کیا ضرورت ہے۔حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے ابو سفیان! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں میری پناہ بھی شامل ہے اس لئے کسی نئی پناہ کی ضرورت نہیں۔اس کے بعد وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے بھی یہی کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں کہ وہ ہمارے ساتھ نیا معاہدہ کریں۔حضرت عمرؓ نے کہا میں تو تمہارا سر پھوڑنے کے لئے بیٹھا ہوں کسی نئے معاہدہ کا سوال ہی کیا ہے۔پھر وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ میاں کیا بیوقوفی کی باتیں کرتے ہو تمہارے ہوں گے دو دو آدمی ہمارا تو ایک ہی آدمی ہے جسے اس نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دی اور جس سے وہ لڑ پڑے اس سے ہم بھی لڑ پڑے ہمارا بیچ میں کیا دخل ہے۔پھر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔پھر وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور جا کر کہا مرد تو سمجھتے نہیں یہ لڑاکے ہوتے ہیں ان کو شکار کا شوق ہوتا ہے،عورتیں بڑی رقیق القلب ہوتی ہیں میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ قوم کے خون ہو جائیں گے،فساد ہو جائے گا اور اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔تم جانتی ہو میں سردار ہوں جب میرے دستخط نہیں ہوئے تو دوسرے اس کو کیسے مان لیں گے۔میں تکلیف اٹھا کے آیا ہوں کہ کسی طرح معاہدہ ہو جائے اور میرے دستخط ہو جائیں۔تم ذرا اپنے ابّا سے چل کے کہو کہ میں نے انہیں پناہ دے دی ہے۔تمہارے ساتھ ان کو پیار ہے بات ہو جائے گی۔حضرت فاطمہؓ کہنے لگیں ہمارے ہاں عورتیں ایسے معاملات میں دخل نہیں دیا کرتیں میرا اس معاملہ

سے کیا تعلق ہے مردوں سے جا کر کہو۔ کہنے لگا اچھا! عورتیں دخل نہیں دیتیں تو حسن اور حسین کو بھیج دو ان کو سکھا دو کہ وہ جا کر یہ بات کہہ دیں کہ نانا! ہم نے پناہ دے دی ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا ہمارے ہاں دنیا کے تمام کاموں میں بلوغت کی شرط ہوتی ہے۔ یہ بچے ہیں ان کو کیا پتہ کہ پناہ کیا ہوتی ہے۔ پھر وہ مہاجرین کے پاس گیا، انصار کے پاس گیا اور اس میں اس کے دو تین دن لگ گئے آخر اسے گھبراہٹ پیدا ہونی شروع ہوگئی کہ ہوگا کیا؟

ابوسفیان کا مسجد نبوی میں اعلان

آخر وہ سوچ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس دوبارہ گیا اور حضرت علیؓ کو جا کر کہنے لگا میں ساری جگہوں پر گیا ہوں مگر میری کوئی نہیں سنتا۔ محمد رسول اللہ سے بات کی وہ کوئی جواب نہیں دیتے۔ اب تم مجھے بتاؤ کوئی ترکیب نکل سکتی ہے یا نہیں؟ قوم کا درد تمہارے اندر بھی ہونا چاہئے۔ حضرت علیؓ کہنے لگے یہی تجویز میری سمجھ میں آتی ہے کہ تم مسجد میں کھڑے ہو کر اعلان کر دو کہ میں چونکہ اپنی قوم کا سردار ہوں اور میں نے دستخط نہیں کئے ہوئے اس لئے میں اپنی طرف سے اسے اس رنگ میں پختہ کرنے آیا ہوں کہ آج نئے سرے سے معاہدہ کیا جاتا ہے اور اس کی اتنی مدت بھی بڑھاتا ہوں اس نے کہا اس کا کوئی فائدہ ہوگا؟ حضرت علیؓ نے کہا بظاہر تو نظر نہیں آتا مگر آخر تم کہتے ہو کہ مجھے کوئی تجویز بتاؤ میں نے تمہیں بتائی ہے تم کر کے دیکھ لو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھے تھے کہ ابوسفیان وہاں پہنچا اور کھڑے ہو کر کہنے لگا کہ اے مدینہ کے لوگو! سنو! معاہدہ تم نے ان لوگوں سے کر لیا جن کی ذمہ داری نہیں ہے۔ ذمہ داری میری ہے اور میں اپنی ذمہ داری کو پورا کرنا چاہتا ہوں۔ جو کچھ میں نے سنا ہے وہ اچھی بات ہے مگر میں چاہتا ہوں معاہدہ کی مدت بھی بڑھ جائے اور میرے دستخط بھی ہو جائیں۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ معاہدہ آج سے شروع ہوتا ہے اور میری اس پر تصدیق ہے اور اتنے سال بڑھا دیئے گئے ہیں۔ یہ ایسی احمقانہ بات تھی کہ سارے

صحابہ سن کر ہنس پڑے اور اس کو سخت ذلت محسوس ہوئی کہ اتنے لوگوں میں میں اُلّو بن گیا ہوں کیونکہ معاہدہ دونوں فریق سے ہوتا ہے ایک فریق سے کیا ہوتا ہے۔ بڑے غصہ سے کہنے لگا اے ابنائے ہاشم! تم لوگ ہمیشہ ہمارے دشمن رہے۔ پھر حضرت علیؓ کو مخاطب کر کے کہنے لگا تم نے مجھے جان کے ذلیل کروایا ہے تم ہمیشہ ہماری دشمنی کرتے ہو اور یہ کہہ کر غصہ میں واپس آ گیا۔7

حضرت ام حبیبہؓ کی ایمانی غیرت

اسی دوران میں اس کو ایک اور بھی زک اللہ تعالیٰ نے پہنچائی۔ اس کی بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی تھیں یعنی اُم المؤمنین حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا۔ جب وہ مدینہ آیا تو اُس نے کہا میں بیٹی کو مل آؤں۔ جب بیٹی کے پاس گیا تو اُن کے پاس ایک فرش8 پڑا ہوا تھا انہوں نے جلدی سے اس کو لپیٹ کر رکھ لیا۔ اس کی یہ حرکت اس کو عجیب معلوم ہوئی کہنے لگا بیٹی! یہ فرش تم نے کس لئے تہہ کیا ہے؟ کیا اس لئے کیا ہے کہ یہ فرش میرے لائق نہیں؟ حضرت امِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا اے باپ! بات اصل میں یہ ہے کہ یہ وہ فرش ہے جس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھتے ہیں اور تو مشرک نجس اور ناپاک ہے میں کس طرح برداشت کر سکتی ہوں کہ خدا کے نبی کے فرش کو تو ہاتھ لگائے اس لئے میں نے اس کو تہہ کیا ہے۔ اس کو حیرت ہوئی کہ میری بیٹی نے یہ کیا کہا ہے۔ کہنے لگا بیٹی! معلوم ہوتا ہے جب سے تو مجھ سے جدا ہوئی ہے تیری طبیعت میں کچھ فرق پڑ گیا ہے۔ میرا ادب تیرے اندر اس قدر کم تو نہیں ہوا کرتا تھا۔ اس نے کہا باپ! یہ فرق پڑ گیا ہے کہ جب میں تجھ سے جدا ہوئی تھی میں کافر تھی اب مجھے خدا نے اسلام دیا ہے، اب مجھے پتہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا حیثیت ہے اور مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ تو عرب کا سردار بنا پھرتا ہے اور پتھروں کے آگے ناک رگڑتا پھرتا ہے تیری کیا حیثیت ہے اور اس شخص کی کیا حیثیت ہے جو خدا کا رسول ہے۔ غرض وہ مایوس ہو کر وہاں سے آیا۔9

ابوسفیان کی ناکام واپسی

جب مسجد میں بھی اس کو ذلت پہنچی تو وہ قافلہ کو لے کے واپس چلا آیا۔ اس کو راستہ میں خزاعہ کے بھی دو تین آدمی جاتے ہوئے مل گئے تھے۔ اس نے سمجھا اِدھر سے آئے ہیں تو ضرور یہ رسول اللہ سے مل کے آئے ہیں۔ کہنے لگا سناؤ مدینہ کا کیا حال ہے؟ یہ نہ پوچھا کہ تم خبر دینے گئے تھے بلکہ پوچھا سناؤ مدینہ کا کیا حال ہے؟ وہ مسلمان تو تھے ہی نہیں نہ ان کو دینِ اسلام سے کوئی واقفیت تھی ان کو جھوٹ بولنے سے کیا پرہیز تھا کہنے لگے مدینہ کیسا۔ ہم کیا جانتے ہیں مدینہ کو۔ ہماری تو قوم کے بعض آدمیوں میں یہاں لڑائی ہوگئی تھی ہم صلح کرانے آئے تھے۔ لیکن ابوسفیان بڑا ہوشیار تھا اس نے سمجھا کہ یہ میرے ساتھ چالاکی کر رہے ہیں۔ اپنے ساتھیوں کو کہنے لگا جس وقت یہ آگے جائیں ذرا اونٹوں کی لید دیکھو۔ مدینہ میں اونٹوں کو کھجور کی گٹھلیاں کھلایا کرتے ہیں اگر لید میں گٹھلیاں نکلیں تو جھوٹ بول رہے ہیں یہ مدینہ سے آئے ہیں۔ اگر لید سے گٹھلیاں نہ نکلیں تو یہ کہیں اَور سے آرہے ہیں۔ جب وہ قافلہ گیا اور انہوں نے لید دیکھی تو گٹھلیاں نکلیں۔ کہنے لگے یہ وہاں ہو آئے ہیں۔ خیر اب یہ وہاں سے واپس مکہ پہنچے۔ مکہ پہنچنے پر سارے مکہ والے آئے اور پوچھا سناؤ کچھ کر آئے ہو؟ کہنے لگا صرف اتنا کیا ہے کہ میں نے مسجد میں کھڑے ہو کر اعلان کر دیا تھا کہ میرے بغیر معاہدہ نہیں ہو سکتا۔ اب میں نیا معاہدہ کرتا ہوں اور اس کی تصدیق کرتا ہوں اور اس کی مدت بھی بڑھاتا ہوں۔ کہنے لگے تم ہمارے سردار ہو پھر تم نے ایسی احمقانہ بات کیوں کی؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ نہ مانیں اور تم اعلان کر دو۔ پھر معاہدہ کیسے ہوا! کہنے لگا کہتے تو وہ بھی یہی تھے۔ کہنے لگے پھر تم نے کیا کیا؟ کہنے لگا پھر اور میں کیا کرتا۔ تم ہی کوئی ترکیب بتاؤ۔ میں نے رسول اللہ کو بار بار کہا، صحابہ کے آگے ناک رگڑے کسی نے میری نہیں سنی پھر میں اور کیا کر سکتا تھا۔ کہنے لگے بھلا اس کا کوئی فائدہ بھی تھا ذلیل ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ اس نے کہا میں تو بس یہی کر کے آیا ہوں۔ خیر ساری طرف

سے اس کو ملامت شروع ہوئی۔

مکہ والوں کی طرف سے ابوسفیان پر غداری کا الزام

لوگوں نے اس کے متعلق کہا کہ یہ مسلمانوں سے مل گیا ہے۔ عربوں میں یہ دستور تھا کہ جب کسی پر ایسا الزام لگے تو جا کر خانہ کعبہ کے سامنے قربانی کرتا تھا اور اس قربانی کا خون اپنے ماتھے پر ملتا تھا اور پھر قوم کے آگے اعلان کرتا تھا کہ میں نے کوئی غداری نہیں کی۔ وہ اس کے متعلق سمجھتے تھے کہ اب یہ جھوٹ نہیں بول سکتا اور وہ اس کو بڑا عذاب سمجھتے تھے۔ اسی دستور کے مطابق اس نے بھی خانہ کعبہ کے آگے قربانی کی۔ اس کا خون لے کر اپنے ماتھے کو ملا اور پھر قوم کے آگے جا کر کہا کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ مجھ سے جو کچھ ہو سکا کیا ہے۔ مَیں نے ان کے ساتھ اور کوئی معاہدہ نہیں کیا10۔ چنانچہ اس پر لوگوں کو تسلی ہو گئی۔ مگر اب ان میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں کہ اگر مسلمانوں کی طرف سے حملہ ہو جائے تو کیا بنے گا؟

رؤسا مکہ میں گھبراہٹ

کچھ دنوں تک مدینہ سے خبریں نہ پہنچیں۔ جب کوئی خبر نہ پہنچی تو ان کی گھبراہٹ اور بھی زیادہ بڑھتی چلی گئی کہ اگر خزاعہ والے وہاں گئے ہیں تو محمد رسول اللہ نے کچھ نہ کچھ تو ضرور کہا ہو گا۔ یا تو یہ کہا ہو گا کہ ہم نہیں کر سکتے یا یہ کہا ہو گا ہم کرتے ہیں۔ کچھ تو پتہ لگتا، یہ خاموشی کیسی ہے؟ تین چار روز کے بعد انہوں نے ابوسفیان سے کہا کہ تم روز جایا کرو اور جا کے چکر لگا کر دیکھا کرو کہ مسلمانوں کا کوئی لشکر تو نہیں آ رہا۔

رسول کریم ﷺ کی فتح مکہ کے لئے تیاری

بہرحال اِدھر ابوسفیان مکہ کی طرف روانہ ہوا اُدھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک بیوی سے کہا کہ میرا سامانِ سفر باندھنا شروع کرو۔ انہوں نے رختِ سفر باندھنا شروع کیا اور حضرت عائشہؓ سے کہا میرے

لئے ستّو وغیرہ یا دانے وغیرہ بھون کر تیار کرو۔ اسی قسم کی غذائیں اُن دنوں میں ہوتی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے مٹی وغیرہ پھٹک کے دانوں سے نکالنی شروع کی۔ حضرت ابوبکرؓ گھر میں بیٹی کے پاس آئے اور انہوں نے یہ تیاری دیکھی تو پوچھا عائشہ! یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی سفر کی تیاری ہے؟ کہنے لگیں سفر کی تیاری ہی معلوم ہوتی ہے آپ نے سفر کی تیاری کیلئے کہا ہے۔ کہنے لگے کوئی لڑائی کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا کچھ پتہ نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرا سامانِ سفر تیار کرو اور ہم ایسا کر رہے ہیں۔ دو تین دن کے بعد آپ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بلایا اور کہا دیکھو! تمہیں پتہ ہے خزاعہ کے آدمی اس طرح آئے تھے اور پھر بتایا کہ یہ واقعہ ہوا ہے اور مجھے خدا نے اس واقعہ کی پہلے سے خبر دے دی تھی کہ انہوں نے غداری کی ہے اور ہم نے ان سے معاہدہ کیا ہوا ہے۔ اب یہ ایمان کے خلاف ہے کہ ہم ڈر جائیں اور مکہ والوں کی بہادری اور طاقت دیکھ کر ان کے مقابلہ کے لئے تیار نہ ہو جائیں۔ تو ہم نے وہاں جانا ہے تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! آپ نے تو ان سے معاہدہ کیا ہوا ہے اور پھر وہ آپ کی اپنی قوم ہے۔ مطلب یہ تھا کہ کیا آپ اپنی قوم کو ماریں گے؟ فرمایا ہم اپنی قوم کو نہیں ماریں گے معاہدہ شکنوں کو ماریں گے۔ پھر حضرت عمرؓ سے پوچھا تو انہوں نے کہا بِسمِ اللّٰہِ! میں تو روز دعائیں کرتا تھا کہ یہ دن نصیب ہو اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں کفار سے لڑیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر بڑا نرم طبیعت کا ہے مگر قولِ صادق عمر کی زبان سے زیادہ جاری ہوتا ہے۔ فرمایا کرو تیاری[11]۔ پھر آپ نے اردگرد کے قبائل کو اعلان بھجوایا کہ ہر شخص جو اللہ اور رسول پر ایمان رکھتا ہے وہ رمضان کے ابتدائی دنوں میں مدینہ میں جمع ہو جائے۔ چنانچہ لشکر جمع ہونے شروع ہوئے اور کئی ہزار آدمیوں کا لشکر تیار ہو گیا اور آپ لڑنے کے لئے تشریف لے گئے۔

خدائی نوبت خانہ اور کفار کے نوبت خانہ میں ایک بہت بڑا فرق

اب دیکھو یہ نوبت خانہ کتنا زبردست ہے کہ اُس وقت جب معاہدہ یہ ہوتا ہے کہ لڑائی نہیں ہو گی، جب قسم کھا کھا کے کہا جاتا ہے کہ ہم اپنے دل سے یہ عہد کرتے ہیں اور خدا کی لعنتیں ہم پر ہوں اگر ہم اس عہد کو توڑیں وہاں ابھی ایک رات ہی گزرتی ہے کہ خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ لڑائی ہو گی۔ گویا نوبت خانہ بج جاتا ہے اور خبر آتی ہے کہ لڑائی ہونے والی ہے۔ ادھر کفار کے نوبت خانہ کا یہ حال ہے کہ ابوسفیان تین دن مدینہ میں رہ کر آتا ہے اور اس کو پتہ نہیں لگتا کہ لڑائی ہو گی۔ واپس جا کر قوم کو کہتا ہے کہ میں یہ کر آیا ہوں۔ انہوں نے کہا لڑائی تو نہیں ہو گی؟ اس نے کہا لڑائی نہیں ہو گی۔ مگر اِدھر وہ مکہ میں پہنچتا ہے اور اُدھر دس ہزار کا لشکر تیار ہوتا ہے۔ احزاب کی تاریخ کے سوا اتنا بڑا لشکر عرب کی تاریخ میں تیار نہیں ہوا۔ احزاب میں دس بارہ ہزار آدمی تھا۔ گویا عرب کی تاریخ میں اتنے بڑے لشکر کی یہ دوسری مثال تھی۔ لیکن مدینہ سے اتنا بڑا لشکر نکلتا ہے اور کسی کو اس کی خبر تک نہیں ہوتی اور پھر اللہ تعالیٰ معجزانہ طور پر یہ دکھاتا ہے کہ میں اس نوبت خانہ کو بجاتا ہوں جو میرا ہے اور اس نوبت خانہ کو توڑ رہا ہوں جو ان کا ہے۔ چنانچہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے تو آپ نے فرمایا اے میرے خدا! میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ تو مکہ والوں کے کانوں کو بہرہ کر دے اور ان کے جاسوسوں کو اندھا کر دے۔ نہ وہ ہمیں دیکھیں اور نہ ان کے کانوں تک ہماری کوئی بات پہنچے۔12 چنانچہ آپ نکلے۔ مدینہ میں سینکڑوں منافق موجود تھا لیکن دس ہزار کا لشکر مدینہ سے نکلتا ہے اور کوئی اطلاع مکہ میں نہیں پہنچتی۔

ایک صحابی کا کفار مکہ کی طرف خط اور اس کا پکڑا جانا

صرف ایک کمزور صحابی نے مکہ والوں کو خط لکھ دیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار کا لشکر لے کر نکلے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں آپ کہاں جا رہے ہیں لیکن میں قیاس کرتا ہوں کہ غالباً وہ مکہ کی طرف آ رہے ہیں۔ میرے مکہ

میں بعض عزیز اور رشتہ دار ہیں میں امید کرتا ہوں کہ تم اس مشکل گھڑی میں ان کی مدد کرو گے اور انہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچنے دو گے۔ یہ خط ابھی مکہ نہیں پہنچا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کے وقت حضرت علیؓ کو بلایا اور فرمایا تم فلاں جگہ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ وہاں ایک عورت اونٹنی پر سوار تم کو ملے گی اس کے پاس ایک خط ہوگا جو وہ مکہ والوں کی طرف لے جا رہی ہے تم وہ خط اس عورت سے لے لینا اور فوراً میرے پاس آ جانا۔ جب وہ جانے لگے تو آپ نے فرمایا دیکھنا! وہ عورت ہے اس پر سختی نہ کرنا، اصرار کرنا اور زور دینا کہ تمہارے پاس خط ہے لیکن اگر پھر بھی وہ نہ مانے اور منتیں سماجتیں بھی کام نہ آئیں تو پھر تم سختی بھی کر سکتے ہو اور اگر اسے قتل کرنا پڑے تو قتل بھی کر سکتے ہو لیکن خط نہیں جانے دینا۔13 چنانچہ حضرت علیؓ وہاں پہنچ گئے۔ عورت موجود تھی وہ رونے لگ گئی اور قسمیں کھانے لگ گئی کہ کیا میں غدار ہوں، دھوکے باز ہوں، آخر کیا ہے تم تلاشی لے لو۔ چنانچہ انہوں نے اِدھر اُدھر دیکھا، اس کی جیبیں ٹٹولیں، سامان دیکھا مگر خط نہ ملا۔ صحابہؓ کہنے لگے معلوم ہوتا ہے خط اس کے پاس نہیں۔ حضرت علیؓ کو جوش آ گیا آپ نے کہا تم چپ رہو اور بڑے جوش سے کہا کہ خدا کی قسم! رسول کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ چنانچہ انہوں نے اس عورت سے کہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے کہ تیرے پاس خط ہے اور خدا کی قسم! میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ پھر آپ نے تلوار نکالی اور کہا یا تو سیدھی طرح خط نکال کر دے دے ورنہ یاد رکھ اگر تجھے ننگا کر کے بھی تلاشی لینی پڑی تو میں تجھے ننگا کروں گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ بولا ہے اور تو جھوٹ بول رہی ہے۔ چنانچہ وہ ڈر گئی اور جب اسے ننگا کرنے کی دھمکی دی گئی تو اس نے جھٹ اپنی مینڈھیاں کھولیں ان مینڈھیوں میں اس نے خط رکھا ہوا تھا جو اس نے نکال کر دے دیا۔14 یہ ایک صحابی حاطب کا خط تھا اور اس میں لکھا تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار کا لشکر لے کر آ رہے ہیں پتہ نہیں چلتا کہ کدھر جا رہے ہیں لیکن اتنا بڑا لشکر مکہ کے سوا اور کہیں جاتا

معلوم نہیں ہوتا اس لئے میں تم کو خبر دے رہا ہوں۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خط پہنچا تو آپ نے حاطب کو بلوایا اور فرمایا یہ خط تمہارا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں میرا ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے یہ خط کیوں لکھا تھا؟ انہوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! بات اصل میں یہ ہے کہ سارے مہاجر جو آپ کے ساتھ ہیں یہ مکہ کے رہنے والے ہیں۔ میں مکہ میں باہر سے آ کے بسا ہوں، میرا کوئی رشتہ دار نہیں، میرا بیٹا وہاں ہے، میری بیوی وہاں ہے، جس وقت ان پر حملہ ہوا انہوں نے ہمارے جتنے رشتہ دار ہیں ان کو مار ڈالنا ہے۔ سوائے ان کے جن کے بچانے والے موجود ہوں گے۔ پس چونکہ میرے بیوی بچوں کو کوئی بچانے والا نہیں اس لئے میں نے یہ خط لکھ دیا۔ میں جانتا ہوں کہ خدا نے آپ کی مدد کرنی ہے۔ جب انہوں نے تباہ ہو جانا ہے اور خدا کہتا ہے کہ ہو جانا ہے تو وہ تباہ ہی ہو جائیں گے چاہے میں ان کو ہزار خط لکھوں مگر اس طرح میرے بیوی بچے بچ جاتے تھے اور آپ کو کوئی نقصان نہیں ہوتا تھا ورنہ میں بے ایمان نہیں۔ حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے تھے انہوں نے تلوار نکال لی کہ کمبخت! رات دن ہم چھپاتے چلے آ رہے ہیں کہ بات کسی طرح نکلے نہیں اور تو ان کو خط لکھتا ہے یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں۔ آپ نے فرمایا کہ جو کچھ کہتا ہے سچ کہتا ہے یہ مومن ہے اس نے صرف ڈر کے مارے یہ بات کی ہے15۔ بہرحال یہ رپورٹ کسی کو نہیں پہنچتی۔ نوبت خانہ بجتا بھی ہے تو اس کی آواز وہیں روک دی جاتی ہے۔ ادھر سے نوبت خانہ ڈیڑھ سال پہلے بجتا ہے کہ دشمن آ گیا دشمن آ گیا۔

ابوسفیان کی سراسیمگی

اب جس وقت وہاں مسلمان پہنچے تو جب تک مسلمان حرم میں نہیں پہنچ گئے مکہ والوں کو خبر نہیں پہنچی۔ جب وہاں پہنچے تو ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کا مکہ والوں کی طرف سے پہرہ مقرر تھا۔ گویا اب یہ صورت ہو گئی کہ جب وہاں پہنچے تو ان کو خبر ہو گئی کہ اسلامی لشکر آ گیا ہے مگر اب اللہ تعالیٰ اس کا بھی علاج کر لیتا ہے۔ آپ نے وہاں جا کر فرمایا کہ اب ہمیں

ان پر ظاہر کر دینا چاہئے کہ ہم آ گئے ہیں۔ چنانچہ آپ نے حکم دیا کہ ہر سپاہی روٹی کے لئے علیحدہ آگ جلائے تا کہ دس ہزار روشنی ہو جائے۔ چنانچہ سب خیموں کے آگے دس ہزار روشنی دکھائی دینے لگی۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے آگ کو روشن دیکھا تو وہ گھبرا گئے۔ اتنا بڑا لشکر ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ اسی گھبراہٹ میں ابوسفیان نے اپنے ساتھیوں سے کہا کیا تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ یہ کس کا لشکر ہے؟ پہلے تو ان کا خزاعہ کی طرف خیال گیا اور انہوں نے کہا کہ شاید خزاعہ والے ہوں گے جو اپنا بدلہ لینے آئے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا خدا کا خوف کرو خزاعہ تو اس کا دسواں حصہ بھی نہیں یہ اتنی بڑی روشنی ہے اور اتنا بڑا لشکر ہے کہ خزاعہ کی اس کے مقابلہ میں کوئی حیثیت ہی نہیں۔ عام طور پر فی خیمہ ایک روشنی ہوا کرتی ہے۔ اس لحاظ سے دس ہزار خیمہ بن گیا مگر خزاعہ کی ساری تعداد دو چار سو ہے۔ پس وہ کس طرح ہوسکتا ہے ان کی تعداد تو اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ انہوں نے کہا فلاں قبیلہ ہوگا۔ کہنے لگا آخر وہ کیوں آئے اور پھر یہ کہ ان کی تعداد بھی اتنی نہیں۔ غرض اسی طرح پانچ سات قبائل کے نام لیتے گئے کہ فلاں ہوگا، فلاں ہوگا اور ہر بار ابوسفیان نے کہا کہ یہ غلط ہے۔ آخر انہوں نے کہا یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا لشکر ہوگا اور کس کا ہوگا۔ کہنے لگا بالکل جھوٹ۔ میں تو انہیں مدینہ میں سوتا چھوڑ کر آیا ہوں ان کو پتہ بھی نہیں وہ بڑے آرام سے بیٹھے تھے۔

ابوسفیان اور اس کے ساتھی اسلامی پہرہ داروں کے نرغہ میں

یہ باتیں ابھی ہو ہی رہی تھیں کہ اسلامی لشکر کے چند سپاہی جو پہرہ پر متعین تھے وہ پہرہ دیتے ہوئے قریب پہنچ گئے اور ابوسفیان کی آواز انہوں نے سنی۔ ان میں حضرت عباس بھی تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور ابوسفیان کے بڑے گہرے دوست تھے۔ اُس وقت وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خچر پر سوار تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سفر میں خچر دی تھی

کہ وہ اس کو استعمال کریں۔ انہوں نے آواز سنی تو کہنے لگے ابوسفیان! ابوسفیان نے کہا عباس! تم کہاں؟ حضرت عباسؓ نے کہا او کمبخت! تیرا بیڑا غرق ہو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار کا لشکر لے کر آ گئے ہیں۔ اب شہر کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔ اب تو چل اور چڑھ جا میرے پیچھے اور خدا کے نام پر ان کی منتیں کر اور اپنی اور اپنی قوم کی معافی کے لئے درخواست کر ورنہ تباہی آ جائے گی۔ چڑھ جا میرے پیچھے۔ انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور خچر کے پیچھے بٹھا لیا اور دوڑائی خچر۔ اب لشکر میں جگہ جگہ پہرے ہوتے ہیں۔ جہاں بھی یہ پہنچے پہریدار فوراً آگے آ کر روکنے لگے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خچر ہے اور آگے حضرت عباسؓ بیٹھے ہیں تو کہنے لگے چلو چھوڑو۔ خیر وہ پہروں میں سے نکل کر چلے گئے یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کے خیمہ کے پاس پہنچے۔

حضرت عباسؓ کی ابوسفیان کو بچانے کی کوشش

حضرت عمرؓ نے دیکھا تو تلوار نکال کر بھاگے اور کہنے لگے خدا کا کتنا شکر ہے کہ بغیر عہد شکنی کئے مجھے آج اس کی جان نکالنے کی توفیق ملی اور آپ ہی آپ خدا نے دشمن میرے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ حضرت عباسؓ نے دیکھا تو وہ آگے بھاگے۔ حضرت عمرؓ پیچھے پیچھے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کے پاس پہنچے تو حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کو دھکا دے کر نیچے پھینکا اور کہا اتر۔ پھر آپ کُود ے اور کُود کر اس کا ہاتھ پکڑ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ میں پہنچے اور کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! ابوسفیان مسلمان ہونے کے لئے آیا ہے۔ اب ابوسفیان حیران کہ یہ کیا بن گیا۔ یا تو میں پہرہ دے رہا تھا اور یا اب مجھے مسلمان ہونے کیلئے کہا جا رہا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے کیونکہ اس کی شکل سے پتہ لگتا تھا کہ یہ مسلمان ہونے نہیں آیا۔ اتنے میں حضرت عمرؓ بھی داخل ہوئے اور کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! یہ خدا تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس خبیث اور بے ایمان دشمنِ خدا اور رسول کو اس

نے بغیر اس کے کہ میں عہد شکنی کروں اور معاہدہ توڑوں آپ میرے حوالے کر دیا ہے۔ آپؐ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے لیکن حضرت عباسؓ کو غصہ آ گیا کیونکہ وہ ان کا بہت دوست تھا۔ انہوں نے عمرؓ سے کہا عمر! دیکھو یہ میرے خاندان کا آدمی ہے اس لئے تم اس کو مارنا چاہتے ہو۔ اگر تمہارے خاندان کا آدمی ہوتا تو تم کبھی اس کے مارنے کی خواہش نہ کرتے۔ حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کہنے لگے عباس! تم نے مجھ پر بڑی زیادتی کی ہے۔ خدا کی قسم! جب تم مسلمان ہوئے تھے تو مجھے اتنی خوشی ہوئی تھی کہ اگر میرا باپ بھی مسلمان ہوتا تو مجھے کبھی اتنی خوشی نہ ہوتی۔ اور اس کی صرف یہ وجہ تھی کہ میں سمجھتا تھا کہ تمہارے مسلمان ہونے سے رسول اللہ ﷺ کو جو خوشی پہنچ سکتی ہے وہ میرے باپ کے اسلام لانے سے نہیں پہنچ سکتی تھی۔ یعنی ہم نے تو اپنے باپ دادوں کو بھی چھوڑ دیا اب رشتہ داری کا کیا سوال ہے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے فرمایا عباس! ابوسفیان کو اپنے خیمہ میں لے جاؤ اور رات کو اپنے پاس رکھو۔ صبح اسے میرے سامنے پیش کرو۔ حضرت عباسؓ لے گئے اور رات اپنے پاس رکھا۔16

مسلمانوں کی اجتماعی عبادت کا ابوسفیان پر گہرا اثر

اب دیکھو ابوسفیان پہرہ دے رہے تھے اور انہوں نے واپس جا کر خبر دینی تھی لیکن وہ خود پکڑے گئے۔ ادھر باقی مسلمان سپاہی دوسرے آدمیوں کو بھی پکڑ لائے۔ یہ چار پانچ رئیس تھے پکڑے ہوئے وہاں پہنچے اور رات وہاں رہے۔ صبح نماز کے وقت حضرت عباسؓ ابوسفیان کو پکڑ کر لے گئے۔ جب اذان ہوئی اور نماز کے لئے لوگ کھڑے ہوئے تو اسے ایک عجیب نظارہ نظر آیا۔ یہیں جلسہ سالانہ پر دیکھ لو کہ جب ہمارے تیس چالیس ہزار آدمی نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کیا شاندار نظارہ ہوتا ہے۔ وہاں بھی صفوں پر صفیں بننی شروع ہو گئیں اور

ہر ایک آدمی نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔ ہمارے ہاں تو پھر کچھ آدمی نماز کے وقت پکوڑے کھا رہے ہوتے ہیں مگر وہ لوگ پکے نمازی تھے۔ بہر حال ابوسفیان نے جوان کو دیکھا تو لرز گیا۔ ابوسفیان بادشاہوں کے دربار میں آیا جایا کرتا تھا اور اس کو پتہ تھا کہ جب بڑے آدمیوں کو مروانا ہوتا تھا تو فوجیں کھڑی کی جاتی تھیں اور ان کے سامنے اس کی گردن کاٹی جاتی اس خیال کے ماتحت اس نے پوچھا کہ عباس! کیا رات کو میرے متعلق کوئی نیا حکم جاری ہوا ہے؟ حضرت عباسؓ نے کہا تمہارے متعلق تو کوئی نیا حکم جاری نہیں ہوا۔ وہ کہنے لگا پھر یہ اتنے آدمی کھڑے کیوں ہیں؟ حضرت عباسؓ نے کہا یہ عبادت کے لئے کھڑے ہوئے ہیں اور ہمارے ہاں عبادت کا یہی طریق ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ رکوع میں گئے۔ کہنے لگا یہ جھکے کیوں ہیں؟ عباسؓ نے کہا یہ عبادت ہے۔ پھر سجدہ میں گئے تو کہنے لگا اب یہ کیا ہوا کہ سارے کے سارے زمین پر گر گئے ہیں؟ انہوں نے کہا دیکھتے نہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کر رہے ہیں۔ بس جو کچھ وہ کرتے ہیں وہی کچھ مسلمان کرتے ہیں۔ کہنے لگا عجیب طریق ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جھکتے ہیں تو وہ جھک جاتے ہیں، کھڑے ہوتے ہیں تو وہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ کہنے لگے مسلمان اسی طرح کرتے ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر حرکت کی نقل کیا کرتے ہیں۔ ابوسفیان کہنے لگا میں تو قیصر کے پاس بھی گیا اور اور بادشاہوں کے پاس بھی گیا ہوں ان کو تو میں نے اس طرح عبادت کرتے نہیں دیکھا۔ انہوں نے کہا قیصر کیا چیز ہے اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیں کہ روٹی کو ہاتھ نہیں لگانا، پانی کو ہاتھ نہیں لگانا تو وہ بھوکے مر جائیں گے، پیاسے مر جائیں گے مگر روٹی نہیں کھائیں گے اور پانی نہیں پئیں گے۔17

ابوسفیان کی رسول کریم ﷺ سے درخواست

جب نماز ختم ہو چکی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان کو لے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کو دیکھا اور فرمایا تیرا برا حال ہو کیا تجھے ابھی یقین نہیں آیا کہ خدا ایک ہے؟ ابوسفیان نے کہا یقین کیوں نہیں آیا۔ اگر کوئی دوسرا خدا ہوتا تو ہماری مدد نہ کرتا؟ آپ نے فرمایا تیرا برا حال ہو کیا تجھے ابھی یقین نہیں آیا کہ محمد اللہ کا رسول ہے؟ کہنے لگا ابھی اس کے متعلق یقین نہیں ہوا۔ حضرت عباسؓ نے کہا کمبخت! کر لو بیعت۔ اس وقت تیری اور تیری قوم کی جان بچتی ہے۔ کہنے لگا اچھا! کر لیتا ہوں۔ وہاں تو اس نے یونہی بیعت کر لی لیکن بعد میں جا کر سچا مسلمان ہو گیا۔ خیر بیعت کر لی تو عباسؓ کہنے لگے اب مانگ اپنی قوم کے لئے ورنہ تیری قوم ہمیشہ کے لئے تباہ ہو جائے گی۔ مہاجرین کا دل اُس وقت ڈر رہا تھا۔ وہ تو مکہ کے رہنے والے تھے اور سمجھتے تھے کہ ایک دفعہ مکہ کی عزت ختم ہوئی تو پھر مکہ کی عزت باقی نہیں رہے گی۔ وہ باوجود اس کے کہ انہوں نے بڑے بڑے مظالم برداشت کئے تھے پھر بھی وہ دعائیں کرتے تھے کہ کسی طرح صلح ہو جائے۔ لیکن انصار ان کے مقابلہ میں بڑے جوش میں تھے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا مانگو۔ کہنے لگا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! کیا آپ اپنی قوم پر رحم نہیں کریں گے؟ آپ تو بڑے رحیم کریم ہیں اور پھر میں آپ کا رشتہ دار ہوں، بھائی ہوں، میرا بھی کوئی اعزاز ہونا چاہئے میں مسلمان ہوا ہوں۔ آپ نے فرمایا اچھا جاؤ اور مکہ میں اعلان کر دو کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں گھسے گا اسے پناہ دی جائے گی۔ کہنے لگا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! میرا گھر ہے کتنا اور اس میں کتنے آدمی آ سکتے ہیں۔ اتنا بڑا شہر ہے اس کا میرے گھر میں کہاں ٹھکانہ ہو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا جو شخص خانہ کعبہ میں چلا جائے گا اسے امان دی جائے گی۔ ابوسفیان نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! پھر بھی لوگ بچ رہیں گے۔ آپ نے فرمایا اچھا جو ہتھیار پھینک دے گا اسے بھی کچھ نہیں کہا جائے گا۔ کہنے لگا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! پھر بھی لوگ رہ جائیں گے۔ آپ نے فرمایا اچھا جو اپنے گھر کے دروازے بند کر لے گا اسے بھی پناہ دی جائے گی۔ اس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! گلیوں والے تو ہیں وہ تو مارے جائیں گے۔ آپ نے فرمایا بہت اچھا لاؤ ایک جھنڈا

بلال کا تیار کرو۔ ابی رویحہ ایک صحابی تھے آپ نے جب مدینہ میں مہاجرین اور انصار کو آپس میں بھائی بھائی بنایا تھا تو ابی رویحہ کو بلال کا بھائی بنایا تھا۔ شاید اُس وقت بلال تھے نہیں یا کوئی اور مصلحت تھی بہر حال آپ نے بلالؓ کا جھنڈا بنایا اور ابی رویحہ کو دیا اور فرمایا یہ بلال کا جھنڈا ہے یہ اسے لے کر چوک میں کھڑا ہو جائے اور اعلان کر دے کہ جو شخص بلال کے جھنڈے کے نیچے کھڑا ہو گا اس کو نجات دی جائے گی۔ ابوسفیان کہنے لگا بس اب کافی ہو گیا اب مکہ بچ جائے گا۔ کہنے لگا اب مجھے اجازت دیجئے کہ میں جاؤں۔ آپ نے فرمایا جا[18]۔

ابوسفیان کا مکہ میں اعلان

اب تو سردار خود ہی ہتھیار پھینک چکا تھا۔ خبر پہنچنے یا نہ پہنچنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ گھبرایا ہوا مکہ میں داخل ہوا اور یہ کہتا جاتا تھا لوگو! اپنے اپنے گھروں کے دروازے بند کرلو۔ لوگو! اپنے اپنے ہتھیار پھینک دو۔ لوگو! خانہ کعبہ میں چلے جاؤ۔ بلال کا جھنڈا کھڑا ہوا ہے اس کے نیچے کھڑے ہو جانا۔ اتنے میں لوگوں نے دروازے بند کرنے شروع کر دیئے اور بعض نے خانہ کعبہ میں گھسنا شروع کیا۔ لوگوں نے ہتھیار باہر لالا کر پھینکنے شروع کئے۔ اتنے میں اسلامی لشکر شہر میں داخل ہوا اور لوگ بلالؓ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے[19]۔

حضرت بلالؓ کا جھنڈا کھڑا کرنے میں حکمت

اس واقعہ میں جو سب سے زیادہ عظیم الشان بات ہے وہ بلالؓ کا جھنڈا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلالؓ کا جھنڈا بناتے ہیں اور فرماتے ہیں جو شخص بلالؓ کے جھنڈے کے نیچے کھڑا ہو جائے گا اس کو پناہ دی جائے گی حالانکہ سردار تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی جھنڈا نہیں کھڑا کیا جاتا آپ کے بعد قربانی کرنے والے ابوبکرؓ تھے مگر ابوبکرؓ کا بھی کوئی جھنڈا نہیں کھڑا کیا جاتا۔ ان کے بعد مسلمان ہونے والے رئیس عمرؓ تھے مگر عمرؓ

کا بھی کوئی جھنڈا نہیں کھڑا کیا جاتا۔ ان کے بعد عثمانؓ مقبول تھے اور آپ کے داماد تھے مگر عثمانؓ کا بھی کوئی جھنڈا نہیں کھڑا کیا جاتا۔ ان کے بعد علیؓ تھے جو آپ کے بھائی بھی تھے اور آپ کے داماد بھی تھے مگر علیؓ کا کوئی جھنڈا نہیں کھڑا کیا جاتا، پھر عبدالرحمٰنؓ بن عوف وہ شخص تھے جن کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آپ وہ شخص ہیں کہ جب تک آپ زندہ ہیں مسلمان قوم میں اختلاف نہیں ہوگا لیکن عبدالرحمٰنؓ کا کوئی جھنڈا نہیں بنایا جاتا۔ پھر عباسؓ آپ کے چچا تھے اور بعض دفعہ وہ گستاخی بھی کر لیتے تو آپ خفا نہ ہوتے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا بھی کوئی جھنڈا نہیں بنایا، پھر سارے رؤسا اور چوٹی کے آدمی موجود تھے، خالدؓ بن ولید جو ایک سردار کا بیٹا خود بڑا نامور انسان تھا موجود تھا، عمروؓ بن عاص ایک سردار کا بیٹا تھا۔ اسی طرح اور بڑے بڑے سرداروں کے بیٹے تھے مگر ان میں سے کسی ایک کا بھی جھنڈا نہیں بنایا جاتا۔ جھنڈا بنایا جاتا ہے تو بلالؓ کا بنایا جاتا ہے۔ کیوں؟ اس کی کیا وجہ تھی؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ خانہ کعبہ پر جب حملہ ہونے لگا تھا ابوبکرؓ دیکھ رہا تھا کہ جن کو مارا جانے والا ہے وہ اس کے بھائی بند ہیں اور اس نے خود بھی کہہ دیا تھا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! کیا اپنے بھائیوں کو ماریں گے؟ وہ ظلموں کو بھول چکا تھا اور جانتا تھا کہ یہ میرے بھائی ہیں۔ عمرؓ بھی کہتے تو یہی تھے کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! ان کافروں کو ماریئے مگر پھر بھی جب آپ ان کو معاف کرنے پر آئے تو وہ اپنے دل میں یہی کہتے ہوں گے کہ اچھا ہوا ہمارے بھائی بخشے گئے۔ عثمانؓ اور علیؓ بھی کہتے ہوں گے کہ ہمارے بھائی بخشے گئے۔ انہوں نے ہمارے ساتھ سختیاں کر لیں تو کیا ہوا۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو معاف کرتے وقت یہی سمجھتے ہوں گے کہ ان میں میرے چچا بھی تھے۔ بھائی بھی تھے، ان میں میرے داماد، عزیز اور رشتہ دار بھی تھے اگر میں نے ان کو معاف کر دیا تو اچھا ہی ہوا میرے اپنے رشتہ دار بچ گئے۔ صرف ایک شخص تھا جس کی مکہ میں کوئی رشتہ داری نہیں تھی، جس کی مکہ میں کوئی طاقت نہ تھی، جس کا مکہ میں کوئی ساتھی نہ تھا اور اس کی بے کسی

کی حالت میں اس پر وہ ظلم کیا جاتا جو نہ ابوبکرؓ پر ہوا، نہ علیؓ پر ہوا، نہ عثمانؓ پر ہوا، نہ عمرؓ پر ہوا بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی نہیں ہوا۔ جلتی اور تپتی ہوئی ریت پر بلالؓ ننگا لٹا دیا جاتا تھا۔ تم دیکھو! ننگے پاؤں بھی مئی اور جون میں نہیں چل سکتے۔ اس کو ننگا کر کے تپتی ریت پر لٹا دیا جاتا تھا، پھر کیلوں والے جوتے پہن کر نوجوان اس کے سینے پر ناچتے تھے اور کہتے تھے کہو خدا کے سوا اور معبود ہیں، کہو محمد رسول اللہ جھوٹا ہے اور بلالؓ آگے سے اپنی حبشی زبان میں جب وہ بہت مارتے تھے کہتے اَشْھَدُ اَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ وہ شخص آگے سے یہی جواب دیتا تھا کہ تم مجھ پر کتنا بھی ظلم کرو میں نے جب دیکھ لیا ہے کہ خدا ایک ہے تو دو کس طرح کہہ دوں۔ اور جب مجھے پتہ ہے کہ محمد رسول اللہ خدا کے سچے رسول ہیں تو میں انہیں جھوٹا کس طرح کہہ دوں۔ اس پر وہ اور مارنا شروع کر دیتے تھے۔ مہینوں گرمیوں کے موسم میں اس کے ساتھ یہی حال ہوتا تھا۔ اسی طرح سردیوں میں وہ یہ کرتے تھے کہ ان کے پیروں میں رسّی ڈال کر انہیں مکہ کی پتھروں والی گلیوں میں گھسیٹتے تھے۔ چمڑا ان کا زخمی ہو جاتا تھا۔ وہ گھسیٹتے تھے اور کہتے تھے کہو جھوٹا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہو خدا کے سوا اور معبود ہیں۔ تو وہ کہتے اَشْھَدُ اَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اب جب کہ اسلامی لشکر دس ہزار کی تعداد میں داخل ہونے کیلئے آیا۔ بلالؓ کے دل میں خیال آیا ہوگا کہ آج ان بوٹوں کا بدلہ لیا جائے گا۔ آج ان ماروں کا معاوضہ مجھے ملے گا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا وہ معاف، جو خانہ کعبہ میں داخل ہو گیا وہ معاف، جس نے اپنے ہتھیار پھینک دیئے وہ معاف، جس نے اپنے گھر کے دروازے بند کر لئے وہ معاف۔ تو بلالؓ کے دل میں خیال آتا ہوگا کہ یہ تو اپنے سارے بھائیوں کو معاف کر رہے ہیں اور اچھا کر رہے ہیں لیکن میرا بدلہ تو رہ گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ آج صرف ایک شخص ہے جس کو میرے معاف کرنے سے تکلیف پہنچ سکتی ہے اور وہ بلالؓ ہے کہ

جن کو میں معاف کر رہا ہوں وہ اس کے بھائی نہیں۔ جو اس کو دکھ دیا گیا ہے وہ اور کسی کو نہیں دیا گیا۔ آپ نے فرمایا میں اس کا بدلہ لوں گا اور اس طرح لوں گا کہ میری نبوت کی بھی شان باقی رہے اور بلالؓ کا دل بھی خوش ہو جائے۔ آپ نے فرمایا بلالؓ کا جھنڈا کھڑا کرو اور ان مکہ کے سرداروں کو جو جوتیاں لے کر اس کے سینہ پر ناچا کرتے تھے، جو اس کے پاؤں میں رسی ڈال کر گھسیٹا کرتے تھے، جو اسے تپتی ریتوں پر لٹایا کرتے تھے کہہ دو کہ اگر اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی جان بچانی ہے تو بلالؓ کے جھنڈے کے نیچے آ جاؤ۔ میں سمجھتا ہوں جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے، جب سے انسان کو طاقت حاصل ہوئی ہے اور جب سے کوئی انسان دوسرے انسان سے اپنے خون کا بدلہ لینے پر تیار ہوا ہے اور اس کو طاقت ملی ہے اس قسم کا عظیم الشان بدلہ کسی انسان نے نہیں لیا۔ جب بلالؓ کا جھنڈا خانہ کعبہ کے سامنے میدان میں گاڑا گیا ہوگا، جب عرب کے وہ رؤسا جو اس کو پیروں سے مسلا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے بولتا ہے کہ نہیں کہ محمد رسول اللہ جھوٹا ہے جب وہ دوڑ دوڑ کر اور اپنے بیوی بچوں کے ہاتھ پکڑ پکڑ کر اور لا لا کے بلالؓ کے جھنڈے کے نیچے لاتے ہوں گے کہ ہماری جان بچ جائے تو اس وقت بلالؓ کا دل اور اس کی جان کس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نچھاور ہو رہی ہوگی۔ وہ کہتا ہوگا میں نے تو خبر نہیں ان کفار سے بدلہ لینا تھا یا نہیں یا لے سکتا تھا کہ نہیں اب وہ بدلہ لیا گیا ہے کہ ہر شخص جس کی جوتیاں میرے سینہ پر پڑتی تھیں اس کے سر کو میری جوتی پر جھکا دیا گیا ہے۔

حضرت یوسفؑ کے بدلہ سے زیادہ شاندار بدلہ

یہ وہ بدلہ تھا جو یوسفؑ کے بدلہ سے بھی زیادہ شاندار تھا اس لئے کہ یوسفؑ نے اپنے باپ کی خاطر اپنے بھائیوں کو معاف کیا تھا۔ جس کی خاطر کیا وہ اس کا باپ تھا اور جن کو کیا وہ اس کے بھائی تھے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچوں اور بھائیوں کو ایک غلام کی جوتیوں کے طفیل معاف

کیا۔ بھلا یوسفؑ کا بدلہ اس کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے۔

غرض یہ دوسری خبر تھی نوبت خانہ کی اور پھر کیسی عظیم الشان خبر دی کہ دو سال پہلے بتا دیا جاتا ہے کہ یہ یہ حالات پیدا ہونے والے ہیں۔ کفار کی طرف سے معاہدہ شکنی ہو گی۔ تم حملہ کے لئے جاؤ گے اور انہیں تباہ کر کے اسلامی حکومت کو قائم کر دو گے۔''

(سیر روحانی جلد سوم صفحہ 201 تا 225 ناشر الشرکۃ الاسلامیۃ لمیٹڈ ربوہ)

1: السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 82 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولیٰ

2: الفتح: 2 تا 4

3: المائدۃ: 21

4: السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 165، 166 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولیٰ

5: السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 165 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولیٰ

6: السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 163 تا 165 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولیٰ

7: السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 166 تا 168 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولیٰ

8: **فرش:** بچھونا بستر (فیروز اللغات اردو جامع صفحہ 928 مطبوعہ لاہور 2010ء)

9: السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 166، 167 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولیٰ

10: السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 168، 169 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولیٰ

11: السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 169، 170 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولیٰ

12: السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 170 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولیٰ

13: السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 170، 171 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولیٰ

14: السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 171 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولیٰ

15: السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 171، 172 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولیٰ

16: السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 175، 176 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولیٰ

17: السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 177 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولیٰ

18: السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 179 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولیٰ

19: السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 180 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولیٰ

رسول کریم ﷺ کی طرف سے ہجرت کی اجازت

حضرت مصلح موعود نے 28 دسمبر 1953ء کو جلسہ سالانہ ربوہ پر سیر روحانی کے موضوع پر ساتواں خطاب فرماتے ہوئے ہجرت مدینہ کے حوالے سے فرمایا:۔

''جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مکہ میں مسلمانوں کو تکلیف پہنچ رہی ہے تو آپؐ نے صحابہؓ کو بلایا اور فرمایا تم لوگ یہ تکلیفیں برداشت نہیں کر سکتے مجھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کی اجازت نہیں تم ہجرت کر جاؤ۔ صحابہؓ نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! ہمیں کون ملک پناہ دے گا؟ آپؐ نے فرمایا سمندر پار حبشہ کا ایک ملک ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا بادشاہ مقرر کیا ہے جو انصاف پسند ہے اس میں چلے جاؤ۔ چنانچہ بعض صحابہؓ نے فیصلہ کر لیا کہ اس ملک میں ہجرت کر کے چلے جائیں1۔ ان میں ایک صحابی اور ان کی بیوی بھی تھیں۔ وہ جانتے تھے کہ انہوں نے ہمیں ہجرت بھی نہیں کرنے دینی جیسے پارٹیشن کے موقع پر ہوا تھا کہ جو لوگ ہجرت کر کے آنا چاہتے تھے ان کو بھی ہندو اور سکھ نہیں آنے دیتے تھے۔ اسی طرح وہ لوگ جانتے تھے کہ مکہ والوں نے ہمیں ہجرت کر کے نہیں جانے دینا اس لئے رات کے وقت وہاں سے بھاگتے تھے تا کہ کسی طرح بچ کے نکل جائیں۔ ایک دن ایک مسلمان اور ان کی بیوی نے فیصلہ کیا کہ ہم ہجرت کر جائیں اور فیصلہ کیا کہ رات کے وقت ہم دونوں اونٹ پر سوار ہو کر چلے جائیں گے۔ حضرت عمر اُس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے وہ چونکہ حفاظتِ مکہ پر مقرر تھے وہ رات کو مکہ کا پہرہ دیا کرتے تھے کہ دیکھیں کیا حالت ہے شہر میں کوئی مخالفانہ رویہ تو نہیں۔ وہ گشت لگاتے لگاتے پہنچے تو یہ لوگ اونٹ پر اسباب لاد

رہے تھے۔ حضرت عمرؓ اُس وقت تک اسلام کے سخت مخالف تھے انہیں شبہ ہوا کہ یہ بھاگنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس عورت کو مخاطب کر کے کہنے لگے کیوں بی بی! کیا نیتیں ہیں اور کدھر کے ارادے ہیں؟ خاوند نے ٹلا کر کچھ اور بات کہنی چاہی مگر عورت کے دل کو زیادہ چوٹ لگی۔ وہ آگے سے غصہ سے کہنے لگی عمر! یہ بھی کوئی انصاف ہے کہ ہم تمہارے شہر میں تمہارا کچھ بگاڑتے نہیں، کوئی شرارت نہیں کرتے، تمہارے ساتھ لڑائی نہیں کرتے، دنگا نہیں کرتے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا چاہتے ہیں اور تم وہ بھی نہیں کرنے دیتے اور ہم یہاں سے جانا چاہتے ہیں تو تم ہمیں جانے بھی نہیں دیتے، ظلم کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ آدھی رات کو ایک عورت کو اونٹ پر سامان لادتے دیکھ کر حضرت عمرؓ کے دل کو چوٹ لگی آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور منہ پھیر لیا۔ پھر پیٹھ پھیر کر ان کا نام لیا اور کہنے لگے بی بی! اللہ تمہارے ساتھ ہو۔ جاؤ[2]۔''

(سیر روحانی جلد سوم صفحہ 232، 233 ناشر الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ)

1: السیرۃ الحلبیۃ جلد 2 صفحہ 5 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولیٰ

2: السیرۃ الحلبیۃ جلد 2 صفحہ 6، 7 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولیٰ

غیر مسلموں کے جذبات کا پاس

حضرت مصلح موعود نے 28 دسمبر 1953ء کو ''سیر روحانی'' والے خطاب میں سیرت نبوی کے حوالے سے فرمایا:۔

''غیر مذاہب کے جذبات کا لحاظ اس حد تک کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی نے آ کر شکایت کی کہ مجھے ابوبکر نے مارا ہے۔ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو بلایا اور فرمایا تم نے اس کو مارا ہے؟ کہنے لگے ہاں یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اس نے بڑی گستاخی کی تھی۔ آپؐ نے فرمایا کیا گستاخی کی تھی؟ انہوں نے کہا اس نے کہا تھا مجھے اُس خدا کی قسم ہے جس نے موسیٰؑ کو سارے رسولوں سے افضل بنایا ہے۔ تو اس نے آپؐ کی ہتک کی اور حضرت موسیٰؑ کو سب رسولوں سے افضل قرار دیا۔ مجھے غصہ آ گیا اور میں نے تھپڑ مارا۔ آپؐ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آپؐ نے فرمایا لَا تُفَضِّلُوْنِیْ عَلٰی مُوْسٰی[1] تمہارا کیا حق ہے کہ لوگوں کے جذبات کو مجروح کرو۔ تم مجھے یہودیوں کے سامنے موسیٰؑ پر فضیلت نہ دیا کرو۔ کتنا انصاف ہے۔ کیا دنیا کا کوئی اور انسان ہے جس نے باوجود اس کے کہ وہ خود دعویدار ہو کہ میں بڑا ہوں کہا ہو کہ دوسروں کے سامنے تم نے مجھ کو موسیٰؑ پر کیوں فضیلت دی اس کا یہی حق ہے کہ وہ کہے موسیٰؑ مجھ سے بڑا ہے۔ پھر فرمایا وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ[2] دیکھو جن بتوں کی لوگ پوجا کرتے ہیں یا جن انسانوں کی لوگ پوجا کرتے ہیں ان کے متعلق کبھی کوئی برا لفظ نہیں بولنا ورنہ پھر ان کا بھی حق ہو جائے گا کہ وہ مقابل میں تمہارے خدا کو بھی گالیاں دیں اس طرح تم اپنے خدا کو گالیاں دینے

کا موجب بنو گے۔ گویا قرآن اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ مسلمان اور عیسائی جذبات کے لحاظ سے برابر ہیں، سچے مذہب والا اور جھوٹے مذہب والا دونوں برابر ہیں۔ اگر اس کو حق ہے کہ اس کے جذبات کو تلف کرے تو اس کا بھی حق ہے کہ وہ ایسا کرے۔ اگر یہ چاہتا ہے کہ اس کے جذبات کی ہتک نہ کی جائے تو پھر اس کا فرض ہے کہ وہ دوسرے کے جذبات کی بھی ہتک نہ کرے۔''

(سیر روحانی جلد سوم صفحہ 245، 246 ناشر الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ)

1: **بخاری کتاب الرقاق باب نفخ الصور** صفحہ 1129 حدیث نمبر 6517 مطبوعہ ریاض 1999ء **الطبعة الاولٰی** (مفہوماً)

2: **الانعام**: 109

لڑائیوں کے بارہ میں رسول کریم ﷺ کی ہدایات

حضرت مصلح موعود نے 28 دسمبر 1953ء کو ''سیر روحانی'' والے خطاب میں سیرت نبوی کے حوالے سے مزید فرمایا:۔

''حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو جنگ پر بھیجتے تھے تو آپؐ اسے نصیحت فرماتے تھے کہ تقویٰ اللہ اختیار کرو اور مسلمانوں کے ساتھ نیک سلوک کرو اور فرماتے تھے اُغْزُوْا بِاسْمِ اللّٰهِ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ[1] اللہ کا نام لے کر اللہ کی خاطر جنگ کیلئے جاؤ۔ قَاتِلُوْا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ[2] جو شخص اللہ کا کفر کرتا ہے اس سے لڑو۔ اس کے یہ معنے نہیں جس طرح بعض علماء غلط طور پر لیتے ہیں کہ تم کافروں سے لڑو بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے تم سے لڑائی کی ہے اگر وہ مسلمان ہو جائے تو اس سے لڑائی جائز نہیں۔ لڑائی کیلئے تو حکم ہے کہ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ[3] یعنی جنگ کے لئے نکلنے کی تب اجازت دی گئی ہے جب تم سے پہلے لڑائی کی جائے۔ اس لئے كَفَرَ بِاللّٰهِ اس کے بعد جا کر لگے گا اگر کسی شخص نے لڑائی شروع کر دی۔ مگر جب تمہارا لشکر پہنچا تو اس نے اسلام کا اعلان کر دیا تو وہ ظلم ختم ہو گیا اب تم کو اُس سے لڑنے کی اجازت نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ اگر وہ کافر ہے اور اس نے لڑائی نہیں کی تو اس سے جا کر لڑ پڑو۔

وَلَا تَغُلُّوْا[4] اور قطعی طور پر مالِ غنیمت میں خیانت یا سرقہ سے کام نہ لو۔

وَلَا تَغْدِرُوْا[5] اور بدعہدی نہ کرو، کسی کو دھوکا مت دو۔

اول تو مال غنیمت میں کسی قسم کی ناجائز دست اندازی نہ کرو اور پھر جو سزا دو یا

ان سے وعدے کرو ان کو کسی بہانے سے توڑنا نہیں۔ انگریزی حکومت سب جگہ اسی طرح پھیلی ہے۔ پہلے چھوٹا سا معاہدہ کر لینا کہ چھاؤنی رہے گی اور ایک افسر رہے گا۔ پھر کہا کہ ہمارے فلاں سپاہی کو تمہارے آدمیوں نے چھیڑا ہے اس لئے اردگرد بھی سات آٹھ گاؤں پر ہم اپنا قبضہ رکھیں گے تا تمہارے لوگ ہمارے آدمیوں کو کچھ کہیں نہیں۔ پھر اس کے بعد یہ کہہ دیا کہ ہمارے آدمی جو اردگرد رکھے گئے تھے ان کے ساتھ تمہارے آدمی لڑ پڑے ہیں اس لئے ہم مجبور ہیں کہ دارالخلافہ پر اپنا قبضہ رکھیں تا فساد نہ ہو۔ پھر کہہ دیا تم نے فلاں حکم دے دیا ہے اس سے ملک میں بغاوت پیدا ہوتی ہے اور بغاوت کا ہم پر بھی برا اثر پڑتا ہے اس لئے آئندہ جو حکم دیا کریں ہم سے پوچھ کر دیا کریں۔

وَلَا تُمَثِّلُوْا 6 اور مثلہ نہ کرو۔ مثلہ کے معنے ہوتے ہیں مرے ہوئے کے ناک کان کاٹ ڈالنا۔ فرماتا ہے کفار اپنی رسم کے مطابق اگر مسلمان مقتولین کے ناک کان بھی کاٹ دیں تو تم ان کے مُردوں کے ساتھ یہ سلوک نہ کیا کرو۔

وَلَا تَقْتُلُوْا وَلِيْداً 7۔ اور کسی نابالغ بچے کو مت مارا کرو۔ یعنی صرف جنگی اور سیاسی سپاہی کو مارو۔ جو لڑنے کے قابل نہیں ابھی نابالغ ہے اسے نہیں مارنا کیونکہ وہ بالبداہت جنگ میں شامل نہیں ہوا اور اسلامی تعلیم کے مطابق صرف اسی کے ساتھ لڑائی کی جاسکتی ہے جو لڑائی میں شامل ہوا ہو۔

سیرت حلبیہ میں اس کے علاوہ یہ نصیحت بھی درج ہے کہ آپ نے فرمایا **لَا تَقْتُلُوْا امْرَاَةً** 8 عورت کو بھی نہیں مارنا۔ پھر فرمایا **وَلَا كَبِيْرًا فَانِيًا** 9 کسی بڈھے کو نہیں مارنا۔ پھر فرمایا **وَلَا مُعْتَزِلًا بِصَوْمَعَةٍ** 10 کوئی عبادت گزار ہو، مسجدوں یا تکیوں میں بیٹھا ہوا ہو اس کو بھی نہیں مارنا۔ اب دیکھ لو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان کو نہ مارنے کا حکم دیا ہے مگر یہاں گیانی چن چن کر مارے گئے اور وہاں مولوی چن چن کر مارے گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان کو نہیں چھیڑنا یہ تو

خدا کا نام لے رہے ہیں۔ کیا تم خدا کا نام مٹانا چاہتے ہو؟ چاہے کسی طرح لیتے ہیں لیکن لیتے تو خدا کا نام ہیں اس لئے ان کو نہیں چھیڑنا۔

پھر فرماتے ہیں **وَلَا تَقْرَبُوْا نَخْلاً**[11] کھجور کے درخت کے قریب بھی نہ جاؤ۔ یعنی ان کو نہ کاٹ دینا کہ کسی طرح دشمن کو تباہ کریں کیونکہ تم ان کو تباہ کرنے نہیں جا رہے صرف ان کے ضرر کو دور کرنے کے لئے جا رہے ہو تمہارا یہ کام نہیں کہ ان کی روزی بند کر دو۔ پھر فرمایا **وَلَاتَقْطَعُوْا شَجَرًا**[12] بلکہ کوئی درخت بھی نہ کاٹو کیونکہ مسافر بے چارہ اس کے نیچے پناہ لیتا ہے، غریب بے چارے اس کے سایہ میں بیٹھتے ہیں اور تم لوگ لڑنے والوں سے لڑنے کے لئے جا رہے ہو۔ اس لئے نہیں جا رہے کہ وہ قوم سایہ سے بھی محروم ہو جائے اس لئے ان کو نہیں کاٹنا۔ پھر فرمایا **وَلَا تَهْدِمُوْا بِنَاءً**[13] کوئی عمارت نہ گرانا کیونکہ ان کے گرانے سے لوگ بے گھر ہو جائیں گے اور ان کو تکلیف ہوگی۔

اب دیکھو پچھلے فسادات میں کتنے مکان جلائے گئے۔ لاہور میں ہزاروں مکان جلائے گئے، امرتسر میں ہزاروں مکان مسلمانوں کے جلائے گئے، بلکہ کوئی شہر بھی ایسا نہیں جس میں مسلمانوں کے مکانات دس بیس یا تیس فیصدی نہ جلائے گئے ہوں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **لَا تَهْدِمُوْا بِنَاءً**۔ ایک مکان بھی تم کو گرانے کی اجازت نہیں کیونکہ تم اس لئے نہیں جا رہے کہ لوگوں کو بے گھر کر دو بلکہ اس لئے جا رہے ہو کہ ظلم کا ازالہ کرو اس سے آگے تم نے کوئی قدم نہیں اٹھانا۔

اسی طرح آپؐ کی دوسری ہدایات میں ہے کہ ملک میں ڈر اور خوف پیدا نہ کرنا۔ فوجیں جاتی ہیں تو ان کی یہی غرض ہوتی ہے کہ لوگوں کو وہ اتنا ڈرائیں کہ ان کی جان نکل جائے۔'' (سیر روحانی جلد سوم صفحہ 251 تا 253، 256، 257 ناشر الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ)

1، 2: ابو داؤد کتاب الجهاد باب فی دعاء المشرکین صفحہ 377 حدیث نمبر 2613 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الاولیٰ

3:الحج:40

4 تا7:السیرۃ الحلبیۃ جلد3 صفحہ 289 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولٰی

8:السیرۃ الحلبیۃ جلد3 صفحہ 157 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولٰی

9:السیرۃ الحلبیۃ جلد3 صفحہ 289 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولٰی میں یہ الفاظ ہیں لاتقتلوا شیخاً فانیاً

10:السیرۃ الحلبیۃ جلد3 صفحہ 157 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولٰی میں یہ الفاظ ملتے ہیں۔''وستجدون رجالاً فی الصوامع معتزلین فلا تتعرضوا لھم''

11:تا13:مؤطا امام مالک کتاب الجھاد باب النھی عن قتل النساء والولدان فی الغزو میں اس سے مشابہ الفاظ حضرت ابوبکر کی طرف منسوب ہیں۔

جنگ میں ایمان لانے والے شخص کو قتل کرنے پر ایک صحابی سے شدید ناراضگی

حضرت مصلح موعود نے 28 دسمبر 1953ء کو ''سیر روحانی'' والے خطاب میں سیرت نبوی کے حوالہ سے مزید فرمایا:۔

'' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عزیز اور آپؐ کا ایک مقرب صحابی ایک جنگ پر جاتا ہے اور جب وہ ایک شخص کو مارنے لگتا ہے تو وہ کہتا ہے صَبَوْتُ میں صابی ہو گیا ہوں۔ وہ لوگ اسلام کا نام نہیں جانتے تھے اور مسلمانوں کو صابی کہتے تھے۔ صَبَوْتُ کا یہ مطلب تھا کہ میں مسلمان ہوتا ہوں۔ غرض وہ اسلام سے اتنا ناواقف تھا کہ نام بھی نہیں جانتا تھا۔ کہنے لگا صَبَوْتُ۔ مگر انہوں نے اس کو مار ڈالا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا اور فرمایا تم نے اسے کیوں مارا؟ انہوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اسے تو یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ اسلام کیا ہوتا ہے۔ اس نے تو صرف اتنا کہا تھا کہ صَبَوْتُ۔ آپؐ نے فرمایا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا اس کو نہیں پتہ تھا کہ اسلام کا نام کیا ہے لیکن اس کا مطلب تو یہی تھا کہ میں اسلام میں داخل ہوتا ہوں۔ تم نے اس کو کیوں مارا؟ انہوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میں نے مارا اس لئے کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا تو قیامت کے دن کیا کرے گا جب خدا تجھ سے کہے گا کہ اس شخص نے یہ کہا اور پھر بھی تو نے اسے قتل کر دیا۔ اسامہؓ آپؐ کے نہایت ہی محبوب تھے۔ وہ کہتے ہیں میں نے رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ناراضگی کو دیکھ کر اپنے دل میں کہا اے کاش! میں اس سے پہلے کافر ہوتا اور آج میں نے اسلام قبول کیا ہوتا تاکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا مورد نہ بنتا1۔ اب کجا یہ احتیاط کا حکم اور کجا یہ کہ یونہی مارے چلے جاتے ہیں تاکہ سارے ملک میں خوف اور ڈر پیدا کر دیا جائے۔

اسلام کی طرف سے مفتوحہ ممالک کے لئے سہولتیں مہیا کرنے کا حکم

اسی طرح فرماتے ہیں کہ جب مفتوحہ ممالک میں جاؤ تو ایسے احکام جاری کرو جن سے لوگوں کو آسانی ہو تکلیف نہ ہو۔ اور فرمایا جب لشکر سڑکوں پر چلے تو اس طرح چلے کہ عام مسافروں کا راستہ نہ رکے۔ ایک صحابی کہتے ہیں ایک دفعہ لشکر اس طرح نکلا کہ لوگوں کے لئے گھروں سے نکلنا اور راستہ پر چلنا مشکل ہو گیا۔ اس پر آپؐ نے منادی کروائی کہ جس نے مکانوں کو بند کیا یا راستہ کو روکا اس کا جہاد جہاد ہی نہیں ہوا2۔''

(سیر روحانی جلد سوم صفحہ 259، 260 ناشر الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ)

1: مسلم کتاب الایمان باب تحریم قتل الکافر صفحہ 56، 57 حدیث نمبر 277 تا 279 مطبوعہ ریاض 2000ء الطبعۃ الثانیۃ

2: ابو داؤد کتاب الجهاد باب ما یؤمر من انضمام العسکر صفحہ 379 حدیث نمبر 2629 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعۃ الثانیۃ

رسول کریم ﷺ کی گرفتاری کیلئے کسریٰ کا ظالمانہ حکم اور اس کی ہلاکت

حضرت مصلح موعود نے 28 دسمبر 1953ء کو ''سیر روحانی'' والے خطاب میں سیرت نبوی کے حوالے سے فرمایا:۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانہ میں مبعوث ہوئے ہیں اُس زمانہ میں دنیا کی حکومت دو حصوں میں تقسیم تھی آدھی حکومت قیصر کے پاس تھی اور آدھی حکومت کسریٰ کے پاس تھی۔ مغرب پر قیصر حاکم تھا اور مشرق پر کسریٰ حاکم تھا۔ یہودیوں نے ایک دفعہ کسریٰ کے پاس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت کی کہ عرب میں ایک نبی پیدا ہوا ہے اور وہ طاقت پکڑ رہا ہے کسی وقت وہ تمہارے خلاف جنگ کرے گا۔ وہ کچھ پاگل سا تھا۔ یمن اُس وقت کسریٰ کے ماتحت تھا اس نے یمن کے گورنر کو حکم بھیجا کہ اس طرح عرب میں ایک مدعی پیدا ہوا ہے تم اسے گرفتار کر کے میرے پاس بھجوا دو۔ چونکہ یمن کا گورنر عرب کے لوگوں سے واقف تھا اس نے خیال کیا کہ اِن لوگوں نے کیا بغاوت کرنی ہے بادشاہ کو دھوکا لگا ہے۔ اس نے بادشاہ کے سفیروں کو بھیجا اور ساتھ وصیت کی کہ تم کوئی سختی نہ کرنا۔ بادشاہ کو کوئی دھوکا لگا ہے ورنہ عربوں میں کیا طاقت ہے کہ انہوں نے کسریٰ کا مقابلہ کرنا ہے۔ تم جانا اور سمجھانا اور میری طرف سے پیغام دینا کہ آپؐ مقابلہ نہ کریں آجائیں۔ میں سفارش کروں گا تو کسریٰ انہیں کچھ نہیں کہے گا۔ چنانچہ یہ لوگ مدینہ پہنچے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں حاضر ہوئے۔آپؐ نے فرمایا کس طرح آنا ہوا؟ انہوں نے کہا ہمیں بادشاہ نے بھجوایا ہے۔اس کے پاس کچھ شکایتیں آئی ہیں جن کی بناء پر اس نے کہا ہے کہ آپؐ کو اس کے سامنے پیش کیا جائے اور ہم گورنر یمن کی طرف سے آئے ہیں کیونکہ وہ یہاں کے حالات کا واقف ہے۔اس نے ہم کو نصیحت کی تھی کہ ہم آپؐ کو تسلی دلائیں کہ کسی نے بادشاہ کے پاس غلط رپورٹ کی ہے ورنہ ہمیں تسلی ہے کہ آپؐ نے کوئی شرارت نہیں کی۔ میں بادشاہ کی طرف ساتھ چٹھی لکھ دوں گا کہ یہ غلط رپورٹ ہے اس کو کچھ نہ کہا جائے اور واپس کر دیا جائے اس لئے آپؐ ہمارے ساتھ چلیں وہاں سے آپؐ کو گورنر یمن کی سفارش مل جائے گی اور امید ہے کہ وہ درگزر سے کام لے گا۔آپؐ نے فرمایا اچھا دو تین دن ٹھہرو پھر مَیں جواب دوں گا۔انہوں نے کہا یہ ٹھیک نہیں ہے گورنر نے کہا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ آپ غلط فہمی میں رہیں اور جواب نہ دیں جس سے بادشاہ چڑ جائے اگر ایسا ہوا تو عرب کی خیر نہیں ، وہ اس ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا آپؐ چلے چلیے۔آپؐ نے فرمایا کوئی بات نہیں تم دو تین دن ٹھہرو۔ پھر وہ دوسرے دن آئے۔تیسرے دن آئے۔لیکن آپؐ یہی کہتے رہے کہ ابھی ٹھہرو۔ ابھی ٹھہرو۔تیسرے دن انہوں نے کہا کہ اب ہماری میعاد ختم ہو رہی ہے، بادشاہ ہم سے بھی خفا ہو گا آپ ہمارے ساتھ چلیں۔آپؐ نے فرمایا سنو! آج رات میرے خدا نے تمہارے خدا کو مار ڈالا ہے جاؤ یہاں سے چلے جاؤ اور گورنر کو اطلاع دے دو۔ان کو تو خدائی کلام کا کچھ پتہ ہی نہیں تھا۔انہوں نے سمجھا کہ شاید یہ گپ ماری ہے۔انہوں نے سمجھانا شروع کیا کہ یہ نہ کریں۔ دیکھیں! آپ گورنر کی سفارش سے چھوٹ کر آ جائیں گے ورنہ عرب تباہ ہو جائے گا۔آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا میں نے تمہیں بتا دیا ہے جاؤ اور اس کو جواب دے دو۔ خیر وہ یمن میں آئے اور انہوں نے گورنر سے کہا کہ انہوں نے تو ہمیں ایسا جواب دیا ہے۔یمن کا گورنر سمجھدار تھا۔اس نے کہا اگر اس شخص نے ایران کے

بادشاہ کو یہ جواب دیا ہے تو کوئی بات ہو گی اس لئے تم انتظار کرو۔ چنانچہ وہ انتظار کرتے رہے۔

کسریٰ قتل کر دیا گیا

دس بارہ دن گزرے تھے کہ ایک جہاز وہاں پہنچا۔ اس نے آدمی مقرر کئے ہوئے تھے کہ اگر کوئی خبر آئے تو جلدی اطلاع دو۔ انہوں نے اطلاع دی کہ ایک جہاز آیا ہے اور اس پر جو جھنڈا ہے وہ نئے بادشاہ کا ہے۔ اس نے کہا جلدی ان سفیروں کو لے کر آؤ۔ جب وہ گورنر کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا ہمیں بادشاہ نے ایک خط آپ کو پہنچانے کے لئے دیا ہے۔ اس نے خط دیکھا تو اس پر مہر ایک اور بادشاہ کی تھی۔ اس نے اپنے دستور کے مطابق خط کو سر پر رکھا، آنکھوں پر رکھا اور اسے چوما اور پھر اس کو کھولا تو وہ بادشاہ کی چٹھی تھی جس میں لکھا تھا کہ پہلے بادشاہ کے ظلم اور سختیوں کو دیکھ کر ہم نے سمجھا کہ ملک تباہ ہو رہا ہے اس لئے فلاں رات ہم نے اس کو قتل کر دیا ہے اور ہم اس کی جگہ تخت پر بیٹھ گئے ہیں۔ اور یہ وہی رات تھی جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آج میرے خدا نے تمہارے خدا کو مار دیا ہے۔ اس کے بعد اس نے لکھا کہ تم ہماری اطاعت کا سب سے وعدہ لو۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ اس نے عرب کے ایک آدمی کو پکڑنے کیلئے جو حکم بھیجا تھا تم اس کو منسوخ کر دو۔1 یہ وہ چیز تھی کہ جس کو دیکھ کر یمن کا گورنر اس دن سے دل سے مسلمان ہو گیا اور بعد میں دوسرے لوگ بھی اسلام میں داخل ہو گئے۔

غرض اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ تم کس کے پیچھے چل رہے ہو۔ جن کو تم بڑے سے بڑا سمجھتے ہو حکومتِ امریکہ کو سمجھ لو، حکومتِ روس کو سمجھ لو خدا کے مقابلہ میں ان کی کیا حیثیت ہے۔ جو خدا کا بندہ ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ تم میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتے، کچھ کر لو خدا میرا محافظ ہے تم کیا کر لو گے۔ حکومتیں کچھ نہیں کر سکتیں، بادشاہتیں کچھ نہیں کر سکتیں، وہ

اپنے رعب جتائیں، ڈرائیں جو کچھ مرضی ہے کر لیں، وہ خدا ہی کا بندہ ہے اور وہی جیتے گا۔ آخر جو سب سے بڑا بادشاہ ہے اس کے ساتھ جو لگے گا اس کو بڑائی ہی ملے گی چھوٹائی نہیں ملے گی۔''

(سیر روحانی جلد سوم صفحہ 274 تا 277 ناشر الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ)

1: **تاریخ الطبری المجلد الثانی** صفحہ 133، 134 مطبوعہ بیروت لبنان 2012ء

غریب صحابی کو فرمانا کہ تمہارا خریدار تو خود خدا ہے

حضرت مصلح موعود نے 28 دسمبر 1953ء کو ''سیر روحانی'' والے خطاب میں سیرت نبوی کے حوالہ سے فرمایا:۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی تھے بہت بدصورت، نہایت کریہہ اور جسم پر بڑے بڑے بال جیسے بکری کے ہوتے ہیں اور آنکھیں بھی خراب۔غرض ان کے جسم کی حالت ایسی تھی جسے دیکھ کر گھن آتی تھی اور لوگ انہیں مزدوری پر لگانے سے بھی گھن کیا کرتے تھے۔ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں سے گزرے اور اس کو دیکھا۔کسی نے ان کو گندم کے ڈھیر کے پاس کھڑا کر دیا تھا کہ تم ذرا حساب کرو اسے بیچنا ہے اور وہ کھڑے ہوئے تھے اور کہہ رہے تھے کہ کسی نے گندم لینی ہو تو لے لے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا۔اُس وقت ان کی حالت ایسی تھی کہ پسینہ ان کو آرہا تھا، دھوپ میں کھڑے تھے، مزدوری بھی شاید ان کو بہت تھوڑی ملنی تھی، غرض تکلیف کی بہت سی علامات تھیں۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں دیکھ کر احساس ہوا کہ دیکھو ان کو سخت تکلیف ہو رہی ہے۔آپؐ پیچھے پیچھے آہستہ قدم چلتے گئے اور ان کی آنکھوں پر جیسے بچے کھیلتے ہیں ہاتھ رکھ دیئے۔اس نے اِدھر اُدھر ہاتھ مار کر دیکھا اور خیال کیا کہ میرے جیسے آدمی سے پیار کون کر سکتا ہے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں، گھن کھاتے ہیں لیکن یہ کون میرا دوست اور خیر خواہ آ گیا جو مجھے پیار کرنے لگا ہے۔اِدھر اُدھر ہاتھ مارنے شروع کئے، آخر ان کے ہاتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کلائی پر پڑے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم میں یہ خوبی تھی کہ آپؐ

کے بال بہت کم تھے اور مشہور تھا کہ آپؐ کا جسم بہت ملائم ہے۔ اس نے ہاتھ ملے تو سمجھ گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اسے خیال آیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے پیار کر رہے ہیں تو میں بھی نخرے کروں۔ اس کے جسم پر مٹی لگی ہوئی تھی، پسینہ آیا ہوا تھا۔ اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوب میل مَلنی شروع کر دی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ پہچان گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا لوگو! میں ایک غلام بیچتا ہوں کسی نے خریدنا ہے؟ جب آپؐ نے یہ فرمایا تو اس کو اپنی حالت پھر یاد آ گئی اور اس نے بڑی ہی افسردگی سے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! میرا خریدار دنیا میں کون ہوسکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا ایسا نہ کہو تمہارا خریدار تو خود خدا ہے[1]۔

تو دیکھو! وہ شخص جس کو دیکھ کر اس کے دوست اور رشتہ دار بھی گھن کھاتے تھے۔ اس کے متعلق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ یہ خدا کا پیارا ہے۔ یہی بات حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ میں بیان کی گئی ہے کہ دنیا کی ساری کامیابی تمہیں یہاں آنے سے ہی حاصل ہوگی۔ تم سب جگہ دھتکارے جا سکتے ہو، تم سب جگہ حقیر سمجھے جا سکتے ہو مگر میرے رب کی عبادت اور غلامی ہر مقصد و مدعا میں انسان کو کامیاب بنا دیتی ہے۔ جو اس کے ہو جاتے ہیں ان پر کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ جو اس کے غلاموں پر ہاتھ ڈالے خواہ ساری دنیا کا بادشاہ کیوں نہ ہو اس کے ہاتھ شل کر دیئے جاتے ہیں، اس کی رگِ جان کاٹ دی جاتی ہے، اسے ذلیل اور رسوا کر دیا جاتا ہے کیونکہ خدا کے غلام دنیا کے بادشاہوں سے زیادہ معزز ہیں اور ان کے محافظ فرشتے ہوتے ہیں جو دنیوی سپاہیوں سے زیادہ طاقتور ہوتے ہیں۔‘‘

(سیر روحانی جلد سوم صفحہ 280، 281 ناشر الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ)

1: الشمائل المحمدیہ باب ما جاء فی صفة مزاح رسول اللّٰہ ﷺ صفحہ 196، 197 حدیث نمبر 240 مطبوعہ ریاض 1998ء الطبعة الثانية

مسجد نبوی میں بیٹھ کر تمام دنیا کو فتح کرنے کے عزائم

حضرت مصلح موعود 28 دسمبر 1953 والے خطاب میں سیرت نبوی کے حوالہ سے فرماتے ہیں:۔

''دیکھو! مسلمانوں نے سچے دل سے یہ نوبت بجائی تھی پھر کس طرح وہ مدینہ سے نکل کر ساری دنیا میں پھیل گئے۔ دنیا میں اُس وقت دو ہی حقیقی حکومتیں تھیں ایک قیصر کی حکومت تھی جو مغرب پر حاکم تھا اور ایک کسریٰ کی حکومت تھی جو مشرق کی مالک تھی۔ مگر اس نوبت خانہ میں جو بظاہر اتنا حقیر تھا کہ کھجور کی ٹہنیوں سے اس کی چھت بنائی گئی تھی، پانی برستا تھا تو زمین گیلی ہو جاتی تھی اور اس کے نوبت بجانے والے جب اس میں جا کر اپنے آقا کے سامنے جھکتے تھے تو ان کے گھٹنے کیچڑ سے بھر جاتے تھے اور ان کے ماتھے مٹی سے بھر جاتے تھے۔ یہ لوگ تھے جو قیصر اور کسریٰ کی حکومت کو تباہ کرنے کے لئے آئے تھے۔ یورپ کا ایک مصنف اپنے انصاف اور قلبی عدل کی وجہ سے لکھتا ہے کہ میں اسلام کو نہیں مانتا، میں عیسائی پادریوں کی باتوں سے سمجھتا ہوں کہ جس طرح وہ کہتے ہیں اسلام جھوٹا ہی ہوگا لیکن ایک بات ہے جو میری سمجھ میں نہیں آتی اور اس کا جواب مجھے کچھ نہیں ملتا اور وہ یہ ہے کہ میں جب تاریخ پڑھتا ہوں تو تیرہ سو سال کا زمانہ میری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ ایک کچا مکان ہے، اس کے اوپر کھجور کی ٹہنیوں کی چھت پڑی ہوئی ہے، بارش ہوتی ہے تو اس میں پانی آجاتا ہے (حدیثوں میں یہ واقعات آئے ہیں کہ بارش ہوتی تو پانی ٹپکنے لگ جاتا) اور جب وہ نمازوں کے لئے کھڑے ہوتے تو گھٹنوں تک کیچڑ لگا ہوا ہوتا تھا اور

کوئی خشک جگہ ان کو بیٹھنے کے لئے نہیں ملتی، جب عبادت کر کے پھر وہ اکٹھے ہو کر باتیں کر رہے ہوتے ہیں تو میں عالَمِ خیال میں قریب سے ان کی باتوں کو سنتا ہوں اور میں دیکھتا ہوں کہ ان کے پھٹے ہوئے کپڑے ہیں، کسی کے پاس کرتہ ہے تو تہہ بند نہیں ہے، کسی کے پاس تہہ بند ہے تو کرتہ نہیں ہے، کسی کے سر پر ٹوپی ہے تو جوتی نہیں ہے، کسی کے پاس پھٹی ہوئی جوتی ہے تو ٹوپی نہیں اور وہ سرگوشیاں کر رہے ہیں اور میں قریب ہو کر ان کی باتیں سنتا ہوں کہ وہ کیا کہہ رہے تھے۔ جب میں قریب پہنچتا ہوں تو وہ یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں دنیا کی بادشاہت عطا کر دی ہے۔ ہم مشرق پر بھی قابض ہو جائیں گے اور ہم مغرب پر بھی قابض ہو جائیں گے، ہم شمال پر بھی قابض ہو جائیں گے اور ہم جنوب پر بھی قابض ہو جائیں گے۔ اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ ایسا ہی ہو جاتا ہے۔ اب بتاؤ کہ میں اسلام کو کس طرح جھوٹا کہوں؟

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد ایسی تھی کہ بعض غریب گاؤں کے لوگ جب میرے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے مسجد بنانی ہے تو میں کہتا ہوں کہ ایسی ہی بنا لو۔ وہ کہتے ہیں نہیں جی! کچھ تو اچھی ہو۔ تو کسی گاؤں کے پانچ آدمی بھی اس مسجد کی طرح مسجد بنانے کو تیار نہیں ہوتے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی لیکن ان مسجدوں میں جو نماز پڑھنے والے ہوتے ہیں وہ اپنے ہمسائیوں سے ڈر رہے ہوتے ہیں مگر اس کھجور کی ٹہنیوں کی چھت والی مسجد جس میں پانی ٹپکتا رہتا تھا نماز پڑھنے والے یوں بیٹھے ہوتے تھے کہ گویا انہوں نے دنیا کو فتح کرنا ہے اور وہ واقعہ میں دنیا کو فتح کر لیتے ہیں۔ ایک ایک گوشہ ان کے قدموں کے نیچے آتا ہے اور ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے بڑے بڑے بادشاہوں کی کھوپڑیاں تڑپتی جاتی ہیں۔

غرض اس نوبت خانہ میں اس اعلان کی دیر تھی کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دنیا میں اب خدا کی بادشاہت کے سوا ہم کسی کو نہیں چھوڑیں گے کہ ایک بہت بڑا انقلاب رونما ہو گیا۔ خدا کی بادشاہت آسمان سے زمین پر آ گئی اور ظلم اور جور کی دنیا عدل اور انصاف

سے بھر گئی۔ اس سے چھ سو سال پہلے ایک اور شخص جو برگزیدہ تھا، ایک اور شخص جس کو خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے، ایک اور شخص جس کی اطاعت کا آج دنیا کی اکثریت اقرار کر رہی ہے، ایک اور شخص جس کی حکومت میں انگلستان کی حکومت، فرانس کی حکومت، سپین کی حکومت، جرمنی کی حکومت، پولینڈ کی حکومت، فلپائن کی حکومت، امریکہ کی ساری حکومتیں اور ریاستیں اس کی خدائی کی اقراری ہیں اور اس کے آگے سر جھکاتی ہیں وہ بھی کہتا ہے کہ:-

''اے خدا! جس طرح آسمان پر تیری بادشاہت ہے اسی طرح زمین پر بھی ہو۔''1

مگر آج انیس سو سال گزر گئے اس کے ذریعہ سے خدا کی بادشاہت جو آسمان پر ہے زمین پر قائم نہیں ہوئی۔ لیکن یہ شخص جو ایک ایسے کچے مکان میں رہ کے اور اس نوبت خانہ میں آ کے خدا تعالیٰ کا پیغام سناتا ہے وہ ابھی مرنے نہیں پاتا کہ خدا کی بادشاہت دنیا میں قائم ہو جاتی ہے اور اس کی وفات کے نو سال کے اندر اندر سارے عرب پر بادشاہت قائم ہو جاتی ہے۔ وہ کھڑا ہوتا ہے اور ایسے وقت میں جب دشمن کی فوجیں اسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے کھڑی ہیں، مدینہ سے باہر نکل کر پاخانہ کوئی پھر نہیں سکتا، خندق کھودی جاتی ہے تا دشمن کے حملہ سے بچائے۔ ایک پتھر نہیں ٹوٹتا۔ صحابہؓ کہتے ہیں یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! پتھر نہیں ٹوٹتا۔ فرماتے ہیں لاؤ ہتھوڑا مجھے دو میں توڑتا ہوں۔ آخر پتھر پر ہتھوڑا مارتے ہیں۔ وہ پتھر بڑا سخت ہے۔ اس پر ہتھوڑا مارتے ہیں تو اس میں سے شعلہ نکلتا ہے۔ پھر مارتے ہیں پھر شعلہ نکلتا ہے۔ آپؐ ہر دفعہ کہتے ہیں اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ پھر تیسری دفعہ مارتے ہیں۔ جب شعلہ نکلتا ہے پھر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے ہیں۔ صحابہ بھی اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تم نے کیوں اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا؟ انہوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! آپؐ نے کیوں کہا؟ آپؐ نے فرمایا میں نے پہلی دفعہ پتھر پر ہتھوڑا مارا تو اس میں سے شعلہ نکلا اور اس شعلہ میں سے خدا تعالیٰ نے مجھے دکھایا کہ قیصر کی حکومت توڑ دی گئی۔ اور میں نے کہا اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ جب میں نے دوسرا ہتھوڑا مارا تو پھر اس میں سے دوسرا شعلہ نکلا اور مجھے

یہ نظارہ دکھایا گیا کہ کسریٰ کی حکومت توڑ دی گئی۔ پھر مَیں نے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا۔ جب میں نے تیسرا ہتھوڑا مارا، مجھے دکھایا گیا کہ حمیر کی حکومت توڑ دی گئی۔ اس پر پھر میں نے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کا نعرہ مارا۔ صحابہؓ نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! ہمارے بھی نعرے اسی طرح سمجھ لیجیے۔2

قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کی جگہ خدائے واحد کی حکومت قائم کردی گئی

پھر آپؐ نے فرمایا اِذَا هَلَکَ کِسْرٰی فَلَا کِسْرٰی بَعْدَهٗ وَ اِذَا هَلَکَ قَیْصَرُ فَلَا قَیْصَرَ بَعْدَهٗ۔3 خدا قیصر کو میرے سپاہیوں کے مقابلہ میں شکست دے گا اور ایسی شکست دے گا کہ اِس کے بعد دنیا میں کوئی قیصر نہیں ہوگا اور خدا تعالیٰ میرے آدمیوں کے ذریعہ سے کسریٰ کو شکست دے گا اور ایسی شکست دے گا کہ دنیا میں اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں کہلائے گا۔

جس وقت اس نوبت خانہ سے نوبت بجی اُس وقت کہا گیا کہ دنیا میں خدا کی حکومت قائم کی جائے گی۔ دیکھ لینا کہ اِذَا هَلَکَ قَیْصَرُ فَلَا قَیْصَرَ بَعْدَهٗ۔ دنیا میں ایک طرف مغرب میں قیصر حاکم ہے لیکن قیصر ہلاک کیا جائے گا اور اس کے بعد کوئی قیصر نہیں کھڑا ہوگا بس خدا کی حکومت وہاں ہوگی۔ دوسری طرف مشرق میں کسریٰ کی حکومت ہے کسریٰ کو تباہ کیا جائے گا اور اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں کھڑا ہو گا اس کی جگہ بھی خدا کی بادشاہت قائم ہوگی۔ اور مشرق و مغرب میں میرے ماننے والوں، میرے مریدوں اور میرے شاگردوں کے ذریعہ سے آسمانی بادشاہت زمین پر آکر قائم ہوگی۔

غرض اس نوبت خانہ سے جو یہ نوبت بجی، یہ کیا شاندار نوبت ہے۔ پھر کیسی معقول نوبت ہے۔ وہاں ایک طرف بینڈ بج رہے ہیں۔ ٹوں، ٹوں، ٹوں۔ ٹیں، ٹیں، ٹیں۔ اور یہ کہتا ہے اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ۔ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ۔ کیا معقول باتیں ہیں۔ کیسی سمجھدار آدمیوں کی باتیں ہیں۔ بچہ بھی سنے تو وجد کرنے لگ جائے اور ان

کے متعلق کوئی بڑا آدمی سوچے تو شرمانے لگ جائے۔ بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ ٹوں ٹوں ٹوں ٹیں ٹیں ٹیں۔ مگر افسوس! کہ اس نوبت خانہ کو آخر مسلمانوں نے خاموش کر دیا۔ یہ نوبت خانہ حکومت کی آواز کی جگہ چند مرثیہ خوانوں کی آواز بن کر رہ گیا اور اِس نوبت کے بجنے پر جو سپاہی جمع ہوا کرتے تھے وہ کروڑوں سے دسیوں پر آ گئے اور ان میں سے بھی ننانوے فیصدی صرف رسماً اٹھک بیٹھک کر کے چلے جاتے ہیں۔ تب اس نوبت خانہ کی آواز کا رعب جاتا رہا، اسلام کا سایہ کھنچنے لگ گیا، خدا کی حکومت پھر آسمان پر چلی گئی اور دنیا پھر شیطان کے قبضہ میں آ گئی۔

اب خدا کی نوبت جوش میں آئی ہے اور تم کو! ہاں تم کو! ہاں تم کو! خدا تعالیٰ نے پھر اس نوبت خانہ کی ضرب سپرد کی ہے۔ اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو! اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو! اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو! ایک دفعہ پھر اس نوبت کو اس زور سے بجاؤ کہ دنیا کے کان پھٹ جائیں۔ ایک دفعہ پھر اپنے دل کے خون اس قرنا میں بھر دو۔ ایک دفعہ پھر اپنے دل کے خون اس قرنا میں بھر دو کہ عرش کے پائے بھی لرز جائیں اور فرشتے بھی کانپ اٹھیں تا کہ تمہاری دردناک آوازوں اور تمہارے نعرہ ہائے تکبیر اور نعرہ ہائے شہادتِ توحید کی وجہ سے خدا تعالیٰ زمین پر آ جائے اور پھر خدا تعالیٰ کی بادشاہت اس زمین پر قائم ہو جائے۔ اسی غرض کیلئے میں نے تحریک جدید کو جاری کیا ہے اور اسی غرض کیلئے میں تمہیں وقف کی تعلیم دیتا ہوں۔ سیدھے آؤ اور خدا کے سپاہیوں میں داخل ہو جاؤ۔ محمد رسول اللہؐ کا تخت آج مسیح نے چھینا ہوا ہے۔ تم نے مسیح سے چھین کر پھر وہ تخت محمد رسول اللہ کو دینا ہے اور محمد رسول اللہ نے وہ تخت خدا کے آگے پیش کرنا ہے اور خدا تعالیٰ کی بادشاہت دنیا میں قائم ہونی ہے۔ پس میری سنو اور میری بات کے پیچھے چلو کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ خدا کہہ رہا ہے۔ میری آواز نہیں ہے، میں خدا کی آواز تم کو پہنچا رہا ہوں۔ تم میری مانو! خدا تمہارے ساتھ ہو، خدا تمہارے ساتھ ہو، خدا تمہارے ساتھ ہو اور تم دنیا میں بھی

عزت پاؤ اور آخرت میں بھی عزت پاؤ۔‘‘

(سیر روحانی جلد سوم صفحہ 282 تا 287 ناشر الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ)

1: متی باب 6 آیت 9، 10 کتاب مقدس صفحہ 928 مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور 2011ء

2: **السیرۃ الحلبیۃ** جلد 3 صفحہ 11 مطبوعہ بیروت 2012ء **الطبعۃ الاولٰی**

3: **بخاری کتاب المناقب باب علامات النبوۃ فی الاسلام** صفحہ 607 حدیث نمبر 3618 مطبوعہ ریاض 1999ء **الطبعۃ الثانیۃ**

رسول کریم ﷺ سب انبیاء سے زیادہ معصوم

حضرت مصلح موعود نے تحقیقاتی عدالت میں 14 جنوری 1954ء کو بیان دیتے ہوئے فرمایا:۔

''بانی سلسلہ احمدیہ نے متواتر اور شدت کے ساتھ اپنی جماعت کو یہ تعلیم دی ہے کہ تمام انبیاء معصوم ہوتے ہیں اور صغیرہ اور کبیرہ کسی قسم کا گناہ بھی ان سے سرزد نہیں ہوتا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ سردار انبیاء ہونے کے سب نبیوں سے زیادہ معصوم تھے اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر دنیا کے آخری انسان تک کوئی شخص آپ کی معصومیت کے مقام کے قریب بھی نہیں پہنچا نہ پہنچ سکے گا۔ قرآن کریم نے آپ کی معصومیت کی یہ ارفع شان بتائی ہے کہ آپ پر نازل شدہ کتاب قرآن کریم کے متعلق فرماتا ہے کہ لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ[1] (پاک لوگوں کے سوا اس کتاب کے مضامین تک کوئی نہیں پہنچ سکتا) یعنی قرآن کریم کے سمجھنے کے لئے بھی ایک درجہ معصومیت کی ضرورت ہے۔ پس کیا شان ہوگی ان ذات والا کی جس کے دل پر ایسی عظیم القدر کتاب نازل ہوئی۔ اسی طرح فرماتا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث ہی اس لئے فرمایا تھا کہ آپ اپنے ساتھ ملنے والوں کو پاک کریں۔ چنانچہ فرماتا ہے وَ يُزَكِّيْهِمْ[2] (اور یہ رسول اپنے مخاطبوں کو پاک کرے گا) اور آپ کے اہل بیت و آل مطہرہ کے متعلق فرماتا ہے کہ ہم ان کی طرف برائی منسوب کرنے والوں کے الزامات سے ان کو پاک ثابت کریں گے اور ان کی پاکیزگی کو ظاہر کریں گے اور وہ دو حدیثیں بخاری اور مسلم کی جو میں نے بیان کی تھیں جن میں سے ایک میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ

اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ 3 یعنی تم لوگ اپنے دنیوی امور کو بہتر سمجھ سکتے ہو اور دوسری میں یہ ذکر ہے کہ آپؐ نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص مجھے دھوکا دے کر اپنے حق میں فیصلہ کروالے تو اگر وہ اس سے فائدہ اٹھا کر دوسرے کا حق لینا چاہے گا تو وہ آگ کھائے گا4) وہ اس بات کے اظہار کیلئے بیان کی گئی تھیں کہ جو غیر مسلم مصنفین اس قسم کی حدیثوں سے آپ کی معصومیت کے خلاف استدلال کرتے ہیں وہ حق پر نہیں۔ان احادیث میں آپ نے صرف اپنی بشریت کا اظہار کیا ہے ان سے آپ کی معصومیت کے خلاف استدلال کرنا درست نہیں اور جس شخص کے متعلق خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ مَارَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ۚ 5(جب تو نے پھینکا تو تُو نے نہیں پھینکا بلکہ خود خدا ہی نے پھینکا)اس کا اپنی بشریت کا علی الاعلان اقرار اس کے درجہ کے بلند ہونے اور اس کے اخلاق کے بے عیب ہونے پر دلالت کرتا ہے۔کسی عیب یا نقص پر دلالت نہیں کرتا۔''

(تحقیقاتی عدالت میں حضرت امام جماعت احمدیہ کا بیان صفحہ 47،48 ناشر سندھ ساگر اکادمی کراچی نمبر3-پرنٹر سعید آرٹ پریس حیدرآباد)

1: الواقعة:80

2: الجمعة:3

3: مسلم کتاب الفضائل باب وجوب امتثال ما قاله شرعًا صفحہ 1039 حدیث نمبر 6128 مطبوعہ ریاض 2000ء الطبعة الثانية

4: بخاری کتاب المظالم باب اثم من خاصم فی باطل وهو یعلمه صفحہ 396 حدیث نمبر 2458 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

5: الانفال:18

طائف سے واپسی پر مطعم بن عدی کا نبی کریم ﷺ سے سلوک

حضرت مصلح موعود نے 15 جنوری 1954ء کو لاہور میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں اپنے آخری ایامِ مکہ میں ہجرت سے تین چار سال پہلے خیال پیدا ہوا کہ مکہ والے تو نہیں مانتے شاید کوئی دوسرا شہر مان جائے۔ حجاز کا دوسرا بڑا شہر طائف تھا۔ آپؐ اپنے ایک ساتھی کو لے کر طائف پہنچے لیکن آپؐ کی یہ حُسنِ ظنّی درحقیقت درست نہیں تھی۔ طائف والے مکہ والوں سے بھی عداوت میں بڑھے ہوئے تھے۔ جب آپؐ نے انہیں تبلیغ کرنی چاہی تو انہوں نے مختلف بہانے بنانے شروع کر دیئے۔ ادھر انہوں نے لڑکوں کو حملہ کے لیے اکسا دیا اور کہہ دیا کہ جب آپؐ باہر نکلیں تو آپؐ پر پتھر برسائیں اور آپؐ کے پیچھے کتے ڈال دیں۔ جب آپؐ طائف کے رؤسا سے مایوس ہو کر باہر نکلے تو لڑکوں نے آپؐ کو پتھر مارنے شروع کر دیئے۔ ساتھ ہی انہوں نے کتوں کو اکسا دیا اور وہ بھی آپؐ کے پیچھے دوڑے۔ آپ اس حالت میں شہر چھوڑ کر باہر نکلے مگر وہاں بھی لوگ آپ کے پیچھے پیچھے آئے۔ یہاں تک کہ آپؐ کے جسم پر کئی جگہ زخم آ گئے اور خون بہنے لگ گیا۔ مکہ والے اکثر رئیسوں کی جائیدادیں اور باغات طائف میں تھے۔ آپؐ ایک باغ کے پاس آئے جو ایک شدید دشمنِ اسلام کا تھا مگر اُس وقت آپؐ کی حالت کو دیکھ کر اُسے

بھی رحم آ گیا اور اُس نے آپؐ کو اپنے باغ میں بیٹھنے کی اجازت دے دی۔ جب طائف والوں کا آپؐ نے یہ سلوک دیکھا تو آپؐ نے اپنے ساتھی سے فرمایا کہ چلو مکہ چلیں۔ اُس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! شاید آپؐ کو مکہ والوں کا قانون معلوم نہیں۔ مکہ والے حقوقِ شہریت سے محروم نہیں کرتے لیکن جب کوئی شخص اپنی مرضی سے مکہ چھوڑ کر چلا جائے تو پھر دوبارہ اُسے مکہ میں داخل نہیں ہونے دیتے جب تک اُسے کسی رئیس کی پناہ حاصل نہ ہو۔ آپ اپنی خوشی سے وہاں سے نکل آئے تھے اور اب مکہ والے سمجھتے ہیں کہ آپؐ وہاں کے باشندے نہیں رہے سوائے اس کے کہ مکہ کا کوئی رئیس یا مکہ کے پنچوں میں سے کوئی ذمہ دار شخص آپ کو پناہ دے۔ چنانچہ جب آپؐ مکہ کے پاس پہنچے تو آپؐ نے اُسے مطعم بن عدی کے پاس بھجوایا۔ مطعم بن عدی آپؐ کا ایک شدید دشمن تھا۔ وہ اور اُس کے بیٹے رات دن آپؐ کی مخالفت کرتے رہتے تھے۔ آپؐ نے اُسے فرمایا تم مطعم بن عدی کے پاس جاؤ اور اُسے میرا نام لے کر کہو کہ میں پھر مکہ میں واپس آنا چاہتا ہوں۔ اگر تم مجھ کو شہریت کے حقوق دے دو جس کا طریق یہ ہے کہ تم مجھے اپنی پناہ میں لے لو تو پھر میں واپس آ سکتا ہوں۔ اُس کو تعجب تو ہوا کہ اتنا شدید دشمن جو رات دن دشمنی کرتا رہتا ہے اس کے پاس جانے کا فائدہ کیا ہوگا مگر وہ چلا گیا۔ درحقیقت وہ مکہ والوں کی فطرت کو نہیں سمجھتا تھا مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی فطرت کو خوب سمجھتے تھے۔ وہ نہایت سنگدل بھی تھے، وہ نہایت ظالم بھی تھے لیکن خانہ کعبہ کے پاس رہنے کی وجہ سے خشیتُ اللہ کی ایک چنگاری بھی اُن کے دلوں میں سُلگتی رہتی تھی۔ مکہ میں جو خدا تعالیٰ کے نشانات کا ظہور وہ رات دن دیکھتے تھے اُس کی وجہ سے وہ بہتے تو تھے مگر مکہ کی رسّی سے بندھے رہتے تھے۔ جب وہ صحابیؓ گئے اور انہوں نے آپؐ کا نام لے کر کہا کہ وہ آپ کو یہ پیغام دیتے ہیں کہ میں مکہ سے چلا گیا تھا مگر طائف والوں نے مجھ سے کچھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ پھر واپس آ جاؤں مگر مکہ کے قانون کے مطابق میں یہاں کے شہری حقوق سے محروم ہو گیا

ہوں۔ اب اس کے لیے ضروری ہے کہ مکہ کا کوئی سرپنچ مجھے پناہ دے۔ کیا تم اس بات کے لیے تیار ہو کہ مجھے پناہ دو؟ تو وہ شدید دشمنِ اسلام جس کی دشمنی کے واقعات سے تاریخیں بھری پڑی ہیں یہ سنتے ہی کھڑا ہو گیا اور اُس نے اپنے جوان بیٹوں کو بلایا اور اُن کو یہ سارا واقعہ سنایا اور کہا کہ تلواریں اپنے ہاتھ میں لے لو اور میرے ساتھ چلو۔ پھر اُس نے مکہ کے دروازہ تک آ کر آپؐ سے کہا کہ میں آپؐ کو پناہ دیتا ہوں آپؐ میرے ساتھ مکہ میں داخل ہوں۔ مکہ کے لوگوں کی دشمنی کا اُس کو اندازہ تھا، اُن کی معاندانہ کارروائیوں کا اُس کو علم تھا۔ وہ جانتا تھا کہ گو مکہ کے رواج کے مطابق مجھ کو یہ حق حاصل ہے کہ میں ان کو پناہ دوں مگر وہ مخالفت کی وجہ سے شاید اس دیرینہ قانون کو بھی بھول جائیں گے اور مخالفت پر آمادہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس نے اپنے بیٹوں سے کہا دیکھو! یہ اس وقت ہماری پناہ میں ہیں مجھے ڈر ہے کہ مکہ والے حملہ کریں گے۔ لیکن میں وہ دن نہیں دیکھنا چاہتا کہ تم میں سے کوئی زندہ ہو اور ان تک کوئی آدمی پہنچ جائے۔ تمہاری لاشوں پر سے گزرتے ہوئے کوئی شخص ان تک پہنچے تو پہنچے ورنہ ان پر کوئی آنچ نہیں آنی چاہیے۔ اس طرح وہ ننگی تلواروں کے نیچے آپ کو اپنے گھر چھوڑ گیا[1]۔''

(المصلح 2 مارچ 1954ء صفحہ 3)

1: السیرۃ الحلبیۃ جلد 2 صفحہ 54، 63 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولیٰ

انصار مدینہ سے معاہدہ اور انصار کی فدائیت

حضرت مصلح موعود نے 22 جنوری 1954ء کو ربوہ میں خطبہ جمعہ کے دوران فرمایا:۔

''میں نے تم پر واضح کر دیا تھا کہ تبلیغِ اسلام ہمیشہ کے لیے ہے اس لیے اگر میرے منہ سے 19 کا لفظ نکل گیا تو کیا تم یہ کہو گے کہ اب تبلیغِ اسلام نہیں کی جائے گی؟ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو آپؐ نے بھی اسی قسم کی ایک بات کہی۔ مدینہ آنے سے قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذہن میں یہ بات نہیں تھی کہ مکہ کے لوگ مدینہ پر حملہ کریں گے اور اُن کی مسلمانوں سے لڑائیاں ہوں گی۔ اس لیے جب انصارِ مدینہ نے آپؐ کے سامنے یہ بات پیش کی کہ آپ مدینہ تشریف لے چلیں اور آپؐ نے وہاں جانا منظور کر لیا تو آپؐ نے فرمایا میں جب مدینہ آ جاؤں گا تو تمہارا کام ہوگا کہ اگر مدینہ پر حملہ ہو تو تم دشمن کا مقابلہ کرو اور اگر لڑائی مدینہ سے باہر ہو تو دشمن کا مقابلہ کرنے کی ذمہ داری تم پر عائد نہیں ہوگی۔ اب یہ ایک احتمالی بات تھی یقینی نہیں تھی اور چونکہ یہ ایک دور کا خیال تھا اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باہر کا خیال نہیں کیا اور مدینہ والوں نے بھی کہہ دیا کہ ہاں! مدینہ پر حملہ ہونے کی صورت میں ہم دشمن کا مقابلہ کریں گے لیکن باہر نہیں۔ ہجرت کے بعد ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ اسلام کو بچانے کی خاطر مسلمانوں کو مدینہ سے باہر جا کر بھی لڑنا پڑا۔ چنانچہ جنگِ بدر ہی مدینہ سے باہر کئی منزلوں پر جا کر لڑی گئی۔ جب آپؐ جنگ کے لیے باہر نکلے تو پہلے یہ خیال تھا کہ ایک قافلہ سے مقابلہ ہوگا مگر بعد میں معلوم ہوا کہ لڑائی مکہ سے آنے والے ایک باقاعدہ لشکر سے ہوگی۔ اس پر

آپؐ نے خیال فرمایا کہ مدینہ والوں سے تو یہ معاہدہ تھا کہ انہیں مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کرنا ہوگا مدینہ سے باہر لڑائی کی صورت میں مقابلہ کرنے کی ذمہ داری ان پر عائد نہیں ہوگی جب آپؐ لڑائی کے لیے باہر نکلے تو آپؐ کے ساتھ مہاجرین بھی تھے اور انصار بھی۔ آپؐ نے صحابہؓ کو جمع کیا اور فرمایا تم مجھے مشورہ دو کہ دشمن سے لڑائی کی جائے یا نہیں؟ آپؐ کا منشا تھا کہ آپؐ کے سوال کے جواب میں انصار بولیں گے کہ معاہدہ کے وقت ہم سے یہ شرط کی گئی تھی کہ مدینہ پر حملہ ہونے کی صورت میں ہم مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کریں گے مدینہ سے باہر لڑائی کی صورت میں ہم اس کا مقابلہ کرنے کے پابند نہیں ہوں گے۔ اب آپؐ بغیر بتائے ہمیں یہاں لے آئے ہیں یہ بات اس معاہدہ کے خلاف ہے۔ بہرحال آپؐ نے جب مشورہ پر زور دیا تو مہاجرین نے مشورہ دیا کہ اگر دشمن حملہ کرتا ہے تو ہمارے لیے اس کا مقابلہ کرنے کے سوا اَور کیا چارہ ہے۔ انصار خاموش بیٹھے رہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہاجرین کے بار بار کھڑا ہونے اور مشورہ دینے کے بعد فرماتے اے لوگو! مجھے مشورہ دو کہ اب کیا کیا جائے؟ اُس وقت ایک انصاری رئیس کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! لوگ آپؐ کو مشورہ تو دے رہے ہیں لیکن پھر بھی آپؐ یہی فرما رہے ہیں اے لوگو! مجھے مشورہ دو، اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید آپؐ کی غرض یہ ہے کہ ہم بھی بولیں۔ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! ہم اب تک اس لیے نہیں بولے کہ حملہ آور، مہاجرین کے بھائی بند ہیں۔ اُن میں کوئی تو مہاجرین کا بھائی ہے، کوئی چچا ہے اور کوئی بھتیجا ہے۔ ہمارا اُن سے لڑائی کا مشورہ دینا اخلاق کے خلاف تھا۔ کیونکہ اگر ہم یہ مشورہ دیتے کہ ہم حملہ آوروں سے لڑیں گے تو مہاجرین کہتے یہ لوگ ہمارے بھائی بندوں کے قتل کے شوقین ہیں۔ اس لیے ہم نے مناسب سمجھا کہ مہاجرین بول لیں کیونکہ وہ لوگ ان کے اپنے بھائی بند ہیں۔ لیکن یَارَسُوْلَ اللّٰہ! آپؐ کے بار بار مشورہ پر زور دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ انصار بھی بولیں۔ اور شاید

حضورؐ کا مشورہ طلب کرنے سے اُس معاہدہ کی طرف اشارہ ہے جو ہجرت سے قبل آپؐ کے اور انصار کے درمیان ہوا۔ آپؐ نے فرمایا یہ درست ہے۔ وہی معاہدہ میرے مدنظر تھا۔ اس پر اس انصاری رئیس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! جب ہم نے وہ شرط کی تھی کہ ہم مدینہ کے اندر رہ کر دشمن سے مقابلہ کریں گے مدینہ سے باہر لڑائی کی صورت میں ہم آپؐ کی مدد کے ذمہ دار نہیں ہوں گے اُس وقت ہمیں پتا نہیں تھا کہ آپؐ ہیں کیا۔ آپؐ کی شان ہم پر واضح نہیں تھی۔ صرف بعض صداقتیں دیکھ کر ہم آپؐ پر ایمان لے آئے۔ آپؐ نے ہجرت فرمائی تو مدینہ میں ہم آپؐ کی مجلسوں میں بیٹھے اور ہمیں پتا لگا کہ آپ کی شان کیا ہے۔ اب وہ معاہدہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اب آپؐ کی شان ہمیں معلوم ہو چکی ہے۔ اب یَارَسُوْلَ اللّٰہ! ہم آپؐ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے، آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے اور دشمن ہماری لاشوں کو روندتا ہوا آپؐ تک پہنچے تو پہنچے اس سے پہلے نہیں پہنچ سکتا۔ پھر اُس انصاری رئیس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! سامنے (دو تین منزل پر) سمندر ہے۔ لڑائی تو الگ رہی آپؐ ہمیں حکم دیں کہ تم سب اس سمندر میں کُود جاؤ تو ہم بِلا سوچے سمجھے اس میں اپنی سواریاں ڈال دیں گے۔''[1] (المصلح 28 جنوری 1954ء صفحہ 3، 4)

[1]: السیرۃ الحلبیۃ جلد 2 صفحہ 376، 377 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولٰی

رسول کریم ﷺ کی شفاعت حاصل کرنے کا طریق

حضرت مصلح موعود نے 22 جنوری 1954ء کو ربوہ میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! آپؐ تو اپنے اعمال کے زور سے جنت میں چلے جائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں عائشہ! میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی جنت میں جاؤں گا۔1 اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا وجود بھی یہ کہتا ہے کہ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ہی جنت میں جاؤں گا تو تم کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑے ہو کہ تم اپنے اعمال کے زور سے جنت میں چلے جاؤ گے؟ آخر وہ کیا چیز ہے جو تم خدا تعالیٰ کے سامنے پیش کرو گے؟ اگر تم نماز پڑھتے ہو تو تم اپنے فائدہ کے لیے پڑھتے ہو۔ اگر تم روزے رکھتے ہو تو تم اپنے فائدہ کے لیے رکھتے ہو۔ اگر تم حج کرتے ہو تو تم اپنے فائدہ کے لیے کرتے ہو۔ اگر تم زکوٰۃ دیتے ہو تو تم اپنے بھائی بندوں کے فائدہ کے لیے دیتے ہو۔ صرف ایک چیز ہے جس کو تم خدا تعالیٰ کے سامنے پیش کر سکتے ہو اور کہہ سکتے ہو کہ اے خدا! ہم نے تیری خاطر یہ کام کیا۔ ہم پاکستان میں رہتے تھے، تہبند باندھتے تھے، پھٹی ہوئی پگڑیاں پہنتے تھے، کھانے کو پیٹ بھر کر بھی نہیں ملتا تھا مگر باوجود ان سب تکلیفوں کے ہم نے محض تیرے نام کو بلند کرنے کے لیے چندے دیئے۔ یہی وہ چیز ہے جس کو قیامت کے دن اپنی نجات کی خاطر تم خدا تعالیٰ کے سامنے پیش کر سکتے ہو۔ اور خدا تعالیٰ جو عدل و انصاف کا منبع ہے تمہیں یہی کہہ سکتا ہے کہ تم نے تکلیفیں اٹھا کر میرے نام کو بلند کیا تھا اب میں اس جہان

میں تمہارے کام کو بلند کروں گا۔ پھر یہی وہ چیز ہے جسے تم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر سکتے ہو اور کہہ سکتے ہو کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! ہم نے آپؐ کے لائے ہوئے دین کی تبلیغ کی ہے اس لیے آپؐ خدا تعالیٰ کے پاس ہماری شفاعت کریں۔ پس اللہ تعالیٰ کے فضل اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کو کھینچنے کے لیے تبلیغِ اسلام کے سوا اَور کوئی چیز نہیں اور دنیا میں سب سے مقدم یہی عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا[2] کہ تُو قرآن کریم کو لے کر جہادِ کبیر کر۔ پس سب سے بڑا عمل یہی ہے کہ تم قرآن کریم کے ساتھ جہادِ کبیر کرو۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ تم نماز اور روزہ سے جنت لے لو گے تو تمہاری مرضی۔ لیکن اگر تم سمجھتے ہو کہ جنت کو حاصل کرنے کے لیے خدا تعالیٰ کے فضل کی ضرورت ہے تو اُس کا فضل اِسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ تم تحریک جدید میں حصہ لو۔ تکالیف اور مشکلات آتی ہیں تو آنے دو لیکن تبلیغ کو نہ چھوڑو۔ تا کہ نجات تمہارا دامن نہ چھوڑے اور تا تم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعویٰ سے کہہ سکو کہ ہم آپؐ کی شفاعت کے مستحق ہیں۔ ہم نے آپؐ کے لائے ہوئے دین کو جہنم سے نکالا ہے کیا آپؐ ہمیں جہنم سے نہیں نکالیں گے؟ یا تم خدا تعالیٰ سے یہ کہہ سکو کہ ہم نے تیرے نام کو دنیا میں روشن کرنے کے لیے فاقے بھی برداشت کیے ہیں لیکن تجھے فاقے برداشت کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم نے تکالیف برداشت کر کے تیرے دین کو زندہ کیا ہے اب ہمیں زندگی دینے کے لیے تجھے تکالیف برداشت کرنے کی ضرورت نہیں۔ پھر کیا تو فاقے برداشت کیے بغیر اور تکالیف اٹھائے بغیر بھی ہمیں زندگی نہیں بخشے گا؟ پس یہ دو دلیلیں ہیں جن کے ساتھ تم خدا تعالیٰ کے فضل اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کو حاصل کر سکتے ہو۔ ان کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں جس کے ذریعہ تم خدا تعالیٰ کے فضل کو حاصل کر سکو یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی امید رکھ سکو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگر تمہاری سفارش کریں گے تو اُن کے پاس کوئی نہ کوئی دلیل تو ہونی چاہیے جو وہ خدا تعالیٰ کے

سامنے پیش کرسکیں۔ آپؐ یہ تو نہیں کہیں گے کہ میں پارٹی کا پنچ ہوں اس لیے ان لوگوں کی شفاعت کرتا ہوں۔ آپ کو خدا تعالیٰ کے سامنے کوئی نہ کوئی چیز پیش کرنی ہوگی کہ یہ وجہ ہے جس کی بنا پر میں ان کو اپنی پارٹی میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔ اور خدمتِ اسلام کے سوا مجھے کوئی اور چیز ایسی نظر نہیں آئی جس کی بنا پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری شفاعت کریں۔

بے شک جنت میں جانے کے لیے طہارتِ نفس کی بھی ضرورت ہے، اس کے لیے ایمان کی بھی ضرورت ہے، اس کے لیے خدمتِ خلق کی بھی ضرورت ہے لیکن باوجود اس کے ہماری کوششوں میں کمی رہ جاتی ہے۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی ضرورت ہے۔ یہ نہیں کہ فلاں شخص نے نماز نہیں پڑھی یا اُس نے زکوٰۃ نہیں دی اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی سفارش کریں گے۔ آپؐ کی شفاعت اس لیے ہوگی کہ ان لوگوں نے سارا زور لگا کر نمازیں پڑھی ہیں، سارا زور لگا کر روزے رکھے ہیں لیکن پھر بھی کچھ کسر رہ گئی ہے۔ انہوں نے اچھی طرح حج کیا ہے لیکن پھر بھی اس میں کسر رہ گئی ہے۔ انہوں نے پورا زور لگا کر زکوٰۃ دی ہے لیکن پھر بھی اس میں کچھ کسر رہ گئی ہے۔ اس کسر کو پورا کرنے کے لیے میں ان کی سفارش کرتا ہوں۔ انہوں نے پورا زور لگا کر اعمالِ صالحہ کیے ہیں لیکن پھر بھی کچھ کسر رہ گئی ہے۔ آپؐ رحیم و کریم ہیں آپ یہ کسر پوری کر دیں۔ پس خدا تعالیٰ سے شفاعت کرنے کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی چیز تو ہونی چاہیے کہ یہ شخص اخلاص سے کام کر رہا تھا لیکن اس کی کوششوں میں کمی رہ گئی آپ اس کمی کو پورا کر دیں۔ تم جب کسی سے کہتے ہو کہ میرا فلاں کام کر دو یا کسی سے سفارش کرواتے ہو تو ساتھ ہی یہ دلیل دیتے ہو کہ فلاں وجہ ہے جس کی بنا پر مجھے یہ حق حاصل ہے۔ پس اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے پاس شفاعت کے لیے جائیں گے تو آپؐ کے پاس کوئی نہ کوئی دلیل ہونی چاہیے جس کو پیش کر کے وہ خدا تعالیٰ سے شفاعت کرسکیں۔

اور وہ یہی ایک چیز ہے کہ ہم نے خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت کر کے اسے زندہ کیا تھا اب وہ ہمیں زندہ کرے۔ ہم نے خدا تعالیٰ سے سودا کیا تھا سو ہم نے اپنی شرط پوری کر دی اب وہ اپنی شرط پوری کرے۔ یہی ایک دلیل ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے سامنے پیش کر سکتے ہیں اور اس کا فضل حاصل کر سکتے ہیں۔''

(المصلح 28 جنوری 1954ء صفحہ 4، 5)

1: بخاری کتاب الرقاق باب القصد والمداومة علی العمل صفحہ 1122 حدیث نمبر 6467 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

2: الفرقان: 53

حضرت خدیجہؓ سے شادی اور ان کی قدردانی

حضرت مصلح موعود نے 25 جنوری 1954ء کو مکرم مولانا کرم الٰہی ظفر صاحب مبلغ سپین کے نکاح کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:۔

''رسول کریم ﷺ کو دیکھ لو آپ نے ابھی نبوت کا دعویٰ بھی نہیں کیا تھا کہ حضرت خدیجہؓ نے جو ایک مالدار عورت تھیں آپ سے شادی کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت خدیجہؓ کے پاس دولت تھی اور رسول کریم ﷺ غریب تھے لیکن آپ نے حضرت خدیجہؓ کے مالدار ہونے کی وجہ سے ان سے شادی کی خواہش کا اظہار نہیں کیا بلکہ خود حضرت خدیجہؓ نے رسول کریم ﷺ سے شادی کی خواہش کی۔ عربوں میں ہمارے ملک کی طرح اتنی شرم نہیں تھی کہ ان کی عورتیں منہ سے بولیں ہی نہیں مگر پھر بھی عرب عورتیں مردوں کی نسبت زیادہ شرم کرتی ہیں۔ انہوں نے اپنی ایک سہیلی کو بیچ میں ڈالا اور اس سے کہا وہ معلوم کرے کہ اگر انہیں شادی کی تحریک کی جائے تو کیا وہ راضی ہو جائیں گے۔ رسول کریم ﷺ کو ابھی روحانی برتری حاصل نہیں ہوئی تھی صرف اخلاقی برتری آپؐ کو حاصل تھی اور لوگ آپؐ کو دیانتدار، سچا اور امین سمجھتے تھے۔ آپؐ کا خدا تعالیٰ سے تعلق کا ابھی اظہار نہیں ہوا تھا لیکن محض آپؐ کی دیانت اور امانت کو دیکھ کر اس مالدار عورت نے جو مکہ کے بڑے مالداروں میں سے ایک تھیں خود تحریک کی کہ آپؐ اس سے شادی کر لیں۔ پھر خالی شادی کی ہی تحریک نہیں کی کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ایک مالدار عورت کسی غریب مرد سے شادی کا اظہار کرے مگر اس کے دل میں یہ ہو کہ اس کے پاس کھانے پینے کو تو ہے ہی اگر کوئی معقول آدمی مل جائے جس سے وہ شادی کر لے تو اسے دولت کی ضرورت

نہیں وہ سمجھتی ہے روپیہ میرے پاس ہے اور عقل اور سمجھ اس کی ہوگی اور اس طرح زندگی آرام سے گزر جائے گی ۔ یہ جذبہ بھی اپنی جگہ پر برا نہیں لیکن حضرت خدیجہؓ کا جذبہ بہت اعلیٰ تھا۔ کیونکہ جب حضرت رسول کریم ﷺ کی شادی ان سے ہوئی تو انہوں نے جلد محسوس کرلیا کہ ان کی شادی ایسے شخص سے ہوئی ہے جو غیرت مند ہے ۔ اس کے پاس پیسہ بھی نہیں اور میرے پاس بڑی دولت ہے میں اس کے آگے کھانا رکھوں گی تو اس کے ذہن پر یہ اثر ہوگا کہ یہ کھانا اس کی بیوی نے دیا ہے، میں اسے کپڑے بنا کر دوں گی تو وہ سمجھے گا یہ اس کی بیوی نے بنا کر دیئے ہیں، میں اسے روپے دوں گی تو وہ سمجھے گا یہ اس کی بیوی نے دیئے ہیں اور وہ یہ بات برداشت نہیں کرے گا کیونکہ خدا تعالیٰ نے اسے غیرت مند بنایا ہے۔ چنانچہ حضرت خدیجہؓ نے شادی کے بعد رسول کریم ﷺ سے عرض کیا (ہم تو آپ کو رسول کریم ﷺ کہتے ہیں لیکن اُس وقت تک آپ کو یہ مقام عطا نہیں ہوا تھا کیونکہ یہ رسالت سے پندرہ سال پہلے کی بات ہے) کہ میں ایک خواہش کا اظہار کرتی ہوں آپ اسے قبول فرمالیں۔ آپ نے فرمایا کیا بات ہے؟ حضرت خدیجہؓ نے کہا میں گواہوں کو بلا کر اپنا سارا مال آپ کو دینا چاہتی ہوں آپ جس طرح چاہیں خرچ کریں ۔ شاید یہ بات بھی رسول کریم ﷺ پر گراں گزرتی مگر حضرت خدیجہؓ نے عرض کیا میں اپنے سارے غلام بھی آپ کو دیتی ہوں ۔ رسول کریم ﷺ چونکہ غلامی کو پسند نہیں فرماتے تھے اس لئے یہ بات بھی اس بات کا محرک ہوگئی کہ آپ حضرت خدیجہؓ کی پیشکش کو قبول فرمالیں ۔ آپ نے فرمایا خدیجہ! تم خوب سوچ سمجھ لو ایسا نہ ہو کہ بعد میں پچھتاؤ۔ میں غلام رکھنا پسند نہیں کرتا اگر تم نے اپنے غلام مجھ کو دے دیئے تو میں فوراً انہیں آزاد کردوں گا ۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا مجھے منظور ہے ۔ چنانچہ حضرت خدیجہؓ نے اپنا سارا مال اور سارے غلام آپ کو دے دیئے اور آپ نے اُسی وقت سارے غلاموں کو آزاد کر دیا۔ اب آپؐ نے جس وقت یہ فرمایا اگر تم نے اپنے غلام مجھے دے دیئے تو میں غلامی کو پسند نہیں کرتا، میں انہیں آزاد کردوں گا تو

حضرت خدیجہؓ سمجھ گئی ہوں گی کہ میری دولت نہ میرے کام آئے گی نہ ان کے کام آئے گی یہ تو دولت کو لٹا دینے والی بات ہے۔ جب رسول کریم ﷺ کو پہلا الہام ہوا تو حضرت خدیجہؓ نے فرمایا آپؐ تو مظلوموں کی حمایت کرتے ہیں، جو لوگ جائز طور پر مقروض ہوتے ہیں آپؐ ان کے قرض اتارنے میں ان کی مدد کرتے ہیں، جن میں بوجھ اٹھانے کی ہمت نہیں ہوتی آپؐ ان کے بوجھ اٹھانے میں مدد دیتے ہیں[1] اس کا مطلب یہ تھا کہ آپ اپنی ساری آمد خدا کے رستے میں خرچ کر دیتے ہیں اس کے بعد حضرت خدیجہؓ کی زندگی امیروں والی نہیں تھی۔

پس حضرت خدیجہؓ نے صرف یہی نہیں کیا کہ ایک غریب شخص سے شادی کی بلکہ اس کے ساتھ شادی کرنے کے بعد انہوں نے اس بات کو بھی نظر انداز کر دیا کہ ان کا مال ان کے لئے آرام کا موجب ہوگا وہ بھی اپنے خاوند کے حوالے کر دیا کہ وہ اسے لٹا دے۔ یہی وہ چیز تھی جس کی وجہ سے رسول کریم ﷺ کے دل میں آپ کی انتہائی محبت تھی۔ آخر زندگی میں بھی حضرت خدیجہؓ کا بڑا ادب اور عزت اور احترام تھا مدینہ کی طرف ہجرت سے دو تین سال پہلے حضرت خدیجہؓ فوت ہوگئی تھیں ہجرت کے بعد آپؐ کی حضرت عائشہؓ سے شادی ہوئی جو حضرت خدیجہؓ سے عمر کے لحاظ سے بھی جوان تھیں، خوبصورت بھی تھیں اور دین کا علم رکھنے والی بھی تھیں۔ آپؐ کا نکاح تو مکہ میں ہی ہوگیا تھا لیکن رخصتانہ مدینہ میں جا کر ہوا۔ پھر آپؐ کی اور بھی بیویاں تھیں وہ حضرت خدیجہؓ سے عمر کے لحاظ سے جوان بھی تھیں اور ان کے خاندان کی نسبت معزز خاندانوں کی لڑکیاں تھیں لیکن اس کے باوجود حضرت خدیجہؓ کی وہ قربانی آپؐ کو ہمیشہ یاد رہتی۔ حضرت عائشہؓ کی رسول کریم ﷺ سے جب شادی ہوئی تو اُس وقت رسول کریم ﷺ دنیا کی نگاہ میں بڑے نہیں تھے لیکن مؤمنوں کی نظر میں یقیناً آپؐ بڑی شان کے مالک بن چکے تھے دعویٰ نبوت ہو چکا تھا اور خدا تعالیٰ کا کلام آپؐ پر نازل ہو چکا تھا اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے اپنی لڑکی کسی غریب شخص کو نہیں دی بلکہ محمد رسول کریم ﷺ کو دی لیکن

حضرت خدیجہؓ نے باوجود مالدار ہونے کے ایک غریب شخص سے جس کو کسی قسم کی وجاہت حاصل نہیں تھی شادی کرنا منظور کرلیا۔ پس ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ پھر آپؐ مدینہ تشریف لے گئے تو خدا تعالیٰ نے آپؐ کو دنیوی شان بھی عطا کی آپ میں شاہانہ باتیں نہیں پائی جاتی تھیں مگر اس میں شبہ نہیں کہ مدینہ میں جن عورتوں سے آپؐ کی شادیاں ہوئیں ان کے اور ان کے متعلقین کے سامنے آپؐ کی ظاہری شان بھی قائم ہوچکی تھی لیکن حضرت خدیجہؓ نے محض دین کی خاطر آپ سے شادی کرنا منظور کیا۔ یہ ایک ایسی چیز تھی جسے رسول کریم ﷺ اپنی عمر بھر نہیں بھلا سکے۔ حضرت عائشہؓ نوجوان بھی تھیں، خوبصورت بھی تھیں، دیندار بھی تھیں، ان کا باپ آپؐ کا سب سے زیادہ مقرب بھی تھا، ان کا اجتہاد اور فہم سب عورتوں سے بالا تھا۔ حتّٰی کہ رسول کریم ﷺ کو یہ کہنا پڑا کہ آدھا دین تم عائشہ سے سیکھو2 لیکن باوجود اس کے کوئی موقع ایسا نہیں آتا تھا کہ آپ فرماتے خدیجہؓ کی یہ بات تھی خدیجہؓ کی وہ بات تھی۔ حضرت عائشہؓ کے دل میں اکثر یہ خیال آتا کہ وہ دیندار بھی ہیں، عالم بھی ہیں، نوجوان بھی ہیں، پھر آپؐ کی خدمت گار بھی ہیں اور خدیجہؓ عمر میں آپ سے بڑی تھیں جب شادی ہوئی تو ان کی عمر آپ کی عمر سے پندرہ سال زیادہ تھی پھر آپؐ بار بار ان کا نام کیوں لیتے ہیں۔ چنانچہ ایک دن حضرت عائشہؓ نے چِڑ کر کہا یا رسولَ اللہ! آپ ہر وقت خدیجہ خدیجہ کیوں کرتے رہتے ہیں کیا خدا تعالیٰ نے آپؐ کو ان سے زیادہ خوبصورت، ان سے زیادہ نوجوان اور ان سے زیادہ خدمت گار بیویاں نہیں دیں؟ آپ نے فرمایا عائشہ! تم جانتی نہیں کہ خدیجہ کے اندر کیا نیکی تھی اور اس نے کس طرح میری خدمت کی3 اس کی یہی وجہ تھی کہ حضرت خدیجہؓ نے رسول کریم ﷺ کا نور اُس وقت دیکھا جب کوئی اور دیکھنے والا نہیں تھا، انہوں نے آپؐ پر اُس وقت ساری دولت قربان کی جب کوئی دوسرا آپؐ کے لئے ایک پیسہ بھی خرچ کرنے والا نہیں تھا۔ حتّٰی کہ احادیث میں آتا ہے ایک دفعہ رسول کریم ﷺ مجلس میں بیٹھے تھے اور عورتوں کو سبق دے رہے تھے کہ حضرت خدیجہؓ کی کوئی بہن

مجلس میں آئیں ان کی آواز حضرت خدیجہؓ کی آواز سے بہت حد تک ملتی تھی۔حضرت خدیجہؓ مکہ میں ہی ہجرت سے قبل فوت ہوچکی تھیں اور آپؐ مدینہ میں بیٹھے عورتوں کو وعظ فرمارہے تھے کہ اتنے میں وہ آئیں اور انہوں نے کوئی بات کہی۔اب باوجود اس کے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات پر سات آٹھ سال گزر چکے تھے اور باوجود اس کے کہ اسلام کی تعلیم کے مطابق مردے دوبارہ اس دنیا میں نہیں آتے اس کی آواز سنتے ہی آپؐ کی حالت یوں ہوجاتی ہے کہ جیسے کوئی شخص دنیا سے کھویا جاتا ہے۔آپؐ نے بے تاب ہوکر کہا میری خدیجہ میری خدیجہ۔اتنے میں وہ آپؐ کے سامنے آگئیں تو آپؐ کو معلوم ہوا کہ وہ حضرت خدیجہؓ کی بہن ہیں۔تب آپؐ نے فرمایا اے میرے اللہ! مجھے کیا ہوگیا یہ تو فلاں عورت ہے4 گویا حضرت خدیجہؓ کی وفات سے آٹھ سال بعد بھی ان کی آواز سے ملتی جلتی آواز سن کر ان کی خوبیوں کی یاد تازہ ہوگئی۔یہ وہی چیز تھی جو حضرت خدیجہؓ کی ابتدائی قربانیوں کے نتیجہ میں آپؐ کے دل میں پیدا ہوئی۔

پس شادیاں دین تک رکھنی چاہئیں پھر یہی نہیں کہ صرف ایک فریق اس کا لحاظ رکھے بلکہ فریقین کو ایسا کرنا چاہئے۔رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کوئی شخص شادی کرنا چاہتا ہے حسن کی خاطر،کوئی شادی کرنا چاہتا ہے عزت و جاہ کی خاطر،کوئی شادی کرنا چاہتا ہے بلند و پست کی خاطر،کوئی شادی کرنا چاہتا ہے جائیدادوں کی خاطر۔لیکن عَلَیْکَ بِذَاتِ الدِّیْنِ تَرِبَتْ یَدَاکَ5 اے میرے ماننے والے! تو کسی دیندار عورت کی تلاش کر۔تیرے ہاتھ مٹی سے بھریں۔تَرِبَتْ یَدَاکَ پیار کے الفاظ ہیں۔ہمارے ملک میں بھی عورتیں اپنے بہن بھائیوں سے مذاق کی کوئی بات کریں تو کہتی ہیں کالا منہ۔اب یہ کالا منہ بدبخت کے معنوں میں استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ پیار کی وجہ سے بولا جاتا ہے اسی طرح عربوں میں بھی تَرِبَتْ یَدَاکَ پیار اور محبت کے الفاظ تھے۔رسول کریم ﷺ نے بھی انہیں معنوں میں یہ الفاظ استعمال کئے ہیں کہ تیرے ہاتھ مٹی والے ہوں تو دین کی خاطر شادی کر مگر ایسا کرنا فریقین کے لئے ضروری ہے جیسا کہ

میں نے بتایا ہے بعض لوگ اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں یعنی غرض تو ان کی حصول جاہ ہوتی ہے یعنی کہتے یہ ہیں کہ لڑکا دیندار ہے یا لڑکی دیندار ہے حالانکہ کیا ایک غریب لڑکا یا ایک غریب لڑکی دیندار نہیں ہو سکتے۔ حضرت خدیجہؓ کا واقعہ دیکھ لو یہاں ایک غریب لڑکے نے ایک مالدار عورت سے شادی کی خواہش نہیں کی بلکہ ایک مالدار عورت نے ایک غریب لڑکے سے شادی کی خواہش کی ہے اگر غریب امیر سے شادی کی خواہش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ تقویٰ اور دین کی خاطر ایسا کر رہا ہے تو وہ لوگوں کو دھوکا دینا چاہتا ہے لیکن امیر کا غریب کو چننا نیکی ہے۔'' (خطبات محمود جلد 3 صفحہ 666 تا 670)

1: بخاری کتاب بدء الوحی باب کیف کان بدء الوحی الی الرسول اللّٰہ صفحہ 1 حدیث نمبر 3 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

2: البداية و النهاية جلد 4 الجزء الثامن صفحہ 91 مطبوعہ قاهرة 2006ء

3: بخاری کتاب مناقب الانصار باب تزويج النبی ﷺ خديجة و فضلها صفحہ 641 حدیث نمبر 3818 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

4: بخاری کتاب مناقب الانصار باب تزويج النبی ﷺ خديجة و فضلها صفحہ 641 حدیث نمبر 3821 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية (مفہوماً)

5: بخاری کتاب النکاح باب الاکفاء فی الدین صفحہ 910 حدیث نمبر 5090 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية میں یہ الفاظ ہیں ''فاظفر بذات الدين تربت يداک''

رسول کریم ﷺ پر دشمن کی شدید یلغار اور صحابہؓ کی قربانیاں

حضرت مصلح موعود نے 5 فروری 1954ء کو ربوہ میں خطبہ جمعہ کے دوران فرمایا:۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے ایک صحابیؓ سے کسی نے پوچھا کہ آپ صحابہؓ میں سے سب سے زیادہ بہادر کس کو سمجھا کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا سب سے زیادہ بہادر وہ شخص ہوتا تھا جو لڑائی کی صفوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کھڑا ہوتا تھا۔ اُس نے کہا کیوں؟ اُس صحابیؓ نے جواب دیا اس لیے کہ کفار جب اسلامی لشکر پر حملہ کرتے تھے تو وہ جانتے تھے کہ اسلام کی روحِ رواں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک ہے۔ اگر ہم آپؐ کو مار دیں گے تو اسلام ختم ہو جائے گا۔ کفار اسلام کو خدا تعالیٰ کا مذہب نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ آپؐ ہی کی ذات کی طرف اسے منسوب کرتے تھے۔ اس لیے وہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم آپؐ کو مار دیں گے تو اسلام باقی نہیں رہے گا۔ اس لیے وہ اپنا سارا زور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچنے میں خرچ کر دیتے تھے۔ پس جنگ کی صفوں میں خطرناک ترین جگہ وہ ہوتی تھی جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوتے تھے۔ چاروں طرف سے دشمن فوج کے بہادر اور جری لوگ اُس جگہ کی طرف لپکتے تھے۔ جو لوگ آگے پیچھے ہوتے انہیں زیادہ دباؤ برداشت نہیں کرنا پڑتا تھا۔ حملہ بار بار وہیں ہوتا تھا جہاں رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے تھے۔ چنانچہ اُحد کی جنگ کے موقع پر جب دشمن لشکر کے تیراندازوں نے اپنے تیروں کا رُخ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیر دیا تو حضرت طلحہؓ آپؐ کے آگے کھڑے ہو گئے۔ سارے تیر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آ رہے تھے۔ حضرت طلحہؓ اُن تیروں کو اپنے ہاتھوں پر لیتے رہے۔ یہاں تک کہ تیر اتنی کثرت سے اُن کے ہاتھ پر لگے کہ آپ کا ایک ہاتھ بالکل بیکار ہو گیا1۔ جب حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان جنگ ہوئی تو حضرت عائشہؓ کے لشکر میں زیادہ کام کرنے والے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ ہی تھے۔ خصوصاً حضرت طلحہؓ نے حضرت عائشہؓ کو بچانے میں بہت زیادہ حصہ لیا لیکن جب لشکر واپس آیا تو ایک صحابی نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا طلحہ! آپ کو یاد ہے کہ ایک موقع پر آپ، میں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے۔ اُس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ طلحہ! تمہارا اُس وقت کیا حال ہو گا جب تم علی کے مقابلہ میں لڑائی میں شامل ہو گے اور تم غلطی پر ہو گے۔ حضرت طلحہؓ کو بھی وہ واقعہ یاد آ گیا۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ اچھا ہوا کہ آپ نے مجھے یہ بات یاد دلا دی۔ میں اب حضرت علیؓ کے مقابلہ میں لڑائی میں حصہ نہیں لوں گا۔ چنانچہ وہ رات کو جنگی کیمپ سے چل پڑے تا صبح کے وقت لوگ انہیں لڑائی میں شامل ہونے کے لیے تنگ نہ کریں۔ کوئی بدبخت آدمی تھا جو بظاہر حضرت علیؓ کے لشکر سے تعلق رکھتا تھا اُس نے حضرت طلحہؓ کو اکیلے جاتے دیکھا تو وہ آپ کے پیچھے پیچھے گیا۔ جب آپ لشکر سے دور پہنچے تو اُس نے حملہ کر کے آپ کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد وہ شخص حضرت علیؓ کے پاس آیا اور کہا آپ کو مبارک ہو میں نے آپ کا دشمن مار دیا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کون دشمن؟ اس نے کہا طلحہ۔ حضرت علیؓ نے فرمایا تم کو بھی مبارک ہو کہ خدا تعالیٰ تم کو دوزخ میں ڈالے گا۔ اُس نے کہا کیوں؟ میں نے تو طلحہ کو آپ کی خاطر مارا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص طلحہ کو مارے گا وہ دوزخی ہو گا2۔

اسی طرح کسی مجلس میں کسی شخص نے حضرت طلحہؓ کے متعلق کہا وہ ٹنڈا ایسا ہے۔ اور یہ کلمہ اُس نے حقارت سے کہا۔ اُس مجلس میں ایک صحابیؓ بیٹھے تھے۔ انہوں نے یہ بات سنی تو کہا تجھے پتا ہے کہ تُو ٹنڈا کس کو کہہ رہا ہے اور تجھے پتا ہے کہ وہ ٹنڈا کیسے بنا؟ جنگ اُحد میں ایک موقع پر اسلامی لشکر تتر بتر ہو گیا۔ دشمن کے تیروں کا سارا زور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف تھا۔ کسی شخص کو جرأت نہیں تھی کہ ان تیروں کے سامنے کھڑا ہوتا لیکن حضرت طلحہؓ آگے آئے اور انہوں نے سارے تیر اپنے ہاتھوں پر لیے۔ اس کی وجہ سے ان کا ہاتھ ٹنڈا ہو گیا۔ آپ تیرانداز تھے۔ آپؓ دشمن پر تیر بھی چلاتے تھے اور جب دشمن کی طرف سے تیر آتے تو آپ انہیں اپنے ہاتھوں پر لیتے۔ اس لیے آپ کے اس ہاتھ کا گوشت اور ہڈیاں کچلی گئیں۔ اُس صحابی نے کہا اب تجھے پتا لگ گیا کہ ان کا ہاتھ کس طرح ٹنڈا ہو گیا تھا۔ اور تُو یہ بھی سن لے کہ جب دشمن کے تیرانداز رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف تیر پھینکتے تھے تو حضرت طلحہؓ انہیں اپنے ہاتھ پر روکتے تھے[3] اور جو تیر گرتے تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اٹھاتے۔ اور چونکہ اُس وقت طلحہؓ ہی ایک شخص تھے جو آپ کی حفاظت کر رہے تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیر اُٹھاتے اور طلحہؓ سے مخاطب ہو کر فرماتے طلحہ! تجھ پر میرے ماں باپ قربان! یہ تیر لے اور دشمن پر چلا۔[4] جس شخص کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرماتے تھے کہ تجھ پر میرے ماں باپ قربان اُسے تُو ٹنڈا کہہ رہا ہے!!

غرض اس صحابیؓ نے بتایا کہ جو شخص جنگ کی صفوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرب میں کھڑا ہوتا وہ سب سے زیادہ بہادر کہلاتا تھا اس لیے کہ وہ سب سے زیادہ بوجھ اٹھاتا تھا۔

سو تم بھی کہہ سکتے ہو کہ اس وقت اسلام کی جنگ میں دوسرے ملک اور قومیں اُس طرح مالی قربانی نہیں کرتیں جس طرح کی قربانی کے لیے ہمیں کہا جا رہا ہے۔ تم

یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ اُن پر وہ بوجھ نہیں جو ہم پاکستانیوں پر ہے۔ لیکن تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اسلام کی حفاظت کے لیے حضرت طلحہؓ کی طرح قربانی کرنے کا جو موقع ہمیں دیا گیا ہے وہ دوسروں کو نہیں دیا گیا۔ تم ان دونوں تشریحوں میں سے ایک تشریح کر سکتے ہو۔ اگر تمہارا ایمان کمزور ہے تو تم کہہ سکتے ہو کہ ہم پر جتنا بوجھ ہے وہ دوسری قوموں پر نہیں۔ لیکن اگر تمہارا ایمان مضبوط ہے تو تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ کئی قومیں بعد میں آئیں گی اور یہ بوجھ اٹھائیں گی لیکن آج ہم اکیلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اسلام کے سامنے کھڑے ہو کر تیر کھا رہے ہیں۔ اور حقیقت یہی ہے کہ وہ شخص جو اس وقت اس قربانی میں حصہ لیتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک ایسے ہی مقام پر کھڑا ہے جس مقام پر حضرت طلحہؓ جنگِ اُحد کے موقع پر کھڑے تھے۔ آج بھی اسلام پر دشمن کی طرف سے تیر پڑ رہے ہیں۔ جو شخص اشاعتِ اسلام میں حصہ لیتا ہے وہ اپنی چھاتی پر تیر کھاتا ہے۔ اور وہ اُس مقام پر کھڑا ہوتا ہے جس پر حضرت طلحہؓ کھڑے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُس کے متعلق فرما رہے تھے کہ تجھ پر میرے ماں باپ قربان! تُو اور قربانی کر۔ یہ خوش قسمتی کے دن کبھی کبھی آتے ہیں اور کسی کسی قوم کو ملتے ہیں۔ پس مبارک ہیں وہ لوگ جو اِن دنوں سے فائدہ اٹھائیں اور مبارک ہیں وہ لوگ جو اس خدمت کو انعام سمجھیں نہ کہ بوجھ۔''

(المصلح 9 فروری 1954ء صفحہ 2، 3)

1: بخاری کتاب المغازی باب اذ ھمت طائفتان منکم ان تفشلا واللّٰہ ولیھما صفحہ 687 حدیث نمبر 4063، 4064 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعۃ الثانیۃ

2: البدایۃ والنھایۃ لابن کثیر جلد 3 جزء 6 صفحہ 205 قاہرہ 2006ء اور تاریخ طبری جلد 3 صفحہ 41 بیروت لبنان 1971ء میں یہ واقعہ حضرت زبیرؓ کے حوالہ سے ملتا ہے۔

3: بخاری کتاب المغازی باب اذ ھمت طائفتان منکم ان تفشلا واللّٰہ ولیھما صفحہ 687

حدیث نمبر 4063، 4064 مطبوعہ ریاض 1999ء **الطبعة الثانية** (مفہوماً)

4: **بخاری کتا ب المغازی باب اذ همت طائفتان منكم ان تفشلا و اللّٰه وليهما** صفحہ 687 حدیث نمبر 4059 مطبوعہ ریاض 1999ء **الطبعة الثانية** میں یہ ذکر حضرت سعد بن مالک کے حوالہ سے ملتا ہے۔

رسول کریم ﷺ اور اصلاح قلوب

حضرت مصلح موعود نے 26 فروری 1954ء کو لاہور میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''جو تغیر انسانی قلوب، احساسات، جذبات اور نظم ونسق میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ہوا اور جو کام آپؐ کی جماعت نے کیا بعد میں بنوعباس اور بنوامیہ نے اس سے ہزاروں گُنے زیادہ آدمیوں، طاقت اور قوت کے باوجود نہیں کیا بلکہ وہ لوگ اپنے آپ کو بھی نہ سنبھال سکے اور ایک دوسرے کو مارتے رہے۔

کجا یہ حالت تھی کہ مسلمان سب ایک جتھا تھے اگر کسی وجہ سے کسی کے جذبات بھڑک اٹھتے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ سے ایک لفظ نکلتا اور وہ سرد پڑ جاتے۔ لیکن اب کسی کا پیر غلطی سے بھی دوسرے کے پیر پر پڑ جائے تو وہ کئی باتیں کرتا ہے اور کہتا ہے تمہیں تہذیب حاصل نہیں؟ کجا وہ حالت تھی کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ لڑ پڑے۔ حضرت عمرؓ کی طبیعت سخت تھی انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو سخت سست کہا اور پھر غصہ میں آ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس شکایت کرنے چلے گئے۔ دوسرے لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا عمر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کرنے گئے ہیں۔ وہ غصہ میں ہیں۔ واقعہ انہیں سمجھ میں نہیں آیا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ پر ناراض ہو جائیں اس لیے آپ بھی جائیں۔ پہلے تو آپ نے اس بات کی طرف دھیان نہ دیا۔ آپ اپنے گھر تشریف لے گئے لیکن بعد میں خیال آیا کہ شاید رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خیال فرمائیں کہ سختی میں

نے کی ہے۔ چنانچہ آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں تشریف لے گئے اور دیکھا کہ حضرت عمرؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ کہہ رہے ہیں کہ آج مجھ سے ابوبکرؓ پر کچھ سختی ہوگئی ہے۔ اس خیال سے کہ شکایت نہ کر دیں میں پہلے ہی معافی مانگنے آ گیا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے بات ختم ہی کی تھی کہ آپ بھی مجلس میں جا پہنچے اور خیال کیا کہ میں بھی اپنی شکایت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کر دوں۔ چنانچہ آپ نے آگے قدم بڑھائے تا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا بیان پیش کریں۔ لیکن پیشتر اس کے کہ حضرت ابوبکرؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتے آپؓ نے حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے جواب دینا شروع کیا۔ اُس وقت آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ آپ نے فرمایا اے لوگو! تم کو کیا ہوگیا کہ جب تم سب میری اور اسلام کی مخالفت کرتے تھے اُس وقت صرف ابوبکر تھا جو میری تائید کیا کرتا تھا۔ کیا تم اب بھی ہم دونوں کو دکھ دینے سے باز نہیں آتے؟ حضرت ابوبکرؓ یہ سن کر کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عمرؓ پر ناراض ہوئے ہیں آگے بڑھے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کہنا شروع کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! غلطی میری ہی ہے آپ عمر پر خفا نہ ہوں1۔

اب دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قلوب کی کس طرح صفائی کر دی تھی۔ اگر تم میں سے کوئی شخص وہاں ہوتا تو وہ نہ صرف معافی نہ مانگتا بلکہ یہ کہتا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! آپؐ نے اس کے جرم کو کم سمجھا ہے اس نے ظلم زیادہ کیا تھا۔ بیسیوں دفعہ میں نے دیکھا ہے کہ اگر ہم کسی شخص کو اُس کے جرم کی سزا دیتے ہیں تو دوسرے لکھتے ہیں کہ اس کا جرم تو بہت زیادہ تھا اسے جماعت سے خارج کیوں نہیں کر دیا گیا۔ اس کو تو جماعت سے خارج کر دینا چاہیے تھا، اسے مرتد قرار دے دینا چاہیے تھا۔ اس کو اس اس طرح پیسنا چاہیے۔ اور اِدھر یہ حالت ہے کہ ایک آدمی پر ظلم کیا جاتا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی حمایت بھی کرتے ہیں لیکن وہ یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ آپؐ دوسرے شخص پر ناراض ہوں۔ یا تو وہ اپنی براءت کرنے آیا تھا اور

یا وہ یہ کہتا ہے کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! قصور میرا ہی ہے۔ یہ تغیر جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیدا کیا بنوامیہ اور بنوعباس اپنے سارے روپیہ اور طاقت سے بھی پیدا نہ کر سکے۔ اُس وقت کئی ایسے لوگ موجود تھے جنہیں بنوعباس اور بنوامیہ کی حکومتیں روپیہ دیتی تھیں لیکن وہ اندرونی طور پر ان کے دشمن تھے۔ برامکہ2 کو دیکھ لو بنوعباس نے اس خاندان کو کتنی عزت دی۔ انہیں غلامی سے اٹھا کر بادشاہ بنا دیا لیکن بنوعباس کی سلطنت کے خلاف برامکہ کے خاندان نے ہی سازش کی اور آخر ہارون الرشید کو مجبور ہو کر اس خاندان کے لوگوں کو قتل کرانا پڑا۔ اس کے مقابلہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ آپؐ اپنے ماننے والوں کو یہی فرماتے تھے قربانیاں کرو۔ چنانچہ وہ روپیہ دیتے تھے، قربانیاں کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ آپؐ نے ان کو قربانی کا ارشاد فرما کر ان پر احسان کیا ہے۔''

(المصلح 14 مارچ 1954ء صفحہ 4، 5)

1: **بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب قول النبی ﷺ لو کنت متخذا خلیلا** صفحہ 614 حدیث نمبر 3661 مطبوعہ ریاض 1999 **الطبعۃ الاولٰی**

2: **برامکہ:** (برمکی خاندان) ''برمک'' آتشکدۂ نوبہار (بلخ کا آتشکدہ جو مملکت عجم کے چار بڑے آتشکدوں میں سے تھا) کے پروہت یا متولی کو کہا جاتا ہے۔ اسی نسبت سے خلافت عباسیہ کے اس امیر و مقتدر خاندان کا لقب ''برامکہ'' پڑا۔ اس خاندان کی بنیاد خالد بن جاماسپ برمک کے اقتدار سے پڑی۔ (اردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد اول صفحہ 236 ''برمکی خاندان'' لاہور 1987ء)

ہجرت کے بعد رسول کریم ﷺ کا مدینہ کو مرکز بنانا

حضرت مصلح موعود نے 5/اپریل 1954ء کو ایوان محمود ربوہ کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا:۔

''ایک صاحب یہاں ہیں وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی ہیں ان سے جب بھی کوئی بات پوچھی جائے وہ یہی کہتے ہیں کہ ہم نے قادیان واپس جانا ہے اس لئے یہاں مکان بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ انہیں یہ خیال نہیں آتا کہ قادیان کے لئے جو پیشگوئیاں ہیں وہ مکہ کے متعلق جو پیشگوئیاں تھیں ان سے زیادہ نہیں لیکن کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ واپس گئے؟ ہم تو یہ امید رکھتے ہیں کہ ہم قادیان واپس جائیں گے اور وہی ہمارا مرکز ہوگا لیکن جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ چلے گئے تو مکہ میں واپس نہیں آئے حالانکہ مکہ فتح ہوگیا تھا۔ آپؐ نے مدینہ کو چھوڑا نہیں۔ پھر بعد میں مدینہ ہی حکومت کا مرکز بنا اور وہیں سے اسلام اردگرد پھیلنے لگا۔ مکہ صرف حج کے لئے رہ گیا۔ مکہ صرف اعتکاف کی جگہ بن گئی یا جو لوگ اپنی زندگیاں وقف کر کے مکہ چلے جاتے تھے ان کی جگہ رہی لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ ہی رہے اور وہیں آپؐ فوت ہوئے۔ خدا تعالیٰ کیا کرے گا؟ آیا اس کے نزدیک ہمارا یہاں رہنا بہتر ہے یا قادیان واپس جانا بہتر ہے ہمیں اس کا علم نہیں۔ پس یہ حماقت کی بات ہے کہ محض ان پیشگوئیوں کی وجہ سے جو کسی جگہ کے تقدس پر دلالت کرتی ہیں جبکہ

ان پیشگوئیوں سے زیادہ پیشگوئیاں دوسری جگہ کے متعلق موجود تھیں اور خدا تعالیٰ نے انہیں کسی اور شکل میں پورا کیا تھا ہم یہ خیال کرلیں کہ ہمیں کسی اور جگہ کی ضرورت نہیں۔ اگر بڑی جگہ کے لئے جو پیشگوئیاں تھیں وہ ظاہری رنگ میں پوری نہیں ہوئیں تو چھوٹی جگہ کے لئے یہ کیوں ضروری خیال کرلیا گیا ہے کہ اس کے متعلق جو پیشگوئیاں ہیں وہ ظاہری رنگ میں ہی پوری ہوں گی۔ قادیان کے متعلق جو پیشگوئیاں ہیں وہ وہی آیات ہیں جو مکہ کے متعلق نازل ہوئی تھیں۔ وہ آیات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دوبارہ نازل ہوئی ہیں اور جب وہ پیشگوئیاں مکہ کے لئے بھی ظاہری رنگ میں پوری نہیں ہوئیں تو ہم کیا لگتے ہیں کہ یہ کہیں کہ قادیان کے متعلق جو پیشگوئیاں ہیں وہ ظاہری رنگ میں پوری ہوں گی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس مکہ تشریف نہیں لے گئے بلکہ مدینہ میں ہی مرکز بنا کر کام کرتے رہے۔ صرف آپؐ حج کے لئے مکہ تشریف لے جاتے تھے اور حج کر کے واپس تشریف لے آتے تھے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ واپس مکہ نہیں گئے۔ حضرت عمرؓ واپس مکہ نہیں گئے، حضرت عثمانؓ واپس مکہ نہیں گئے، حضرت علیؓ واپس مکہ نہیں گئے۔ یہ سب حج کے لئے مکہ جاتے تھے اور واپس آجاتے تھے۔ حکومت کا مرکز مدینہ ہی رہا اور یہیں سے اسلام اردگرد کے علاقوں میں پھیلا۔''

(الفضل فضل عمر نمبر 26 مارچ 1966ء صفحہ 8)

کفار کی مخالفت کے جواب میں رسول کریم ﷺ کی پُرحکمت تدابیر

حضرت مصلح موعود نے 28 مئی 1954ء کو ربوہ میں خطبہ جمعہ کے دوران فرمایا:۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب دعویٰ فرمایا تو کفار نے آپؐ کا مقابلہ شروع کر دیا۔ انہوں نے آپؐ پر حملے کیے اور ہر طرح سے ایذا دہی شروع کر دی تو بعض مواقع پر آپؐ نے یہ کہا کہ تم اپنی مظلومی کا اعلان کرو اور ماریں کھاتے جاؤ۔ پھر ایک وقت پر جا کر آپؐ نے یہ تجویز کی کہ تم حبشہ کی طرف ہجرت کر کے چلے جاؤ۔ پھر ایک موقع پر آپؐ نے مدینہ جانے کی اجازت دے دی اور پھر بعد میں خود بھی ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔ اور جب دشمن پھر بھی ایذا دہی سے باز نہ آیا تو آپؐ نے خدا تعالیٰ سے حکم پا کر صحابہؓ کو کفار سے لڑنے کا حکم دیا۔ گویا آپؐ نے خدا تعالیٰ کی تقدیر کے مطابق مختلف مواقع پر مختلف قسم کے احکام صحابہؓ کو دیئے اور مختلف تدابیر سے کام لیا۔ اگر کوئی قوم ان تدابیر سے کام نہیں لیتی تو وہ زندہ نہیں رہ سکتی۔ جب آپؐ نے صحابہؓ سے صبر کرنے کو کہا اُس وقت اگر صبر نہ کیا جاتا تو ظلم اَور بڑھ جاتا۔ پھر جب آپؐ نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا تو اگر صحابہؓ ہجرت کر کے حبشہ نہ چلے جاتے تو چونکہ مکہ میں مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی تھی اس ترقی کو دیکھ کر دشمن کا غصہ اور بڑھ جاتا۔ جب دشمن اپنے مدمقابل کو حقیر اور ذلیل سمجھتا ہے تو وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ لیکن جب وہ دیکھتا ہے کہ اس کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے اور

ممکن ہے کہ ایک دن اس کی طاقت اتنی بڑھ جائے کہ وہ اس کا مقابلہ نہ کر سکے تو وہ اس کی برداشت نہیں کر سکتا۔ کفار کی ایذا رسانی کے باوجود جب مسلمان مکہ میں بڑھنے لگے اور مکہ والے خار کھانے لگے تو خداتعالیٰ سے حکم پا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ سے کہا کہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جاؤ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان کفار کو تھوڑے نظر آنے لگ گئے اور ان کا جوش کچھ عرصہ کے لیے فرو ہو گیا۔ لیکن جب پھر مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی اور کفار نے ایذا رسانی کا سلسلہ شروع کر دیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ کو مدینہ جانے کی اجازت دے دی۔ مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والے صرف چند درجن تھے لیکن دوسرے دن دیکھا گیا کہ مکہ کے دو محلے خالی ہو گئے ہیں۔ گویا مکہ میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو ظاہری طور پر اسلام نہیں لائے تھے لیکن دل سے مسلمان تھے اور وہ اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھے۔ غرض جب مسلمانوں کے ایک حصہ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو مکہ میں مسلمان پھر تھوڑے ہو گئے اور کفار کا جوش ٹھنڈا ہو گیا۔ اس کے بعد جب مکہ والوں نے دیکھا کہ اسلام اب مکہ سے باہر بھی پھیلنا شروع ہو گیا ہے تو ان میں نئی قسم کا جوش پیدا ہو گیا اور انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا فیصلہ کر لیا۔ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔ پس یہ مختلف تجاویز تھیں جن پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمل کیا۔ اگر مسلمانوں کو ایذا دہی پر ابتدا میں صبر کا حکم نہ ہوتا تو کفار چڑ جاتے اور ایذا دہی میں بڑھ جاتے۔ پھر اگر حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم نہ ہوتا تو مسلمانوں کی تعداد مکہ میں بڑھ جاتی اور اس طرح کفار کا جوش بڑھ جاتا۔ پھر جب دوبارہ مسلمانوں کی تعداد مکہ میں بڑھ گئی تو آپؐ اُس وقت مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم نہ دیتے تو کفار کا جوش اور بھی زیادہ ہو جاتا اور وہ ایذا دہی میں پہلے سے بھی بڑھ جاتے۔ پھر جب صنادیدِ عرب نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ بھیج دیا۔

پھر جب کفار نے مدینہ پر بھی حملہ کیا تو خدا تعالیٰ نے کہا تم ان سے لڑائی کرو۔ اُس وقت مسلمان اگر ہاتھ میں تسبیحیں پکڑ کر آیاتِ قرآنیہ کا ورد کرنا شروع کر دیتے تو انہوں نے تباہ ہو جانا تھا کیونکہ وہ وقت لڑائی کا تھا کسی اور کام کا نہیں تھا۔ چنانچہ پہلے یہ حکم دیا کہ مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کرو۔ پھر ایک وقت کے بعد جا کر مدینہ سے باہر نکل کر دشمن سے مقابلہ کرنے کا حکم ہوا اور پھر یہ حکم ہوا کہ دشمن کے گھروں پر جا کر ان پر حملہ کرو۔ اگر ان تجاویز پر عمل نہ کیا جاتا تو مسلمان بھی ترقی نہ کر سکتے۔''

(الفضل 15 جون 1954ء صفحہ 5)

رسول کریم ﷺ کا ایک بیمار کا علاج تجویز فرمانا

حضرت مصلح موعود نے 3 جون 1954ء کو مسجد مبارک ربوہ میں عیدالفطر کا خطبہ ارشاد کرتے ہوئے فرمایا:۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دفعہ ایک شخص آیا اور اس نے عرض کی یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! میرے بھائی کے پیٹ میں سخت تکلیف ہے۔ آپ نے فرمایا اسے شہد پلاؤ۔ چنانچہ اس نے اسے شہد پلایا لیکن تکلیف پہلے سے بھی بڑھ گئی۔ وہ رسول کریم ﷺ کے پاس پھر دوبارہ گیا اور عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! آپؐ کی ہدایت کے ماتحت میں نے اپنے بھائی کو شہد دیا تھا لیکن اس کی تکلیف بڑھ گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا اسے اور شہد دو۔ اس نے کچھ اور شہد دیا لیکن تکلیف پہلے سے بھی زیادہ ہوگئی۔ وہ پھر رسول کریم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا شہد تو میں نے اور بھی دیا ہے لیکن میرے بھائی کی تکلیف اور بڑھ گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا اسے اور شہد دو۔ تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے خدا تعالیٰ سچا ہے۔ جب اس نے کہا کہ شہد میں شفا ہے تو میں کس طرح مانوں کہ شہد کے ساتھ تمہارے بھائی کو شفا نہیں ہوسکتی۔[1] ممکن ہے کوئی کہہ دے کہ رسول کریم ﷺ طب نہیں جانتے تھے لیکن میں کہتا ہوں یہ بات درست نہیں۔ آپؐ روحانی طبیب تھے اس لئے جسمانی طب کے تمام اصول بھی سمجھتے تھے۔ آپؐ نے طبی اصول کی بنا پر ہی مریض کو شہد پلانا تجویز فرمایا۔ اگر وہ تیسری بار شہد پلا دیتا تو وہ یقیناً تندرست ہوجاتا ممکن ہے اس نے ایسا کیا ہی ہو۔ ہم نے ایلو پیتھک اور ہومیو پیتھک کا مطالعہ کیا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اسہال کا علاج بعض دفعہ ہلکے سے مسہل کے

ذریعہ کیا جاتا ہے۔تم اگر کسی ڈاکٹر کے پاس جاؤ اور کہو مجھے دست آتے ہیں تو وہ اکثر دفعہ تمہیں کسٹر آئل دے دے گا۔ کسٹر آئل پیچش کا علاج ہے اگر دست آتے ہوں اور ساتھ خراش بھی ہو تو اس کا علاج کسٹر آئل ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جو کچھ فرمایا تھا وہ درست تھا اگر وہ کافی شہد پلا دیتا تو اس کا بھائی ضرور تندرست ہو جاتا ہے لیکن اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مقام یہ بھی ہے کہ انسان کہے کہ مریض کا پیٹ جھوٹا ہے۔آپ تو سمجھتے تھے کہ شہد پلانے سے مریض کو یقیناً صحت ہو جائے گی لیکن اس شخص کو یہ مقام حاصل نہیں تھا۔اس کا مقام یہ تھا کہ وہ کہتا میرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے ورنہ جو علاج رسول کریم ﷺ نے تجویز فرمایا تھا وہی درست ہے۔‘‘

(الفضل 17 نومبر 1954ء صفحہ 5)

1: بخاری کتاب الطب باب الدواء بالعسل صفحہ 1006 حدیث نمبر 5684 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

رسول کریم ﷺ کی مجلس کی برکات

حضرت مصلح موعود نے 25 جون 1954ء کو کراچی میں خطبہ جمعہ کے دوران فرمایا:۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ مسجد میں کھڑے تقریر فرما رہے تھے کہ ہجوم زیادہ ہو گیا اور کناروں کے لوگ کھڑے ہو گئے کیونکہ جب کناروں پر لوگ کھڑے ہوں تو اُن سے ٹکرا کر آواز اکثر اونچی ہو جاتی ہے۔ اُن دنوں لاؤڈ سپیکر تو ہوتے نہیں تھے کہ دور تک آواز پہنچ سکے۔ بس یہی طریق تھا کہ تقریر کرنے والے کو اونچی آواز سے بولنا پڑتا تھا۔ مگر پھر کچھ اَور لوگ آ گئے اور وہ اُن کھڑے ہونے والوں کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ اُن تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز نہیں پہنچتی تھی۔ کچھ دیر تو وہ کھڑے رہے لیکن آخر مایوس ہو کر اُن میں سے کچھ لوگ واپس چلے گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے الہاماً اُن لوگوں کے حالات کی اطلاع دے دی اور آپ نے فرمایا اے لوگو! مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے بتایا گیا ہے کہ کچھ لوگ اس مجلس میں ایسے آئے ہیں جنہیں میری باتیں سننے کا موقع ملا اور انہوں نے میری باتوں سے فائدہ اٹھایا۔ جس نیت اور ارادہ کے ساتھ وہ لوگ آئے تھے اُس نیت اور ارادہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے سامان بہم پہنچایا اور وہ خدا تعالیٰ کی رضا کے وارث ہوئے۔ پھر کچھ لوگ ایسے تھے جو اس مجلس میں تو آئے اُن کے کانوں میں کوئی آواز نہ پڑی۔ اس پر بھی انہوں نے کہا کہ جب ہم نیک نیتی سے آئے ہیں تو چلو خواہ آواز ہمارے کانوں میں پڑے یا نہ پڑے ہم یہیں بیٹھے رہتے

ہیں۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں سے کہا کہ یہ دین کی باتیں سننے کے لیے آئے تھے اگر انہیں آواز نہیں پہنچی تو اس میں ان کا کوئی قصور نہیں اس لیے جو کچھ سننے والوں نے فائدہ اٹھایا ہے وہی ان کو فائدہ پہنچا دیا جائے۔ پھر کچھ لوگ ایسے تھے جنہیں آواز نہ آئی تو وہ اس مجلس سے اٹھ کر چلے گئے۔ انہوں نے چونکہ میری مجلس سے منہ موڑ لیا اس لیے میں نے بھی اُن کی طرف سے منہ موڑ لیا1۔''

(الفضل 6 اپریل 1960ء صفحہ 3)

1: بخاری کتاب العلم باب من قعد حیث ینتھی بہ المجلس صفحہ 16 حدیث نمبر 66 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

رسول کریم ﷺ پر اعتراض کے خطرناک نتائج

حضرت مصلح موعود نے 9 جولائی 1954ء کو ناصر آباد اسٹیٹ میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''دیکھو! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے بعد جب غزوہ حنین میں شامل ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو فتح دے دی تو اموالِ غنیمت آپ نے مکہ والوں میں تقسیم فرما دیئے۔ مدینہ والوں کو کچھ نہیں دیا۔ اس پر کسی انصاری نوجوان کی زبان سے بے احتیاطی میں یہ الفاظ نکل گئے کہ خون ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اموال اپنے رشتہ داروں کو دے دیئے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا پتا لگا تو آپؐ نے انصار کو بلایا اور فرمایا اے مدینہ کے لوگو! مجھے تمہارے متعلق ایسی روایت پہنچی ہے۔ انہوں نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! ہم میں سے کسی بیوقوف نوجوان نے یہ بات کہی ہے ہم نے نہیں کہی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بات کہی گئی سو کہی گئی۔ پھر آپؐ نے فرمایا دیکھو! تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے مکہ میں پیدا کیا مگر مکہ والوں نے اپنی بیوقوفی سے خدائی کلام کو رد کر دیا اور آپؐ کو قبول نہ کیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے وہ نعمت مدینہ والوں کو دے دی۔ پھر خدا نے اپنے فضل سے نہ کہ مسلمانوں کے کسی زور اور طاقت کے نتیجہ میں ایسے سامان پیدا کیے کہ مکہ فتح ہو گیا۔ جب مکہ فتح ہوا تو مکہ والوں نے سمجھا کہ اب ہماری گمشدہ متاع ہمیں واپس مل جائیں گی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وطن میں واپس آ جائیں گے مگر خدا نے یہی فیصلہ کیا کہ مکہ

والے اونٹ ہانک کر اپنے گھروں میں لے جائیں اور مدینہ والے خدا کے رسول کو اپنے گھر لے جائیں۔ لیکن اے انصار! اگر تم چاہو تو تم یوں بھی کہہ سکتے ہو کہ ہم محمد رسول اللہ کے لیے مدینہ میں بھی لڑے اور مدینہ سے باہر بھی لڑے۔ ہم نے اپنے بچوں کو یتیم اور اپنی بیویوں کو بیوہ بنایا۔ ہم نے اپنے خاندانوں کو برباد کیا اور اپنا مال اور اپنی طاقت آپؐ کے لیے قربان کر دی مگر جب فتح حاصل ہوئی تو محمد رسول اللہ نے اموال اپنے رشتہ داروں کو دے دیئے اور ہمیں کچھ نہ دیا۔ انصار نے روتے ہوئے کہا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ ! ہم مانتے ہیں کہ یہ ہماری غلطی ہے۔ ہم میں سے کسی بیوقوف نوجوان نے یہ بات کہہ دی ہے ورنہ ہم اس سے بیزار ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک تم میں سے کسی نے یہ بات کہی ہے مگر اے انصار! اب اس قول کی وجہ سے اس دنیا میں تم کو برکتیں نہیں ملیں گی۔ تم اگلے جہان میں حوضِ کوثر پر ہی آ کر ان برکتوں کو لینا۔1

چنانچہ دیکھ لو چودہ سو سال گزر گئے مگر ان چودہ سو سال میں کوئی انصاری بادشاہ نہیں ہوا۔ عربوں کو بادشاہت ملی، مکہ والوں کو بادشاہت ملی اور وہ چار پانچ سو سال تک حکومت کرتے رہے، پٹھانوں کو بادشاہت ملی، ایرانیوں کو بادشاہت ملی، مصریوں کو بادشاہت ملی، مغل آئے انہوں نے بغداد فتح کیا اور اٹھارہ لاکھ مسلمانوں کو قتل کیا مگر پھر اُن کو بھی توبہ نصیب ہوئی اور انہوں نے لمبے عرصہ تک حکومت کی۔ غرض ہر قوم کو اس چودہ سو سال کے عرصہ میں حکومت ملی۔ اگر نہیں ملی تو اُن کو جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بھی لڑے اور بائیں بھی لڑے اور آگے بھی لڑے اور پیچھے بھی لڑے اور جنہوں نے کہا تھا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ! دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ ہماری لاشوں کو روندتا ہوا نہ گزرے۔2 اس لیے کہ اُن کے باپ دادا میں سے کسی نے یہ بات کہی اور خدا نے اُن کی ساری اولاد کو ہمیشہ کے لیے حکومت سے محروم کر دیا۔‘‘ (الفضل 10 اگست 1960ء صفحہ 4)

1:بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الطائف فی شوال سنۃ ثمان صفحہ 733 حدیث نمبر 4330 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعۃ الثانیہ

2:السیرۃ الحلبیۃ جلد 2 صفحہ 375 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولیٰ

رسول کریم ﷺ کا عدل وانصاف

حضرت مصلح موعود نے 10 ستمبر 1954ء کو ربوہ میں خطبہ جمعہ کے دوران فرمایا:۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی بڑے خاندان کی ایک عورت نے چوری کی اور شکایت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچی۔ جب لوگوں کو پتا لگا تو وہ سفارش لے کر آئے کہ یہ عورت فلاں خاندان سے ہے اور بہت معزز ہے۔ اگر اس عورت کا ہاتھ کاٹا گیا تو بڑی بدنامی ہوگی۔ یہ سن کر آپؐ کا چہرہ سرخ ہوگیا اور آپؐ نے فرمایا خدا کی قسم! اگر محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ ڈالتا1 (بعض نادانوں نے اس روایت سے یہ دھوکا کھایا ہے کہ شاید حضرت فاطمہؓ پر کوئی ایسا الزام لگا تھا۔ یہ جھوٹ ہے۔ خاندانِ نبوت کے کسی فرد پر بددیانتی کا الزام تک بھی نہیں لگا)۔ اس طرح وہ لوگ سمجھ گئے کہ اگر آپؐ اپنے خاندان کے افراد کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تو دوسرے کے متعلق سفارش کس طرح مان سکتے ہیں۔ چنانچہ جب تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقرر کردہ اصول رائج رہے مسلمانوں میں انصاف قائم رہا لیکن جب آپؐ کے بیان کردہ اصولوں پر عمل نہ رہا تو انصاف بھی غائب ہوگیا۔ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی وہی تھے، نماز بھی وہی تھی، کلمہ بھی وہی تھا لیکن قوم کی حالت گرتی چلی گئی۔ اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو نصائح بیان فرمائیں مسلمانوں نے انہیں بھلا دیا۔ اصلاحِ نفس کے متعلق جو تراکیب آپؐ نے بیان فرمائی تھیں وہ بھلا دی گئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف قسم کی

کمزوریاں مسلمانوں میں پیدا ہوگئیں۔'' (الفضل 22 ستمبر 1954ء صفحہ 3، 4)

1: مسلم کتاب الحدود باب قطع السارق الشریف وغیرہ والنھی عن الشفاعۃ فی الحدود صفحہ 748 حدیث نمبر 4410 مطبوعہ ریاض 2000ء الطبعۃ الثانیۃ

رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں بھی کمزور لوگ تھے

حضرت مصلح موعود نے 10 ستمبر 1954ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

''یہ کہنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والے سب کے سب نیک تھے ان میں خیانت، غبن اور بددیانتی کی قسم کی برائیاں نہیں پائی جاتی تھیں قرآن کریم کے خلاف ہے۔ قرآن کریم میں صاف آتا ہے کہ آپؐ کے پاس منافق آتے تھے اور قسم کھا کر کہتے تھے کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہے تو یہ سچی بات کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں لیکن یہ منافق جھوٹ بولتے ہیں[1]۔ پھر قرآن کریم میں ہی آتا ہے کہ آپؐ کے ماننے والے اور آپؐ کا کلمہ پڑھنے والے آپؐ کے متعلق یہ کہتے تھے هُوَ اُذُنٌ[2] کہ ہم نے فلاں فعل تو نہیں کیا۔ بات یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں تو نیک لیکن ہیں بھولے بھالے۔ لوگ آپؐ کے پاس آتے ہیں اور ہمارے متعلق شکایات کرتے ہیں اور آپ بلاتحقیق ان کی بات مان لیتے ہیں۔ یہ ایک پرانا حربہ ہے جو منافق لوگ استعمال کرتے چلے آئے ہیں۔ آج ہمارے خلاف بھی یہی حربہ استعمال ہو رہا ہے۔ آج بھی جماعت کے منافق یہی کہتے ہیں کہ خلیفۃ المسیح نہایت سادہ اور بھولے بھالے ہیں۔ آپؑ لوگوں کی باتوں پر فوراً یقین کر لیتے ہیں۔ بیوقوف مومن سمجھتے ہیں کہ یہ کتنے مخلص ہیں۔ خلیفۃ المسیح کا انہیں کتنا ادب ہے مگر وہ یہ نہیں دیکھتے کہ یہ تو وہی بات ہے جو منافق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کہا کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں تو نیک، آپؐ ہیں تو اچھے مگر آپؐ کانوں کے کچّے ہیں۔ لوگ جو کچھ کہہ دیتے ہیں

آپؐ بلاتحقیق مان لیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اس کے یہ معنے ہوتے تھے کہ آپ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) کم عقل ہیں۔ یہی بات اب کہی جاتی ہے کہ خلیفۃ المسیح خدارسیدہ ہیں، نیک ہیں جماعت کے خیرخواہ ہیں مگر ہیں سادہ اور بھولے بھالے۔ یا بالفاظِ دیگر بیوقوف۔ لوگ آپؐ کو بہکا لیتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ مان لیتے ہیں۔

غرض قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بھی منافق موجود تھے اور وہ اس قسم کی باتیں کرتے تھے۔ احادیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص مر گیا۔ آپؐ سے درخواست کی گئی کہ اس کا جنازہ پڑھائیں لیکن آپؐ نے فرمایا میں اس کا جنازہ نہیں پڑھوں گا۔ یہ خائن تھا3 حالانکہ وہ شخص جہاد کرتا ہوا مارا گیا تھا۔''

(الفضل 22 ستمبر 1954ء صفحہ 4)

1: المنافقون: 2

2: التوبۃ: 61

3: نسائی کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علی من غل صفحہ 276 حدیث نمبر 1961 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعۃ الاولیٰ

رسول کریم ﷺ کی مساوات

حضرت مصلح موعود نے 10 ستمبر 1954ء کو ربوہ میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے نبی کریم ﷺ کی مساوات کے بارہ میں فرمایا:۔

''مساواتِ اسلامی کے یہ معنے تو نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے مسلمانوں کو یکساں طور پر کھانا کھلایا ہو، ایک سا لباس پہنایا ہو یا ایک سے گھروں میں انہیں رکھا ہو۔ ہاں! آپؐ نے یہ ضرور کیا ہے کہ ابوبکرؓ ہو یا کوئی ادنیٰ غلام جب قانون کا معاملہ آیا تو آپؐ نے ان سب سے برابر کا سلوک کیا۔

ایک دفعہ آپؐ مجلس میں بیٹھے تھے کہ کوئی شخص دودھ کا ایک پیالہ لایا۔ آپؐ ہر کام دائیں طرف سے شروع کرتے تھے۔ وہ دن غربت کے تھے اس لیے جو لوگ تحفے لاتے تھے وہ یہ خیال کرتے تھے کہ شاید آپؐ بھوکے ہیں۔ لیکن اِن دنوں جو لوگ تحفے لاتے ہیں وہ اس خیال سے تحفے پیش نہیں کرتے کہ شاید جسے یہ تحفہ پیش کیا جا رہا ہے وہ بھوکا ہے بلکہ ان دنوں ایک زائد چیز کے طور پر تحفہ پیش کیا جاتا ہے۔ اُس مجلس میں حضرت ابوبکرؓ بھی بیٹھے تھے لیکن وہ اتفاقاً آپؐ کے بائیں طرف تھے۔ آپؐ نے اُن کے چہرے پر بھوک کے آثار دیکھے اور معلوم کیا کہ انہیں فاقہ ہے۔ آپؐ کے دائیں طرف ایک لڑکا بیٹھا تھا۔ آپؐ نے اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اگر تم مجھے اجازت دو تو میں یہ دودھ ابوبکر کو دے دوں؟ اُس لڑکے نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! آپؐ مجھ سے کیوں دریافت فرماتے ہیں؟ کیا شریعت نے میرا کوئی حق مقرر کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے دائیں طرف والے کو ترجیح دی ہے۔ تم دائیں طرف بیٹھے ہو اس

لیے تمہارا قانونی حق ہے کہ تمہیں ابوبکر سے پہلے دودھ دیا جائے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ انہیں اس کی ضرورت ہے۔ اُس لڑکے نے کہا اگر قانون نے مجھے حق دیا ہے تو آپؐ دودھ مجھے دیجیے۔ میں آپؐ کا تبرک کسی اَور کو دینے کے لیے تیار نہیں[1]۔ اب دیکھو! حضرت ابوبکرؓ آپ کے قریبی تھے لیکن آپ نے یہ دودھ حضرت ابوبکرؓ کو نہیں دیا اُس لڑکے کو دیا۔

پس جہاں تک شرعی حقوق کا سوال تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب مسلمانوں میں مساوات کو قائم کیا ہے۔'' (الفضل 22 ستمبر 1954ء صفحہ 5)

---

[1]: ترمذی ابواب الاشربة باب ماجاء ان الایمنین احق بالشرب صفحہ 442 حدیث نمبر 1893 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الاولٰی

رسول کریم ﷺ کی نظر میں ہماری ذاتی اور معاشرتی ذمہ داریاں

حضرت مصلح موعود نے یکم اکتوبر 1954ء کو ربوہ میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''احباب کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان پر دو طرح کی ذمہ داریاں عائد کی ہوئی ہیں ایک ذمہ داری اُس کے نفس کی ہے جس میں اُس کے عزیز اور رشتہ دار بھی شامل ہوتے ہیں اور ایک ذمہ داری اُس کی قوم یا ملک کی ہے جس میں وہ رہتا ہے۔ اس میں وہ تمام افراد شامل ہوتے ہیں جو اُس کی طرف کسی نہ کسی رنگ میں منسوب ہوتے ہیں۔ چاہے وہ انہیں جانتا ہو یا نہ جانتا ہو، اُس نے انہیں دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو۔ اس ذمہ داری کو وسیع کیا جائے تو یہ انسانیت کی ذمہ داری کہلاتی ہے اور اگر اسے محدود کریں تو یہ وطنی قوم کی ذمہ داری بن جاتی ہے۔ اور اگر اسے اَور محدود کر دیا جائے تو ایک نسلی قوم یعنی ایک دادے کی اولاد کی ذمہ داری بن جاتی ہے۔ بہرحال یہ ذمہ داری ایسی ہے جس میں جاننے یا نہ جاننے کا سوال نہیں انسانوں کا ہر طبقہ اس میں شامل ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کے احکام میں ان دونوں ذمہ داریوں کو مدنظر رکھا ہے۔ مثلاً انسان کی اپنی ذات ہے اس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ اس کا خیال رکھا جائے۔ احادیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے بعد مہاجرین اور انصار

کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا تھا۔1 ایک مہاجر صحابیؓ کے متعلق روایت آتی ہے کہ جب وہ اپنے انصاری بھائی کے گھر گئے تو انہوں نے دیکھا کہ اُن انصاری صحابیؓ کی بیوی کے کپڑے نہایت میلے کچیلے ہیں۔ اُن دنوں پردہ کے احکام ابھی نازل نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے اُسے توجہ دلائی کہ جسم اور لباس کی صفائی رکھا کرو کیونکہ مذہبی لحاظ سے بھی اور جسمانی لحاظ سے بھی یہ نہایت ضروری چیز ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ میں نے کیا صفائی رکھنی ہے بیوی کی طرف توجہ کرنے والا تو خاوند ہوتا ہے لیکن تمہارے انصاری بھائی کو تو گھر کی پرواہ ہی نہیں۔ وہ دن کو روزہ رکھتا ہے اور ساری رات نماز پڑھتا رہتا ہے اُسے دنیا کی طرف کوئی رغبت ہی نہیں ہے۔ جب وہ انصاری گھر آئے تو اُن کے لیے کھانا تیار کیا گیا لیکن انہوں نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا اور کہا میں نے تو روزہ رکھا ہوا ہے۔ اس پر مہاجر بھائی نے کہا کہ جب تک تم کھانا نہ کھاؤ میں بھی کھانا نہیں کھاؤں گا۔ پہلے تو انہوں نے انکار کیا مگر جب ان کے مہاجر بھائی کا اصرار بڑھ گیا تو انہوں نے کہا بہت اچھا! میں روزہ کھول دیتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے کھانا کھا لیا۔ پھر رات کا کھانا کھانے کے بعد عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد انصاری دوست نے نفل ادا کرنے شروع کیے تو مہاجر بھائی نے انہیں پکڑ لیا اور کہا تم گھر میں جاؤ اور سو رہو۔ میں تمہیں نفل نہیں پڑھنے دوں گا۔ تہجد کے وقت میں تمہیں جگا دوں گا۔ خیر وہ گھر جا کر سو گئے اور رات کے آخری حصہ میں مہاجر بھائی نے انہیں جگا دیا اور انہوں نے نمازِ تہجد ادا کی۔ جب صبح ہوئی تو وہ انصاری رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! آپ نے فلاں شخص کو میرا بھائی مقرر کیا ہے۔ اُس نے کل مجھے عبادت سے محروم رکھا ہے۔ میں دن کو روزہ رکھتا تھا اور ساری رات نفل ادا کیا کرتا تھا لیکن اُس نے نہ مجھے روزہ رکھنے دیا اور نہ ساری رات نفل ادا کرنے دیئے۔ آپ نے فرمایا تمہارے بھائی نے جو کچھ کیا ہے درست کیا ہے۔ جو طریق تم نے اختیار کیا وہ درست نہیں۔ تمہیں سمجھنا چاہیے کہ لِنَفْسِکَ

عَلَیْکَ حَقٌّ وَلِزَوْجِکَ عَلَیْکَ حَقٌّ 2۔ تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے۔ پس اسلام نے اپنے احکام میں انسان کی ذات کو مدنظر رکھا ہے اور کہا ہے اس کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے۔ پھر نفس میں بیوی اور دوسرے رشتہ داروں کو بھی شامل کیا ہے۔

رشتہ داروں کے علاوہ دوسرے افراد کے متعلق ہم دیکھتے ہیں تو ان کے متعلق بھی شریعت میں احکام موجود ہیں۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ جب تم جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں آؤ تو نہا کر آؤ۔ پیاز، لہسن یا اَور کسی قسم کی بدبودار چیز کھا کر نہ آؤ، کپڑے دھو کر آؤ اور خوشبو لگا کر آؤ3۔ نہانا اس لیے ضروری قرار دیا کہ گندہ رہنے کی وجہ سے جسم میں ایک قسم کی بدبو پیدا ہو جاتی ہے جو نہانے سے دور ہو جاتی ہے۔ خوشبو لگانے کا حکم اس لیے دیا کہ بعض بیماریوں کی وجہ سے جیسے بغل گند ہوتی ہے نہانے کے باوجود جسم سے بدبو آتی رہتی ہے۔ خوشبو اس قسم کی بُو کے ازالہ کے لیے مفید چیز ہے۔ غرض جو بُو عارضی ہوتی ہے اُس کا بھی علاج کر دیا اور بیماریوں کی وجہ سے جو مستقل بُو پیدا ہو جاتی ہے اُس کا بھی علاج کر دیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا دیکھو! انسان کے لیے یہ چیز بھی ثواب کا موجب ہے کہ اگر وہ رستہ میں کوئی لکڑی، کانٹا یا گوبر پڑا ہوا دیکھے تو اُسے دور کر دے4۔ اُس کا یہ فعل بھی اُس کے لیے نیکی شمار ہوگا۔ اب مسجد والے تو اُس کے ہم مذہب تھے لیکن سڑک پر چلنے والے اس کے وطنی بھی ہو سکتے ہیں اور غیر وطنی بھی ہو سکتے ہیں، مسافر اور سیاح بھی ہو سکتے ہیں۔ پس اس حکم کے ذریعہ آپؐ نے تمام بنی نوع انسان تک اپنی ہمدردی کے دامن کو وسیع کرنے کا حکم دیا۔''

(الفضل 8 اکتوبر 1954ء صفحہ 3)

1: بخاری کتاب مناقب الانصار باب کیف اٰخی النبی ﷺ بین اصحابہ صفحہ 665 حدیث نمبر 3937 مطبوعہ ریاض 2000ء الطبعة الثانية

2: بخاری کتاب الصوم باب من اقسم علٰی أخیه لیفطر فی التطوع صفحہ 316 حدیث نمبر

1968 مطبوعہ ریاض 1999ء **الطبعة الثانية** میں یہ الفاظ ہیں: ''**ولاهلک علیک حقًا**''

3: **بخاری کتاب الاذان باب ماجاء فی الثوم النیء والبصل والکراث** صفحہ 138 حدیث نمبر 855، **بخاری کتاب الجمعة باب الدهن للجمعة** صفحہ 142 حدیث نمبر 883 مطبوعہ ریاض 1999ء **الطبعة الثانية**

4: **مسلم کتاب الزکوٰۃ باب بیان ان اسم الصدقة** صفحہ 407 حدیث نمبر 2330 مطبوعہ ریاض 2000ء **الطبعة الثانية**

رسول کریم ﷺ پر ایک انصاری نوجوان کا اعتراض

حضرت مصلح موعود نے 8 / اکتوبر 1954ء کو ربوہ میں خطبہ جمعہ کے دوران بیان فرمایا:۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ ایک جنگ میں تشریف لے گئے اور اس میں خدا تعالیٰ نے آپؐ کو فتح دی۔ اُس وقت مکہ نیا نیا فتح ہوا تھا اور آپؐ کے ساتھ مکہ کے حدیث العہد لوگ بھی تھے۔ آپؐ نے انہیں حدیث العہد سمجھ کر مالِ غنیمت میں سے بہت سا حصہ دے دیا اور مدینہ کے مسلمانوں کو نہ دیا۔ اس پر ایک انصاری نوجوان نے کہا کہ خون تو ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال اپنے رشتہ داروں کو دے دیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ خبر پہنچی۔ آپؐ نے انصار کو جمع کیا اور فرمایا اے انصار! مجھے یہ خبر پہنچی ہے۔ انہوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! یہ بات درست ہے لیکن ہم میں سے ایک بدبخت نوجوان نے یہ بات کہی ہے ہم اس سے کلی طور پر بیزار ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اے انصار! کہنے والے کے منہ سے بات نکل گئی اور دنیا کے سامنے آچکی۔ میں تمہارے سامنے اس کی اصل حیثیت رکھ دیتا ہوں کہ آج جو کچھ ہوا ہے اُس کی دو شکلیں ہوسکتی ہیں۔ تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پیدا ہوئے۔ اُن کے اپنے رشتہ داران کے دشمن ہو گئے اور انہوں نے آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو برا بھلا کہا، آپؐ پر مظالم کیے اور آخر اتنی سختیاں کیں کہ آپؐ کو مکہ سے نکلنا پڑا اور مدینہ تشریف لے آئے۔ وہاں ہم نے آپؐ کو اور آپ کے ساتھیوں کو پناہ دی، انہیں اپنی جائیدادیں پیش کر دیں،

اپنے مکان خالی کر دیئے۔ غرض آپؐ کے لیے ہر ممکن قربانی کی اور اپنی جانوں کو آپؐ کی حفاظت کے لیے پیش کر دیا۔ لیکن جب مکہ فتح ہو گیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں محروم کر دیا اور اموال اپنے رشتہ داروں کو دے دیئے۔ انصار کے اندر ایمان تھا وہ اس قسم کی بے ایمانی والی بات نہیں کہہ سکتے تھے۔ انہوں نے روتے ہوئے عرض کیا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! یہ بات ہماری قوم کے ایک بد بخت نوجوان کے منہ سے نکل گئی ہے۔ ہم اس سے کُلّی طور پر بیزار ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اے انصار! اس کا ایک اَور رخ بھی ہے۔ تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ خدا تعالیٰ نے اپنے ایک نبی کو مکہ میں پیدا کیا لیکن اُس کی قوم نے اُس کی قدر نہ کی۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے اپنی اس نعمت کو اٹھا کر مدینہ بھیج دیا۔ پھر فرشتوں کی مدد اور خدا تعالیٰ کی برکات اور فضلوں کے نتیجہ میں وہ بڑھا، پھلا اور پھولا اور اُس نے ترقی حاصل کی اور مکہ فتح کر لیا۔ جب اس کا مکہ پر قبضہ ہو گیا تو مکہ والوں کی آنکھیں کھلیں اور انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ تو سچا رسول تھا، ہم نے اس کی ناقدری کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اُسے قبول کیا اور پھر وہ خیال کرنے لگے کہ شاید ان کی کھوئی ہوئی دولت اُن کو واپس مل جائے گی اور خدا کا رسول پھر مکہ میں آباد ہو جائے گا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے کہا چونکہ تم نے میری نعمت کو رد کر دیا تھا اس لیے اب یہ عظیم الشان نعمت تمہیں واپس نہیں مل سکتی۔ چنانچہ اُس نے مکہ والوں سے کہا کہ اونٹ اور بکریاں تم لے لو اور مدینہ والوں سے کہا کہ تم میرے رسول کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ فرمایا تم یہ بھی کہہ سکتے ہو[1]۔'' (الفضل 13 اکتوبر 1954 صفحہ 4)

---

[1]: بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الطائف فی شوال سنۃ ثمان صفحہ 733 حدیث نمبر 4330، 4331 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعۃ الثانیۃ

جنگ بدر میں نصرت الٰہی حاصل کرنے کے لئے رسول کریم ﷺ کی گریہ وزاری

حضرت مصلح موعود نے 12 نومبر 1954ء کو ربوہ میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''جنگِ بدر کے موقع پر مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور دشمن کی تعداد اُن سے کئی گنا زیادہ تھی۔ پھر اسلامی لشکر کے سپاہی آزمودہ کار نہیں تھے اور دشمن کے تمام سپاہی آزمودہ کار تھے۔ پھر اسلامی لشکر کے پاس سامانِ حرب بھی بہت کم تھا، دشمن کے پاس سامانِ حرب وافر مقدار میں تھا۔ پھر اردگرد کے علاقہ کے رہنے والے دشمن کے ہم مذہب تھے۔ اگر صحابہؓ کے قدم اکھڑ جاتے اور وہ پناہ لینے کے لیے اردگرد کے علاقہ میں جاتے تو اُس کے رہنے والوں نے انہیں مار مار کر ختم کر دینا تھا۔ اول تو اُن کا بچنا ہی مشکل تھا لیکن اگر وہ دشمن کے لشکر سے بچ جاتے تو اردگرد کے علاقہ کے لوگوں نے انہیں ختم کر دینا تھا۔ دشمن کے لشکر کے لیے زیادہ سہولت تھی۔ اُس کے پاس سامان زیادہ تھا۔ انہوں نے جس جگہ پر قبضہ کیا تھا وہ بھی مسلمانوں کی نسبت زیادہ اچھی تھی۔ پھر اگر انہیں شکست بھی ہوتی تو اردگرد کے علاقہ کے بسنے والے اُن کے واقف اور ہم مذہب تھے۔ گویا اول تو فتح یقینی تھی اور پھر شکست کی صورت میں اُن کے پاس چھپنے اور بھاگنے کے سامان بھی تھے۔ اُس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جذبہ کو مدنظر رکھ کر دعا کی کہ اے خدا! ہم کمزور اور ناتواں ہیں اور دشمن طاقتور ہے لیکن

اے خدا! اگر یہ چھوٹی سی جماعت ہلاک ہوگئی تو لَنْ تُعْبَدَ فِی الْاَرْضِ اَبَدًا[1]۔ اس زمین پر تیری عبادت کوئی نہیں کرے گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فقرہ اس لیے استعمال کیا تھا کہ اس چھوٹی سی جماعت نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ زمین پر خدا تعالیٰ کی عبادت صرف انہی کے ذریعہ سے قائم ہے۔ اگر واقعہ میں وہ تھوڑے سے افراد خدا تعالیٰ کی عبادت کرنے والے نہ ہوتے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ کہا تھا کہ لَنْ تُعْبَدَ فِی الْاَرْضِ اَبَدًا تو خدا تعالیٰ کہتا یہ بات درست نہیں۔ ان سے بہتر عبادت کرنے والے موجود ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ نے انہیں ایسا نہیں کہا۔ دوسرے لفظوں میں خدا تعالیٰ نے مان لیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیل درست ہے۔ اگر یہ چھوٹا سا گروہ مارا گیا تو میری عبادت اس زمین پر نہیں ہو گی۔ اب یہ ایک ذریعہ تھا خدا تعالیٰ کی مدد اور نصرت حاصل کرنے کا۔''

(الفضل 8 دسمبر 1954ء صفحہ 4)

1: مسلم کتاب الجهاد والسیر باب الامداد بالملائکة فی غزوة بدر صفحہ 781، 782 حدیث نمبر 4588 مطبوعہ ریاض 2000ء الطبعة الثانية میں ''لا تعبد فی الارض'' کے الفاظ ہیں۔

رسول کریم ﷺ کی زندگی ایک کھلی کتاب

حضرت مصلح موعود نے 3 دسمبر 1954ء کو ربوہ میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ سے زیادہ محفوظ تاریخ اَور کسی نبی کی نہیں۔ حضرت نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کی تاریخیں کسی حد تک محفوظ ہیں لیکن زیادہ تر قابلِ اعتبار وہی حالات ہیں جو قرآن کریم نے بیان فرمائے ہیں۔ باقی تاریخ زیادہ روشن نہیں۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایسی ہے جو ایک کھلی کتاب کی طرح ہے۔ جس طرح آپ کو سورۃ فاتحہ ملی جو کھلے مضامین رکھنے والی ہے اسی طرح آپؐ کو زندگی بھی وہ ملی جو کھلی کتاب کے طور پر تھی۔ آپؐ نے بیویوں سے پیار کیا تو وہ بھی تاریخ میں موجود ہے، آپؐ نے تھوکا، نہایا، وضو کیا، پیشاب کیا، پانی پیا یا کھانا کھایا تو وہ بھی تاریخ میں محفوظ چلا آتا ہے۔ غرض آپؐ کی تاریخ بھی فاتحہ ہے اور آپؐ کی زندگی بھی فاتحہ ہے۔ دشمن اگر اعتراض کرتا ہے تو ہم اُسے کہتے ہیں کہ تم اس لیے اعتراض کرتے ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کھلی کتاب کے طور پر ہے۔ اگر آپؐ کی زندگی بھی حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی زندگی کی طرح بند کتاب کی طرح ہوتی تو تمہیں اعتراض کرنے کا موقع میسر نہ آتا۔ پس آپؐ کی زندگی پر اعتراضات کی کثرت اس بات کی علامت نہیں کہ آپؐ پر دوسرے انبیاء کی نسبت زیادہ اعتراضات ہوئے ہیں بلکہ اس بات کی علامت ہے کہ آپؐ کی زندگی ایک کھلی کتاب کے طور پر ہے۔ ایک عورت نے برقع پہنا ہو تو اُس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اُس کے چہرہ پر برص ہے یا نہیں یا وہ کیلوں سے بھرا

ہوا ہے یا نہیں۔ اُس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اُس کی ایک آنکھ ہے یا نہیں، یا وہ بھینگی ہے یا نہیں۔ لیکن اگر کسی کا چہرہ کھلا ہوا ہو تو لوگ اُس پر کئی اعتراضات کر سکتے ہیں لیکن ہم اُس کا مقابلہ ایک برقع پوش عورت سے نہیں کر سکتے۔ یعنی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں برقع پوش عورت کے مقابلہ میں اس غیر برقع پوش عورت پر زیادہ اعتراضات ہوئے ہیں۔ اگر کوئی غیر برقع پوش عورت کا مقابلہ برقع پوش عورت سے کرتا ہے تو وہ پاگل ہے۔ اسی طرح ہم کہیں گے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثال دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں ایسی ہی ہے جیسے ایک غیر برقع پوش عورت کی مثال برقع پوش عورت کے مقابلہ میں ہوتی ہے۔ آپؐ کی زندگی سورج کی طرح ہے۔ اس کا ہر پہلو نظر آ سکتا ہے لیکن دوسرے انبیا کی زندگیاں بند کتاب کے طور پر ہیں۔ پس آپؐ کی زندگی ہمارے لیے ایک نمونہ ہے۔

جب آپؐ نے دعویٰ فرمایا تو ابتدا میں صرف ایک شخص (یعنی حضرت ابوبکرؓ) آپؐ پر ایمان لایا۔ وہ لوگ جنہوں نے بعد میں اسلام میں بڑے بڑے درجات حاصل کیے اُن میں بھی بعض ایسے تھے جنہوں نے ابتدائی زمانہ میں آپؐ کی سخت مخالفت کی۔ مثلاً خلافت کے زمانہ میں سے سب سے زیادہ روشن زمانہ حضرت عمرؓ کی خلافت کا ہے لیکن آپ بھی ایک عرصہ تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرتے رہے ہیں۔ پھر آپؐ کے زمانہ میں بھی اور آپؐ کے بعد بھی بہترین اسلامی کمانڈر خالد بن ولیدؓ تھے لیکن آپ بھی ہجرت کے بعد چھ سال تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جنگ کرتے رہے۔ پھر جب خلافت میں تنزل آیا تو اُس کی گری ہوئی عمارت کو سنبھالنے والے معاویہؓ تھے لیکن آپ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری عمر میں ایمان لائے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی میں صرف اسّی نوے آدمی آپ پر ایمان لائے تھے۔ بعض کے نزدیک ان کی تعداد دو سو تین سو تک تھی۔ اب دیکھو! ایک شخص جو تیرہ سال تک یہ دعویٰ کرتا رہا کہ وہ ساری دنیا

کو فتح کر لے گا، وہ یہ اعلان کرتا رہا کہ اس کی جماعت آخر غالب آئے گی اور اُس کی پیش کردہ تعلیم دوسری سب تعلیموں پر غالب آئے گی اُس کی جماعت میں اگر تیرہ سال کے لمبے عرصہ میں دوسو یا تین سو آدمی داخل ہو گئے تو بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ یہ ایسی چیز نہیں جس کے ذریعہ دنیا کو فتح کیا جا سکے۔ ہاں! ایک چیز ضرور تھی اور یہی انبیا کی سچائی کی علامت ہوا کرتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا **نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِیْرَۃَ شَھْرٍ**[1] یعنی جہاں ایک مسافر ایک ماہ میں پہنچ سکتا ہے وہاں تک خدا تعالیٰ نے میرا رعب پہنچا دیا ہے۔ چنانچہ آپ کے ابتدائی تیرہ سالوں میں ہی آپ کی آواز حبشہ، نجد اور اردگرد کے علاقہ میں پہنچ گئی تھی۔''

(الفضل 11 دسمبر 1954ء صفحہ 3)

1: بخاری کتاب الصلوٰۃ باب قول النبی ﷺ **جعلت لی الارض مسجدا و طھورا** صفحہ 76 حدیث نمبر 438 مطبوعہ ریاض 1999ء **الطبعۃ الثانیۃ**

رسول کریم ﷺ کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈا کے بداثرات

حضرت مصلح موعود نے 17 ؍دسمبر 1954ء کو ربوہ میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''اس وقت ایک بہت بڑا طوفان آیا ہوا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت پر پردے ڈال دیئے گئے ہیں۔ اگر تمہارے سامنے وہ کتابیں رکھی جائیں یا تمہیں پڑھ کر سنائی جائیں جو یورپ اور امریکہ میں اسلام کے خلاف لکھی گئی ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ ایک سنگدل سے سنگدل مسلمان کی بھی چیخیں نکل جائیں۔ تم جس کی تعریف میں قصائد پڑھتے ہو، جس پر تم دن میں کئی بار درود بھیجتے ہو اُس کو نہایت حقیر رنگ میں لوگوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اُسے اس قسم کی گالیاں دی جاتی ہیں کہ دنیا کے کسی ذلیل سے ذلیل انسان کو بھی وہ گالیاں نہیں دی جاسکتیں۔ تم ایک معمولی آدمی کو گالیاں دیتے دیکھ کر غصہ میں آجاتے ہو لیکن تم یہ خیال نہیں کرتے کہ اس شخص کے متعلق جسے تم اپنا ہادی، راہنما، آقا اور خدا کا فرستادہ سمجھتے ہو لوگوں کو اتنی غلط فہمیاں ہیں کہ حد ہی نہیں۔ آخر سب لوگ پاگل تو نہیں ہو گئے کہ وہ خواہ مخواہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دیتے ہیں۔ ان میں سے بھی اکثر میں حیا اور شرافت پائی جاتی ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصل حالات اور سوانح سے ناواقف ہیں۔ سینکڑوں سال مسلمان غافل رہے اور دشمن

آپؐ کی شکل کو لوگوں کے سامنے نہایت بھیانک صورت میں پیش کرتا رہا اور اب ان کے دلوں میں یہ بات جاگزیں ہوگئی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانیت کے شدید دشمن ہیں۔

میں جب انگلستان گیا تو مجھے ایک ڈاکٹر کے متعلق بتایا گیا کہ وہ دہریہ ہے اور مجھ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ میں نے اُسے ملاقات کا موقع دے دیا۔ اس نے دو چار باتیں کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر نہایت گندے الفاظ میں کیا۔ چونکہ میں نے اس سے بات کرنے کا وعدہ کیا ہوا تھا اس لیے میں اُسے برداشت کر گیا۔ لیکن دو چار فقروں کے بعد اُس نے دوبارہ آپؐ کی ذات پر حملہ کیا۔ میں نے اُسے توجہ دلائی کہ تم نے یہ کہہ کر ملاقات کا وقت لیا تھا کہ تمہارا مذہب سے کوئی تعلق نہیں تم صرف عقلی گفتگو کرنا چاہتے ہو لیکن اب میں دیکھتا ہوں کہ تم بلاوجہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کرتے ہو۔ یہ بات ٹھیک نہیں۔ اُس شخص نے میری اس بات کا جواب نہ دیا لیکن دو چار باتوں کے بعد اس نے پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کیا۔ میں یہ جانتا تھا کہ اسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی نفرت نہیں لیکن آپؐ کے جو حالات اس نے پڑھے ہیں اُن سے اُس نے سمجھ لیا ہے کہ آپؐ انسانیت کو گرانے والے ہیں۔ اس کے رویہ کو دیکھ کر مجھے بھی غصہ آ گیا اور میں نے جوابی طور پر مسیح ناصریؑ پر حملہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ اُس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ میں مسیحؑ کے متعلق یہ باتیں نہیں سن سکتا۔ میں نے کہا تم نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہارا عیسائیت سے کوئی تعلق نہیں لیکن پھر بھی تم مسیحؑ کے خلاف کوئی بات نہیں سن سکتے۔ تو کیا میں ہی اتنا بے غیرت ہوں کہ تم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملے کرتے جاؤ اور میں خاموش رہوں؟ میں نے دو دفعہ تمہیں توجہ دلائی کہ تم مذہب کی ضرورت کے متعلق بات کرو۔ بار بار بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملے نہ کرو۔ لیکن چونکہ تم حملہ کرنے سے باز نہیں آئے اس لیے میں نے سمجھ لیا کہ عیسائی

مصنفین کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد تم سمجھتے ہو کہ مسیحؑ انسانیت کے ہمدرد تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نَعُوْذُ بِاللّٰہِ انسانیت کے بڑے دشمن ہیں۔ وہ کہنے لگا کچھ ہو میں مسیحؑ کے خلاف کوئی بات نہیں سن سکتا۔ میں نے کہا اگر تم دہریہ ہو کر مسیح علیہ السلام کے خلاف کوئی بات نہیں سن سکتے تو میں مسلمان ہو کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف باتیں کیوں سنوں؟ اگر تم نے دوبارہ میرے آقا کی شان میں کوئی نازیبا لفظ استعمال کیا تو میں بڑی سختی سے تمہارے مسیحؑ پر حملہ کروں گا۔ اس پر اُس نے بات ختم کر دی اور چلا گیا۔

اس واقعہ سے تم سمجھ سکتے ہو کہ وہ لوگ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمنی سے بھرے ہوئے ہیں جنہیں عیسائیت سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ دہریہ ہیں اور مذہب سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔ وہ محض اس وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن ہیں کہ بچپن سے اُن کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی گئی ہے کہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ دنیا اور انسانیت کے بدترین دشمن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اب تم سمجھ سکتے ہو کہ اس بغض کو نکالنا آسان بات نہیں۔ اس کے لیے بہت بڑی قربانی کی ضرورت ہے۔ جو یورپین لوگ مسلمان بھی ہو جاتے ہیں اُن کے ذہنوں میں یہ بات ڈالنے میں کافی عرصہ لگ جاتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مسیح علیہ السلام سے افضل ہیں اور آپؐ کو خدا تعالیٰ نے جو شان عطا فرمائی ہے وہ مسیح علیہ السلام کو عطا نہیں فرمائی۔ پتھر کی لکیر کا بدلنا آسان ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمنی کو اُن کے ذہنوں سے نکالنا بہت مشکل ہے۔ اس کے لیے جتنی قربانی بھی کی جائے کم ہے۔ پس تم اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو اور اپنی قربانی کو اس کے مطابق بناؤ۔ تا تمہارے کاموں میں برکت ہو۔'' (الفضل 22 دسمبر 1954ء صفحہ 4، 5)

رسول کریم ﷺ کا اہل مدینہ کے ساتھ معاہدہ

حضرت مصلح موعود نے جلسہ سالانہ ربوہ کے موقع پر 26 دسمبر 1954ء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

''مدینہ کے لوگوں کو پتہ نہیں تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر میں بلانے پر وہ کتنا بڑا بھڑوں کا چھتا چھیڑ رہے ہیں۔ اُس وقت تو مکہ کی رقابت میں مدینہ والوں نے کہہ دیا کہ چلیے صاحب! مکہ والے آپ کی قدر نہیں کرتے تو ہمارے پاس چلیے۔ حضرت عباسؓ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے اور آپؐ سے بہت محبت رکھتے تھے گو ظاہر میں اسلام نہیں لائے تھے وہ چونکہ ہوشیار آدمی تھے انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ دعوت تو انہوں نے دے دی ہے لیکن اس کا سنبھالنا ان کے لئے مشکل ہو جائے گا۔ انہوں نے اُس وقت کہا کہ آپ لوگ ان کو لے جاتے تو ہیں لیکن آپ مکہ والوں کو جانتے نہیں، عرب کو نہیں جانتے سارا عرب اور سارے مکہ والے ان کے مخالف ہیں اور وہ ضرور آپ سے اس کام کا بدلہ لیں گے۔ پس میں تب ان کو لے جانے کی اجازت دیتا ہوں اگر آپ لوگ یہ عہد کریں کہ اپنی جان اور اپنے مال کو قربان کر کے اس کی حفاظت کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا تو چھوٹا سا قصبہ ہے سارے عرب کے ساتھ ہم کہاں لڑ سکتے ہیں۔ پر یہ وعدہ کرتے ہیں کہ اگر مدینہ پر کسی نے چڑھائی کر کے اسے نقصان پہنچانا چاہا تو ہم اپنا سب کچھ قربان کر دیں گے اور اس کی حفاظت کریں گے۔ مدینہ سے باہر جانے کی ہم میں طاقت نہیں۔ حضرت عباسؓ نے کہا مجھے منظور ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان سے معاہدہ کر لیا۔'' (الفضل 7 جنوری 1955ء صفحہ 3، 4)

خلع کے متعلق رسول کریم ﷺ کا نمونہ

26 دسمبر 1954ء والے خطاب میں ہی حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:-

''رسول کریم ﷺ کو دیکھ لو۔ ایک عورت نے ایک دفعہ ایسی ہی بات کہہ دی۔ پیچھے اس نے بتایا کہ مجھے سکھایا گیا تھا کہ ایسا کہنا اچھا ہوتا ہے لیکن بہرحال وہ دھوکا میں آ گئی اور اس نے رسول کریم ﷺ سے کہا کہ میں آپ کے پاس آنا پسند نہیں کرتی۔ اُسی وقت رسول کریم ﷺ واپس چلے گئے اور آپ نے فرمایا اس کو مہر وغیرہ اخراجات دے دو اور اس کو رخصت کر دو[1]۔ دیکھو یہ چیز ہے جو اسلام سکھاتا ہے کہ اس کی درخواست کو اور اس کے اس فقرہ کو ہی رسول کریم ﷺ نے خلع سمجھا اور اسے خلع قرار دے دیا۔ پس اگر ایک عورت خلع مانگتی ہے تو جس طرح تم کو طلاق دینے کا حق ہے عورت کے لئے شریعت نے خلع رکھا ہے۔ تم کیوں خواہ مخواہ اس پر لڑا کرتے ہو۔''

(الفضل 23 اکتوبر 1955ء صفحہ 3)

1: بخاری کتاب الطلاق باب من طلق وهل يواجه الرجل امرأتهٗ بالطلاق صفحہ 938 حدیث نمبر 5255 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

برائیوں سے نجات کیلئے نبی کریم ﷺ کا ایک نسخہ

حضرت مصلح موعود نے 7 جنوری 1955ء کو ربوہ میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''احادیث میں آتا ہے کہ ایک شخص رسول کریم ﷺ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! مجھ میں تین بری عادتیں ہیں جن کو ترک کرنے کی میں اپنے اندر طاقت نہیں پاتا۔ آپؐ کوئی ایسا طریق بتائیں جس کے اختیار کرنے سے میں ان بری عادات سے چھٹکارا حاصل کرسکوں۔ ان تین بری عادات میں سے ایک جھوٹ بھی تھا۔ آپؐ نے فرمایا تم میری ایک بات مان لو دو کا میں ذمہ لیتا ہوں۔ تم ایک عیب چھوڑ دو یعنی جھوٹ بولنا۔ اس نے کہا بہت اچھا اور چلا گیا۔ کچھ مدت کے بعد وہ شخص دوبارہ آیا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا اب تمہارا کیا حال ہے؟ اُس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! جھوٹ کے چھوڑنے سے سارے عیوب چھوٹ گئے۔ میں جب بھی کوئی غلطی کرنے لگتا تو خیال آتا تھا کہ نہیں! لوگوں کو کیا جواب دوں گا۔ اگر سچ بولوں گا تو لوگ برا بھلا کہیں گے۔ اور اگر جھوٹ بولا تو اپنا عہد توڑوں گا۔ اس طرح محض جھوٹ نہ بولنے کی برکت سے میں سب عیوب سے نجات پا گیا ہوں[1]۔''

(الفضل 26 جنوری 1955ء صفحہ 5)

---

[1]: تفسیر کبیر رازی جلد 8 صفحہ 419 مطبوعہ قاھرہ 2012ء تفسیر سورۃ التوبۃ آیت 119

کلام الٰہی پر نبی کریم ﷺ کا غیر متزلزل ایمان

حضرت مصلح موعود نے 18 فروری 1955ء کو ربوہ میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

’’رسول کریم ﷺ کے پاس ایک شخص آیا۔ اُس نے عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میرے بھائی کو دست آرہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اُسے شہد پلاؤ۔ چنانچہ وہ واپس گھر گیا اور اُس نے اپنے بھائی کو شہد پلایا۔ لیکن دست اور زیادہ ہوگئے۔ وہ دوبارہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میں نے اپنے بھائی کو شہد پلایا تھا لیکن اُس کے دست اور زیادہ ہوگئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اُسے اور شہد پلاؤ۔ چنانچہ اُس نے اَور شہد پلایا لیکن دست اور زیادہ ہوگئے۔ وہ پھر رسول کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! دست تو اور زیادہ ہوگئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اُسے اور شہد پلاؤ۔ اللہ تعالیٰ سچا ہے تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔ جب خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ شہد میں شفا ہے تو اس کے پینے سے یقیناً شفا ہوگی۔ خدا تعالیٰ کی بات جھوٹی نہیں ہوسکتی۔ میں کس طرح مانوں کہ تمہارے بھائی کے دست شہد پینے سے ٹھیک نہیں ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے 1۔ بات بھی ٹھیک ہے۔ یہ بات طب سے ثابت ہے کہ جس شخص کو بدہضمی کی وجہ سے اسہال ہوں اُسے جلاب آور دوا دینی چاہیے تا کہ تمام فاسد مواد اندر سے نکل جائے۔ اس لئے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ جھوٹا نہیں۔ اس نے شہد میں شفا رکھی ہے۔ تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔‘‘ (الفضل 22 فروری 1955ء صفحہ 7)

1:بخاری کتاب الطب باب الدواء بالعسل صفحہ 1006 حدیث نمبر 5684 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

رسول کریم ﷺ کی روحانی اولاد کے لئے معجزات

حضرت مصلح موعود 11 مارچ 1955ء کو احباب جماعت کو پیغام دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''اس موقع پر میں یہ کہنے میں بھی فخر محسوس کرتا ہوں کہ مجھے جو شکوہ پیدا ہوا تھا کہ اس سال تحریک کے وعدے پورے نہیں آرہے خدا تعالیٰ نے جماعت کو اس شکوہ کے دور کرنے کی توفیق بخش دی ہے اور اب خدا تعالیٰ کے فضل سے آج کی تاریخ تک قریباً چھ ہزار کے وعدے زائد آچکے ہیں اور موجودہ رفتار پر قیاس رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ میعاد کے آخر تک اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت سے چالیس، پچاس ہزار روپے کے وعدے بڑھ جائیں گے۔ دنیا کی نظروں میں یہ بات عجیب ہے مگر خدائے عجیب کی نظر میں یہ بات عجیب نہیں کیونکہ اس کے مخلص بندوں کے ہاتھوں سے ایسے معجزے ہمیشہ ہی ظاہر ہوتے چلے آئے ہیں اور قیامت تک ظاہر ہوتے چلے جائیں گے۔ پہلے بھی خدا تعالیٰ ایسے ہی بندوں کے چہروں سے نظر آتا رہا ہے اور اب ہمارے زمانہ میں بھی ایسے ہی انسانوں کے چہروں سے خدا نظر آئے گا اور ان کے دلوں اور ایمانوں سے ایسے معجزے ظاہر نہیں ہوں گے بلکہ برسیں گے۔ منکر انکار کرتے چلے جائیں گے، جبرائیل کا قافلہ بڑھتا جائے گا اور آخر عرش تک پہنچ کر دم لے گا۔ عرش کا راستہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات اپنی امت کے لئے کھول دیا ہوا ہے۔ اب کوئی ماں ایسا بیٹا نہیں جنے گی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھولا ہوا راستہ بند کر سکے۔ شیطان حسد سے مر جائے گا مگر خدا تعالیٰ کی مدد محمد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو شیطانی حسد کی آگ سے بچالے گی۔ دوزخ چاہے گندھک کی آگ کی بنی ہوئی ہو یا حسد کی آگ سے، صاحب الفلق رسول اس سے محفوظ کیا گیا ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا۔ دوزخ کے شرارے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے لئے ہیں۔ اس کے دوستوں کے لئے کوثر کا خوشگوار پانی اور جنت کے ٹھنڈے سائے ہیں۔ صرف اتنی ضرورت ہے کہ وہ ہمت کر کے ان سایوں کے نیچے جا بیٹھیں اور آگے بڑھ کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے کوثر کا پانی لے لیں۔ لوگ اپنے باپ کی زمینوں اور مکانوں کو نہیں چھوڑتے اور ملک کی اعلیٰ عدالتوں تک جاتے ہیں کہ ہمارا ورثہ ہمیں دلوایا جائے۔ اگر مسلمانوں میں سے کوئی بد بخت اپنے روحانی باپ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ورثہ کو نظر انداز کرتا ہے تو اس پر افسوس ہے۔ اس کو تو فیڈرل کورٹ تک نہیں بلکہ عرش کی عدالت تک اپنے مقدمہ کو لے جانا چاہئے اور اپنا ورثہ لے کر چھوڑنا چاہئے۔ اگر وہ ہمت نہ ہارے گا، اگر وہ دل نہ چھوڑے گا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ورثہ اس کو ملے گا اور ضرور ملے گا۔ صاحب العرش کی عدالت کسی کو اس کے حق سے محروم نہیں کرتی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی باپ دنیا کے ظالم دادوں کی طرح اپنے پوتوں کو طبعی حق سے محروم نہیں کرتا بلکہ جب وہ اس سے اپیل کرتے ہیں وہ ان کے روحانی باپ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ورثہ ان کو دیتا ہے۔ بلکہ ورثہ کے حصہ سے بھی بڑھ کر دیتا ہے کیونکہ وہ رحیم کریم ہے اور وہ رحیم کریم یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کی روحانی اولاد اپنے ورثہ سے محروم ہو جائے۔ سو دوستو بڑھو کہ تمہیں ترقی دی جائے گی۔ قربانی کرو کہ تمہیں دائمی زندگی عطا کی جائے گی۔ اپنے فرض کو پہچانو کہ خدا تعالیٰ اس سے بڑھ کر اپنے فرض کو پہنچانے گا۔ اور جب وہ وقت آئے گا تو نہ صرف تمہارے گھر برکتوں سے بھر جائیں گے بلکہ ہر وہ گوشت کا لوتھڑا جو تمہارے جسم سے نکلے گا اس کو بھی برکتوں کی چادر میں لپیٹ کر بھیجا جائے گا اور جو تمہارے ہمسائے میں رہے گا اس

پر بھی برکتیں نازل ہوں گی۔ جو تم سے محبت کرے گا اس سے خدا تعالیٰ محبت کرے گا اور جو تم سے دشمنی کرے گا اس سے خدا تعالیٰ دشمنی کرے گا۔‘‘

(الفضل 15 مارچ 1955ء صفحہ 2)

آنحضور ﷺ صفتِ ربّ العالمین کا مظہر

حضرت مصلح موعود نے 27 مئی 1955ء کو زیورچ میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''جب تک کوئی شخص رب العالمین نہ ہو، چاہے اپنی پارٹی کے ساتھ وہ کتنا ہی اچھا سلوک کیوں نہ کرتا ہو، وہ اَلْحَمْدُ کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ اَلْحَمْدُ کا مستحق وہی ہو سکتا ہے جو پارٹیوں سے بالا ہو اور ہر قوم اور ملت سے اس کا سلوک انصاف اور رحم والا ہو۔ اس سلسلہ میں مَیں نے بتایا تھا کہ رسول کریم ﷺ تو اس صفت کے ظاہر کرنے میں سب سے بالا تھے۔ لیکن آپؐ پر بھی اعتراض ہوئے لیکن وہ اعتراض اس قسم کے نہیں تھے جو معقول ہوں بلکہ غیر معقول اعتراض تھے جو اپنی ذات میں اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ یہ چسپاں نہیں ہوتے۔ میں آج اس سلسلہ میں ایک مثال بیان کرتا ہوں۔

رسول کریم ﷺ کا سب سے بڑا دشمن ابوسفیان تھا۔ جب آپؐ نے ہرقل کو خط لکھا تو ہرقل بادشاہ نے کہا کہ دیکھو جس شخص نے خط لکھا ہے اُس کی قوم کے کوئی لوگ اس ملک میں ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ ابوسفیان ان دنوں اپنے قافلہ سمیت تجارت کے لیے آیا ہوا ہے۔ جب اُس کو پتا لگا تو اُس نے ابوسفیان اور اُس کے ساتھیوں کو بلایا اور ابوسفیان کو آگے کھڑا کیا اور اس کے ساتھیوں کو پیچھے اور کہا کہ دیکھو میں بادشاہ ہوں میرے سامنے جھوٹ بولنا بڑا سخت سزا کا مستوجب بنا دیتا ہے۔ میں اس سے سوال کروں گا اگر یہ کسی وقت جھوٹ بولے تو فوراً مجھے بتا دینا کہ جھوٹ بولا ہے۔

ابوسفیان کہتا ہے کہ اُس نے پہلے مجھ سے یہ سوال کیا کہ بتاؤ کہ نبوت کے دعویٰ سے پہلے اس شخص کے اخلاق کیسے تھے؟ تو میں نے کہا کہ بڑے اچھے تھے۔ تو اُس نے کہا میں نے یہ سوال اس لئے کیا تھا کہ نبوت کے دعویٰ کے بعد تو تمہاری دشمنی ہوگئی۔ پس دعویٰ سے پہلے کی گواہی ہی سچی گواہی ہوسکتی ہے بعد کی گواہی تو دشمنی کے ماتحت ہوگی۔ پھر اُس نے پوچھا کہ جب اس نے دعویٰ کیا تو اس دعویٰ کرنے کے بعد تم نے اس کا رویہ کیسا دیکھا؟ کیا اس نے کبھی تم سے جھوٹ بولا؟ تو وہ کہنے لگا کہ نہیں اس کے ساتھ ہمارے کئی معاہدے ہوئے ہیں کبھی اس نے وعدہ شکنی نہیں کی۔ لڑائیوں کے بعد جب بھی معاہدہ ہوا اس نے اُسے پورا کیا1۔

تو اب گویا یہ ایک شدید ترین دشمن کی گواہی ہے جو درحقیقت انعامات کا مستحق نہیں ہوتا بلکہ سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو شکوہ زیادہ پیدا ہوسکتا ہے۔ اور بہت ممکن تھا کہ وہ اعتراض کرتا بلکہ وہ خود بھی کہتا ہے کہ میرے دل میں خیال آیا کہ میں جھوٹ بول کر اعتراض کروں مگر چونکہ بادشاہ نے میرے پیچھے ساتھی کھڑے کئے ہوئے تھے میں ڈرا کہ اگر میں نے جھوٹ بولا تو انہوں نے بول پڑنا ہے کہ اس نے جھوٹ بولا ہے2۔

اسی طرح آپؐ نے ایک دفعہ اموالِ غنیمت تقسیم کئے تو ایک شخص بولا تِلْکَ قِسْمَۃٌ مَا اُرِیْدَ بِھَا وَجْہُ اللّٰہ3 یعنی یہ ایسی تقسیم تھی جس میں خدا تعالیٰ کی رضا کو مدنظر نہیں رکھا گیا۔ اب یہ ایک اعتراض ہے مگر سوال تو یہ ہے کہ وہ تقسیم جس میں خدا تعالیٰ کی رضا کو مدنظر نہ رکھا جائے چند قسم کی ہوسکتی ہے۔ مثلاً ایسی تقسیم کہ اپنے آپ انسان مال کھا جائے۔ یا ایسی تقسیم جس میں رشتہ داروں کو مال دے دے۔ یا ایسی تقسیم کہ جس نے اعتراض کیا ہے اس کا حق مارا جائے۔ تبھی وہ غلط ہوسکتی ہے۔ لیکن اُس نے ایک مثال بھی پیش نہیں کی۔ اب بکواس کرنے کو تو ہر شخص بکواس کرسکتا ہے لیکن سوال تو یہ ہے کہ جب اُس نے کہا کہ مَا اُرِیْدَ بِھَا وَجْہُ اللّٰہِ تو کیا اُس نے کوئی مثال پیش کی کہ میرا حق مجھے نہیں دیا؟ یا کیا اُس نے یہ مثال پیش کی کہ آپؐ نے

اپنا حصہ اتنا نکال لیا جو جائز نہیں تھا یا اپنے رشتہ داروں کو اتنا مال دے دیا جو جائز نہیں تھا؟ کوئی ایک مثال پیش نہیں کی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے فقرہ نے ہی بتا دیا کہ وہ جھوٹا الزام لگا رہا تھا۔ ورنہ ان تینوں مثالوں میں سے کوئی مثال تو بتاتا جس میں ناجائز سلوک ہوتا ہے۔ یا یہ بتاتا کہ آپ نے مال زیادہ لے لیا یا یہ کہ اپنے رشتہ داروں کو مال دے دیا جس کے وہ مستحق نہیں تھے۔ یا یہ کہ میں مستحق تھا مجھے نہیں دیا۔ تو نہ رشتہ داروں کی مثال پیش کرتا ہے اور نہ اپنی مثال پیش کرتا ہے جس سے ثابت ہو کہ اُس کا اعتراض معقول تھا۔ پس پتا لگا کہ وہ درحقیقت رسول کریم ﷺ کی رب العالمین والی ظلی صفت پر اعتراض نہیں کرتا بلکہ محض اپنی حماقت کا اقرار کرتا ہے۔ تو اس قسم کے اعتراضات رسول کریم ﷺ کے ظلِّ رب العالمین ہونے کو زیادہ ثابت کرتے ہیں۔ اگر واقعہ میں کوئی غلطی ہوئی تھی تو وہ بتاتا کیوں نا کہ یہ غلطی ہوئی ہے۔ اُس کا نہ بتانا یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ بھی جانتا تھا کہ آپ رب العالمین ہیں اور میں اعتراض کر ہی نہیں سکتا۔ نہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میرا حق نہیں دیا کیونکہ جھوٹا بنوں گا۔ نہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ اپنے رشتہ داروں کو دے دیا ہے۔ نہ یہ کہ حضور نے خود لے لیا۔ کیونکہ لوگ کہیں گے کہ بتاؤ تو سہی کہاں لے لیا۔ گو اس کا اپنا فقرہ ہی یہ بتاتا ہے کہ وہ حضور کو صفتِ **رب العالمین** کا ظل سمجھا ہے۔ اس لیے اعتراض کا ہونا اس بات کی علامت نہیں کہ آپ اَلْحَمْدُ کے مستحق نہیں۔ وہ اعتراض اتنا غیر معقول تھا کہ اپنی ذات میں ثابت کر رہا تھا کہ آپ رب العالمین کے ظل ہیں اور اس لیے آپ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے بھی ظل ہیں اور ہر قسم کی تعریفوں کے مستحق ہیں۔'' (الفضل 16 جون 1955ء صفحہ 3)

1، 2: بخاری کتاب بدء الوحی باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ صفحہ 2، 3 حدیث نمبر 7 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

3: بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب حدیث الخضر مع موسیٰ علیهما السلام صفحہ 571، 572 حدیث نمبر 3405 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية میں یہ الفاظ ہیں:

''ان هذه القسمة ما اريد بها وجه اللّٰه''

فتح مکہ کے موقع پر رسول کریم ﷺ کا دشمنوں سے سلوک

حضرت مصلح موعود نے 10 جون 1955ء کو زیورچ میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''جب مکہ فتح ہوا تو رسول کریم ﷺ نے اپنے دشمنوں کو یہ کہہ کر معاف کر دیا کہ **لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ**[1] اب یہ **لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ** والا سلوک ایک جج نہیں کرسکتا۔ کیونکہ عام عقل یہ کہتی ہے کہ کوئی قوم جو مجرم ہو جب وہ کسی وقت پکڑی جائے تو اُسے سزا دینی چاہیے وگرنہ کل وہ پھر شرارت کرے گی۔ لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم تو مالک ہیں۔ دنیوی حکومتیں اس لئے مجبور ہیں کہ اول تو وہ مالک نہیں۔ دوسرے انہیں پتا نہیں ہوتا کہ کل کو کیا ہو جائے گا۔ اگر آج عفو کر دیا تو ممکن ہے کل شرارت ہو جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم مالک ہیں آج کے دن کے بھی اور جب کل آئے گا تو ہم مالک ہیں کل کے دن کے بھی۔ ہمیں یہ ڈر نہیں کہ کل کو یہ لوگ اپنی شرارت میں کامیاب ہو جائیں گے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب مکہ فتح ہوا تو رسول کریم ﷺ نے اپنے دشمنوں سے فرمایا کہ **لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ**۔ ظاہری عقل نے کہا کہ آپ نے بڑی نادانی کی ہے۔ وہ قوم جو تیرہ سال سے تکالیف دے رہی تھی اور جس کی شرارتیں متواتر چلی آ رہی تھیں آج وہ اتفاقاً قابو آ گئی ہے اور یہ اُسے معاف کر رہے ہیں۔ کل کو اگر پھر انہوں نے شرارت کی تو پھر کیا ہوگا۔ چنانچہ عملی نمونہ بھی

خدا تعالیٰ نے دکھا دیا لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہلوانے والا بھی مالک تھا اس لئے جو خرابیاں اس کے نتیجہ میں عقلی طور پر پیدا ہوسکتی تھیں وہ بھی پیدا نہ ہوئیں۔ چنانچہ بعد میں مکہ والوں کی طرف سے پھر شرارتیں ہوئیں اور مسلمان ایسی جگہ پر پھنس گئے کہ ان کا نکلنا مشکل ہوگیا۔ مکہ کے لوگ شدید دشمن ہوگئے۔ ابوسفیان (یہ ایک اور شخص ہے جو مکہ کا رئیس تھا) بیان کرتے ہیں کہ میں ہر وقت یہ سوچتا رہتا تھا کہ کوئی موقع پیش آئے تو رسول کریم ﷺ کو قتل کردوں۔ ایک دفعہ رسول کریم ﷺ اکیلے مل گئے تو میں نے کہا اب میرا موقع آیا ہے اب میں آپ کو قتل کردوں گا۔ لیکن جب میں رسول کریم ﷺ کے آگے آیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اَور آگے آؤ۔ آپؐ نے میرے سینہ پر ہاتھ رکھا اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ تمہارے دل کو صاف کرے اور تمہارے سینہ سے تمام بغض اور کدورتیں نکال دے۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے اندر ایک تبدیلی پیدا ہوگئی حالانکہ میں گھر سے اِس نیت سے نکلا تھا کہ موقع مل جائے تو رسول کریم ﷺ کو قتل کردوں گا۔ لیکن رسول کریم ﷺ کے میرے سینہ پر ہاتھ رکھ کر یہ فرمانے سے ایک طوفان تھا جو میرے دل میں اٹھا اور میں نے اسلام قبول کرلیا[2]۔

اب دیکھو لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہلوانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ مگر کہلوانے والا کہتا ہے کہ ہم آج بھی مالک ہیں اور کل بھی مالک ہیں۔ اگر پھر یہ قوم شرارت کرے گی تو تب بھی ہمارے ہاتھ سے تو نہیں نکل گئی۔ بعض دفعہ چور مارتے ہیں تو پیچھے سے پولیس گولی چلا دیتی ہے اور بعض لوگ مارے جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ موت کے قائل نہیں ہوتے گولی صرف اس لئے پولیس چلاتی ہے کہ وہ بچ کر نہ نکل جائیں اور ملک والے اُس کے خلاف شورش نہ کردیں۔ اور یہ نامناسب ہے۔ لیکن اگر پولیس بھی مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی قائم مقام ہوتی تو کہتی کیا ہے کل کو وہ پکڑے جائیں گے۔ پھر وہ گولی نہ چلاتی۔ تو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہلوایا اور محمد رسول اللہ ﷺ کی جان کو ظاہری عقل کے ماتحت خطرہ

میں ڈلوا دیا کہ اتنی لمبی لڑائی کے بعد محمد رسول اللہ ﷺ غالب ہوئے، فاتح ہوئے، دشمن کی قوم کو شکست پہنچی، گردنیں نیچی ہوگئیں اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے وہ لوگ ذلیل ہوگئے اور دلوں میں بغض پیدا ہوا کہ اب اگر یہ قابو آ جائیں تو پھر تو نہیں چھوڑیں گے۔ اور آ گئے قابو۔ یہ بھی نہیں کہ قابو نہ آئے تو پھر بھی کہتے کہ اتفاق حسنہ ایسا ہوا کہ قابو نہیں آئے۔ مگر باوجود قابو آنے کے پھر مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ نے چھوڑ دیا اور لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کے حکم کو جائز قرار دے دیا اور ہم نے جو مالکیت کے لحاظ سے معاف اور رحم کیا تھا اس کے جو بداثرات پیدا ہو سکتے تھے ان کا بھی ہم نے ازالہ کر دیا۔'' (الفضل 30 جون 1955ء صفحہ 3، 4)

1: السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 207، 208 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولٰی

2: السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 228 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولٰی میں یہ واقعہ حضرت شیبہ بن عثمان الحجبی رضی اللّٰہ عنہ کے حوالہ سے ملتا ہے۔

رسول کریم ﷺ اعلیٰ درجہ کے طبیب

حضرت مصلح موعود نے 26/اگست 1955ء کو لندن میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''دیکھو رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک صحابی کو اسہال کی شکایت ہوگئی۔ اس کا بھائی رسول کریم ﷺ کے پاس آیا اور اس کی کیفیت بتلائی۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جاؤ اور اسے شہد پلاؤ۔ وہ گیا اور اس نے شہد پلایا مگر اسے اسہال اور زیادہ ہوگئے۔ وہ دوبارہ گھبرا کر رسول کریم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! اس کے اسہال تو اور بھی بڑھ گئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا جاؤ اور اُسے پھر شہد پلاؤ۔ وہ گیا اور اس نے پھر شہد پلایا۔ مگر بجائے فائدہ ہونے کے اس کے اسہال میں اور بھی زیادتی ہوگئی۔ اس پر وہ پھر تیسری دفعہ رسول کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میرے بھائی کے اسہال بہت زیادہ ہوگئے ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ کا یہ قول جھوٹا نہیں کہ اُس نے شہد میں شفا رکھی ہے۔ جاؤ اور اُسے شہد پلاؤ۔ چنانچہ اس نے پھر شہد پلایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک خطرناک قسم کا سُدّا اندر سے نکلا اور اُس کے اسہال دور ہوگئے[1]۔

اب دیکھو جب رسول کریم ﷺ نے یہ فرمایا کہ تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے تو درحقیقت آپؐ نے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ اسہال کی تکلیف میں بعض دفعہ یہ ضروری ہوتا ہے کہ اور اسہال لائے جائیں تا کہ پیٹ صاف ہو جائے اور سدے نکل جائیں۔ چنانچہ ڈاکٹر بھی بعض دفعہ اسہال کے مریض کو مگنیشیا دیتے ہیں تا اُسے اور

اسہال آئیں اور فاسد مادہ نکل جائے۔ پس اگر تمہاری آنکھ یہ کہتی ہو کہ یہ لوگ اسلام قبول نہیں کر سکتے تو تم کہو کہ ہماری آنکھ جھوٹی ہے۔ یہ لوگ یقیناً ایک دن اسلام کو قبول کریں گے۔ کیونکہ ہمارے خدا نے اسلام کو تمام اَدیان پر غالب کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔'' (الفضل 9 دسمبر 1955ء صفحہ 3)

1: بخاری کتاب الطب باب الدواء بالعسل صفحہ 1006 حدیث نمبر 5684 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

مدینہ میں رسول کریم ﷺ کی غیر معمولی کامیابیاں

حضرت مصلح موعود نے 16 ستمبر 1955ء کو کراچی میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''رسول کریم ﷺ کو دیکھ لو! تیرہ سال آپ مکہ میں رہے اور تبلیغ کرتے رہے مگر اس تبلیغ کے نتیجہ میں صرف 80 آدمی آپ پر ایمان لائے۔ اس کے بعد آپ مدینہ تشریف لے گئے تو تھوڑے عرصہ کے بعد ہی ہزاروں لوگ اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ جس طرح بند ٹوٹنے کے بعد سیلاب کا پانی رک نہیں سکتا اسی طرح جب لوگوں میں ایک رو چل جائے تو پھر گروہ در گروہ لوگ سچائی کو قبول کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوتے ہیں اور کوئی مخالفت ان کو پیچھے نہیں ہٹا سکتی۔''

(الفضل 16 اکتوبر 1955ء صفحہ 5)

نبی کریم ﷺ کے متعلق حضرت خدیجہ کی گواہی

حضرت مصلح موعود نے 14 اکتوبر 1955ء کو ربوہ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''اگر جماعت میں حضرت خدیجہؓ جیسی عورتیں ہوں جنہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا تھا کہ كَلَّا وَاللّٰهِ مَايُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِى الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ 1 یعنی آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ خدا تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ آپؐ رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرتے ہیں، بے کس و بے یار و مددگار لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، وہ اخلاق جو دنیا سے مٹ چکے ہیں وہ آپ کی ذات کے ذریعہ دوبارہ قائم ہو رہے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصیبتوں پر لوگوں کی مدد کرتے ہیں تو یہ عارضی مصائب یقیناً دور ہو جائیں اور جماعت کی قربانیوں کا معیار بہت بڑھ جائے۔'' (الفضل 25 نومبر 1955ء صفحہ 3)

1: بخاری کتاب بدء الوحی باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ صفحہ 1 حدیث نمبر 3 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعۃ الثانیۃ

رسول کریم ﷺ کا توکل

حضرت مصلح موعود 20 نومبر 1955ء کو انصار اللہ اور خدام الاحمدیہ کے مشترکہ اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''توکل کے معنے ہوتے ہیں انسان اپنی بات خدا کے سپرد کردے ۔ مگر مسلمانوں میں اس لفظ کا بڑا غلط استعمال ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ کے سپرد کرنے کے تو یہ معنی تھے کہ انسان خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے قاعدہ کے مطابق چلے ۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ہاتھ پیر بھی دیئے ہیں ، اللہ تعالیٰ نے ہمیں دماغ بھی دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں بعض دنیوی سامان بھی دیئے ہیں ۔ ایسی صورت میں خدا کے سپرد کرنے کے یہی معنی ہیں کہ جو کچھ خدا نے جس کام کے لئے دیا ہے اس کو ہم استعمال کریں ۔ پس توکل کا پہلا مقام یہ ہے کہ جو کچھ خدا تعالیٰ نے ہم کو دیا ہے جسمانی ہو یا مالی ہو یا اخلاقی ہو اس کو ہم زیادہ سے زیادہ استعمال کریں ۔ اس کے بعد جو کمی رہ جائے وہ خدا کے سپرد کردیں اور یقین رکھیں کہ خدا اس کمی کو ضرور پورا کردے گا ۔ جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا۔ آپ نے بدر کے موقع پر صحابہؓ کی ایک ترتیب قائم کی ۔ ان کو اپنی اپنی جگہوں پر کھڑا کیا ۔ انہیں نصیحتیں کیں کہ یوں لڑنا ہے اور اس کے بعد ایک عرشہ پر بیٹھ کر دعائیں کرنے لگ گئے ۔1 یہ نہیں کیا کہ صحابہؓ کو مدینہ میں چھوڑ جاتے اور بیٹھ کر دعائیں کرنے لگ جاتے بلکہ پہلے صحابہؓ کو لے کر مقام جنگ پر پہنچے، پھر ان کو ترتیب دی اور ان کو نصیحتیں کیں کہ یوں لڑنا ہے اس کے بعد عرشہ پر بیٹھ گئے اور دعائیں کرنی شروع کردیں ۔ یہ توکل ہے ۔ ہر وہ شخص

جوان سامانوں سے کام نہیں لیتا جو خدا تعالیٰ نے اس کو بخشے ہیں اور کہتا ہے میں خدا پر چھوڑتا ہوں وہ جھوٹا ہے، وہ خدا سے تمسخر کرتا ہے۔ اور ہر وہ شخص جو سامانوں سے کام لیتا ہے اور کہتا ہے اب یہ کام میں کروں گا وہ بھی جھوٹا ہے وہ خدا پر اعتبار نہیں کرتا۔ کام آسان ہوں یا مشکل آخر ان کی کنجی خدا کے اختیار میں ہے۔ میں سارے یورپ میں پھرا۔ ہر جگہ میں ڈاکٹروں سے یہی پوچھتا تھا کہ بتاؤ مجھے یہ دورہ کیوں ہوا؟ مگر کوئی جواب نہیں دے سکا۔ ڈاکٹر یہی کہتے تھے کہ آخر کچھ قدرت کے بھی تو سامان ہوتے ہیں۔ ہم ڈاکٹری طور پر آپ کو نہیں بتا سکتے کہ یہ بیماری آپ کو کیوں ہوئی۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ قدرت نے بھی کچھ باتیں اپنے ہاتھ میں رکھی ہوئی ہیں۔ کوئی چیز ایسی آ گئی کہ اس کی وجہ سے آپ کو یہ دورہ ہو گیا تو توکل کا مفہوم یہ ہے کہ جہاں تک خدا نے تم کو طاقتیں دی ہیں ان کو پورا استعمال کرو بلکہ ایک دنیا دار سے بھی زیادہ استعمال کرو۔ اور اس کے بعد صوفی سے زیادہ خدا پر اعتبار کرو اور یہ کہو کہ جو کمی رہ گئی وہ خدا پوری کرے گا اور چاہے انتہائی مایوسی کا عالم ہو پھر بھی ڈٹ کے بیٹھ جاؤ کہ نہیں میرا خدا مجھے نہیں چھوڑے گا۔ جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غارِ ثور میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا2 ہمارا کام یہ تھا کہ دشمن کو دھوکا دے کر وہاں سے نکل آتے سو نکل آئے۔ اب دشمن ہمارے سر پر آ پہنچا ہے۔ اب یہ خدا کا کام ہے کہ وہ ہمیں بچائے۔ سو لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ڈرنے کی کوئی بات نہیں خدا ہمارے ساتھ ہے۔ یہ ہے توکل۔ پورے سامان استعمال کرو اور اس کے بعد خدا پر پورا یقین رکھو اور چاہے کچھ بھی ہو جائے یہ سمجھ لو کہ خدا ہمیں نہیں چھوڑے گا۔ جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم احتیاطیں کرتے تھے۔ صحابہؓ بھی آپ کے پہرے دیتے تھے۔ ایک دن ایک دشمن چھپ کر آپ کے سر پر آ کھڑا ہوا۔ آپ کی ہی تلوار کہیں لٹکی ہوئی تھی اس نے وہ اٹھا لی اور اٹھا کر کہنے لگا اب بتاؤ کون آپ کو مجھ سے بچا سکتا ہے؟

آپ نے فرمایا اللہ 3۔ ایسے توکل کے ساتھ آپ نے یہ بات کہی کہ اس کے ہاتھ کانپ گئے اور تلوار گر گئی۔ سو یہ ہے توکل۔ اگر تم اس توکل پر قائم رہو اور ہمیشہ اپنے دوستوں کو اور اپنی نسلوں کو اس پر قائم رکھتے جاؤ تو قیامت تک کوئی شخص تم پر انشاء اللہ غالب نہیں آئے گا۔ بلکہ ہمیشہ تم ہی دشمن پر غالب آجاؤ گے کیونکہ خدا تمہارے ساتھ ہوگا۔'' (الفضل 4 مارچ 1956ء صفحہ 3، 4)

1: السیرۃ النبویۃ لابن ھشام جلد 1 صفحہ 681 مطبوعہ دمشق 2007ء

2: بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب مناقب المھاجرین و فضلھم صفحہ 613 حدیث نمبر 3653 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعۃ الثانیۃ

3: مسلم کتاب الفضائل باب توکلہ علی اللّٰہ تعالٰی صفحہ 1011 حدیث نمبر 5950 مطبوعہ ریاض 2000ء الطبعۃ الثانیۃ

رسول کریم ﷺ غیر معمولی نصرت الٰہی کے مورد

حضرت مصلح موعود نے 25 نومبر 1955ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے آگے اور پیچھے فرشتوں کا ایک لشکر ہوتا تھا1۔ اور فرشتوں کے آپؐ کے آگے پیچھے ہونے کے یہی معنے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ خدا تعالیٰ کی صفات کو ظاہر کرنے والے ہو گئے تھے۔ اور فرشتے چونکہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے وجود ہیں اس لیے وہ رسول کریم ﷺ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے تا دیکھیں کہ خدا تعالیٰ کا منشا کیا ہے۔ جب محمد رسول اللہ ﷺ کوئی کام کرتے تو وہ سمجھتے کہ یہی خدا تعالیٰ کا منشا ہے اور وہ بھی وہی کام کرنے لگ جاتے۔ اور جب محمد رسول اللہ ﷺ کسی کام سے رک جاتے تو فرشتے سمجھتے کہ خدا تعالیٰ کا یہ منشا نہیں کہ یہ کام کیا جائے اس لیے وہ بھی اُس کام سے رک جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى 2 جب محمد رسول اللہ ﷺ نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کے پھینکی تو فرشتوں نے آپ کو دیکھ کر کہا اب خدا تعالیٰ کنکریاں پھینک رہا ہے ہمیں بھی کنکریاں پھینکنی چاہئیں چنانچہ وہ سب کنکریاں پھینکنے لگ گئے۔ اب وہ کنکریاں صرف ایک مٹھی بھر نہیں تھیں جو رسول کریم ﷺ نے پھینکی تھیں بلکہ فرشتوں کی مٹھیاں آپ کے ساتھ چل پڑیں۔ ایک مٹھی میں آخر زیادہ سے زیادہ ہزار کنکر ہوں گے پھر ان کنکروں نے آگے پھیلنا بھی تھا اس لیے ممکن تھا کہ وہ کنکر کسی شخص کو لگتے اور کسی کو نہ لگتے۔ پس وہ پتھر سب مشرکین کو نہیں لگ سکتے تھے۔ مگر جب فرشتے بھی آپ کے ساتھ کنکر پھینکنے لگ گئے تو اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ سارے

دشمن زخمی ہو گئے اور وہ مرعوب ہو کر میدان سے بھاگ گئے۔‘‘

(الفضل 22 دسمبر 1955ء صفحہ 4)

1: الرعد: 12

2: الانفال: 18

رسول کریم ﷺ پر نازل ہونے والی وحی

حضرت مصلح موعود نے 16 دسمبر 1955ء کو ربوہ میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''غرض اس طرح اللہ تعالیٰ کے فرشتے جنہیں خدا تعالیٰ کسی خاص چیز کا علم دے دیتا ہے آتے ہیں اور دنیا میں بعض انسانوں کو خدا تعالیٰ کے اشارہ سے کسی چیز کے متعلق کچھ بتا دیتے ہیں۔ لیکن پھر بھی شرعی وحی اور غیر شرعی وظلی وحی میں ایک فرق ہوتا ہے۔ اور وہ فرق یہ ہے کہ ہر شرعی وحی نبی کے قلب پر بھی نازل ہوتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ 1 یعنی یہ وحی جو رب العٰلمین کی طرف سے نازل ہوئی ہے اسے روح الامین نے تیرے قلب پر نازل کیا ہے۔ چونکہ اس وحی کے متعلق یہ حکم ہوتا ہے کہ اس پر اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ کہو۔ اس لیے یہ قلب پر نازل ہوتی ہے اور جوں جوں نازل ہوتی ہے وہ دلوں کو مضبوط کرتی چلی جاتی ہے۔ دوسری وحی سے کوئی فائدہ اٹھاتا ہے تو اٹھا لیتا ہے اور اگر فائدہ نہ اٹھائے تو اُس کی مرضی ہوتی ہے۔

کئی لوگوں نے آیت سے غلطی کھائی ہے خصوصاً بہائیوں کو اس سے غلطی لگی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جو خیال دل میں آجائے وہ وحی ہوتا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم اور احادیث سے پتا لگتا ہے کہ وحی زبان پر بھی نازل ہوتی ہے 2۔ مثلاً قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ رسول کریم ﷺ کو فرماتا ہے لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ 3۔ کہ تُو زبان کو جلدی جلدی حرکت نہ دیا کر۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ وحی زبان پر بھی نازل

ہوتی ہے۔ اصل میں یہ دوہری وحی ہوتی ہے۔ یہ وحی زبان پر بھی نازل ہوتی ہے اور دل پر بھی اس کا نزول ہوتا ہے تا کہ وہ مضبوط ہو جائے۔ لیکن دوسروں کو جو وحی ہوتی ہے وہ بروزی اور ظلّی طور پر ہوتی ہے۔ اس قسم کی ہر وحی قلب پر نازل نہیں ہوتی ہے وہ بعض دفعہ کان پر نازل ہوتی ہے۔ مثلاً انسان ایک کلام سنتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے یہ الہام ہوا ہے۔ یا اُس کی زبان پر کچھ الفاظ جاری ہو جاتے ہیں اور وہ کہتا ہے مجھے الہام ہوا ہے یا یہ کلام میری زبان پر جاری ہوا ہے۔ مگر تشریعی انبیا کی جو وحی ہوتی ہے یا بعض اوقات ظلی اور بروزی انبیا کی وحی بھی صرف کان اور زبان پر ہی نازل نہیں ہوتی بلکہ وہ ایک ہی وقت میں کان یا زبان اور اس کے ساتھ قلب پر بھی نازل ہوتی ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ تین جگہ نازل ہوتی ہے۔ ایک تو وہ زبان یا کان پر نازل ہوتی ہے۔ دوسرے وہ قلب پر نازل ہوتی ہے اور تیسرے وہ دماغ پر نازل ہوتی ہے۔ جیسے قرآن کریم میں آتا ہے کہ یہ وحی کتابِ مکنون[4] میں ہے۔ یعنی یہ وحی ایک طرف تو اس قرآن میں نازل کی گئی ہے اور دوسری طرف اسے انسانی فطرت کے اندر رکھ دیا گیا ہے۔ پس تشریعی انبیا کی وحی زبان یا دل پر نازل ہونے کے علاوہ قلب پر بھی نازل ہوتی ہے اور میخ کی طرح دل میں گڑ جاتی ہے۔

میں پہلے بھی یہ واقعہ سنا چکا ہوں کہ گزشتہ عید کے دن انگلینڈ کے ایک ادیب ڈسمنڈ شا نے جو وہاں کے بہترین ادیبوں میں شمار ہوتا ہے ایک تقریر کی جس میں اُس نے بتایا کہ محمد رسول اللہ ﷺ سب سے بڑے امن پسند نبی تھے مگر سارے لوگ آپؐ کو سب سے بڑا امن پسند نبی نہیں مانتے۔ بلکہ افسوس ہے کہ خود آپ کے متبع تھوڑے تھوڑے اختلاف پر آپس میں ایک دوسرے کی گردن کاٹنے لگ جاتے ہیں۔ (اُس کا ہماری طرف اشارہ تھا) حالانکہ آپؐ سب سے بڑے امن پسند نبی تھے۔ اس تقریر کے موقع پر بہت سے انگریز بھی موجود تھے۔ ڈسمنڈ شا نے کہا میرے عیسائی دوست جو اس وقت یہاں بیٹھے ہیں کہیں گے کہ تم تو عیسائی ہو پھر تم یہ کیا بات کہہ رہے ہو؟ لیکن میں

یہ بات کہنے پر مجبور ہوں کیونکہ میں نے اسلام کا بڑا مطالعہ کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ سے زیادہ امن پسند نبی کوئی نہیں تھا۔اس نے پھر کہا کہ لوگ کہیں گے کہ تُو تو عیسائی ہے پھر تیرا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا خیال ہے؟ میں کہوں گا کہ بے شک عیسیٰ علیہ السلام بھی امن پسند نبی تھے لیکن وہ محمد رسول اللہ (ﷺ) سے دوسرے درجہ پر ہیں۔تقریر کے بعد سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ میں بھی اپنے مکان کی طرف جو قریب ہی تھا جانے کے لیے چل پڑا۔ میں اپنے مکان کی طرف جا رہا تھا کہ میں نے اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ سنی۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ڈسمنڈ شا آ رہا تھا۔ میں نے کہا ڈسمنڈ شا! تقریر تو ختم ہو چکی ہے اور لوگ اپنے گھروں کو واپس چلے گئے ہیں لیکن آپ میرے پیچھے آ رہے ہیں وہ کہنے لگا میرے دل میں ایک خیال آیا تھا جس کی وجہ سے میں مجبور ہو گیا تھا کہ آپ کے پیچھے پیچھے آؤں۔اس نے کہا میں آپ سے اس بات کا ذکر کرنے آیا تھا کہ جب میں اپنی تقریر میں یہ کہہ رہا ہوتا ہوں کہ محمد رسول اللہ (ﷺ) سب سے بڑے امن پسند نبی تھے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ خدا میری زبان سے بول رہا ہے۔لیکن پھر بھی لوگ اس بات کو مانتے نہیں۔ حالانکہ میں سمجھ رہا ہوتا ہوں کہ خدا میری زبان سے بول رہا ہے۔ میں نے کہا ڈسمنڈ شا !اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ جب کوئی بات منوانا چاہتا ہے تو وہ اُسے انسان کے دل پر نازل کیا کرتا ہے۔تمہاری زبان پر خدا بولتا ہے تو وہ بات لوگوں کے کانوں میں جاتی ہے اُن کے دل کے اندر داخل نہیں ہوتی۔لیکن جب خدا اُن کے دل میں بولے گا تو وہ سارے ماننے لگ جائیں گے۔اس پر وہ ہنس پڑا اور کہنے لگا ہاں یہ بات ٹھیک ہے۔ خدا میری زبان سے بولتا ہے اور پھر وہ بات دوسرے لوگ میرے واسطہ سے سنتے ہیں اس لیے اُن پر اثر نہیں ہوتا۔ اگر وہ ان کے دل میں بولے تو وہ ضرور ماننے لگ جائیں۔

یہ وہی حقیقت ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے نَزَلَ

بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ 5 یعنی چونکہ یہ وحی تیرے قلب پر نازل ہوتی ہے اس لیے تیرے اندر اس وحی کے متعلق غیر معمولی استقامت پائی جاتی ہے اور تُو کہتا ہے کہ اگر تم سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر بھی لا کر رکھ دو اور پھر مجھ سے کہو کہ میں خدائے واحد کی توحید کی اشاعت کرنے سے رک جاؤں تو میں ایسا نہیں کروں گا کیونکہ خدا تعالیٰ کی وحی میرے دل پر نازل ہوئی ہے۔ اگر وہ میرے قلب پر نازل نہ ہوتی تو میں تمہاری باتوں کو بھی سنتا۔ لیکن اب یہ سوال باقی نہیں رہا کہ میں تمہاری بات بھی سنوں کیونکہ خدا تعالیٰ نے میرے دل پر اپنی وحی نازل کی ہے اور میرے دل میں آہنی میخ کی طرح توحید کا عقیدہ راسخ کر دیا ہے۔ بہرحال جیسا کہ میں نے بتایا ہے بعض لوگوں نے اس آیت سے دھوکا کھایا ہے اور وہ یہ سمجھنے لگ گئے ہیں کہ جو خیال دل میں پیدا ہو وہ وحی ہوتی ہے حالانکہ وحی زبان اور کان پر نازل ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کا قلب پر بھی نزول ہوتا ہے تا کہ اس کی تائید ہو جائے۔

پھر اگر قرآن کریم میں صرف یہی آیت ہوتی کہ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ تو ہمیں دھوکا لگ سکتا تھا۔ لیکن اس کے علاوہ اَور بھی بعض آیات قرآن کریم میں آتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی کان اور زبان پر بھی نازل ہوتی ہے۔ مثلاً جیسا کہ میں نے پہلے بھی بتایا ہے کہ ایک آیت تو یہی ہے کہ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ کہ تُو جلدی جلدی اپنی زبان نہ ہلا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لسان پر بھی وحی نازل ہوتی ہے۔ پھر حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ بعض اوقات وحی صِلْصِلَةُ الْجَرَس کی طرح آتی ہے۔6 اور صِلْصِلَةُ الْجَرَس یعنی گھنٹی کی آواز کو کان کے ذریعہ سنا جاتا ہے۔ اسی طرح آپ فرماتے ہیں وَاَحْيَاناً يَتَمَثَّلُ لِيَ الْمَلَكُ رَجُلاً فَيُكَلِّمُنِيْ فَاَعِيْ مَا يَقُوْلُ۔7 کہ کبھی فرشتہ آدمی کی شکل میں متمثل ہو کے میرے پاس آجاتا ہے اور وہ مجھ سے کلام کرتا ہے اور میں اُس کی باتوں کو یاد کر لیتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی زبان اور کان پر بھی نازل ہوتی ہے

لیکن ساتھ ہی اس کا دل پر بھی نزول ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ شخص جس پر وحی نازل ہوتی ہے سب سے بڑا مومن ہو جاتا ہے کیونکہ اُس کے کانوں اور زبان کے ساتھ ساتھ اُس کے دل پر بھی وحی کا نزول ہوتا ہے۔ اور چونکہ سارے عقائد اور خیالات دل سے ہی پیدا ہوتے ہیں اس لیے اگر دل پر وحی نازل ہوگئی تو یہ ساری چیزیں آپ ہی درست ہو جاتی ہیں۔'' (الفضل 3 جنوری 1956ء صفحہ 4، 5)

1: الشعراء: 193 تا 195

2: بخاری کتاب بدء الوحی باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللّٰہ ﷺ صفحہ 2 حدیث نمبر 5 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

3: القیٰمة: 17

4: الواقعة: 78، 79

5: الشعراء: 194، 195

6، 7: بخاری کتاب بدء الوحی باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللّٰہ ﷺ صفحہ 1 حدیث نمبر 2 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

مالی قربانی سے متعلق رسول کریم ﷺ کی ایک وضاحت

حضرت مصلح موعود نے 28 دسمبر 1955ء کو جلسہ سالانہ ربوہ کے موقع پر سیر روحانی پر نواں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

''حدیثوں میں آتا ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے وصیت کرنی چاہی اور کہا کہ میں اپنا سارا مال غریبوں کو دیتا ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سارا مال غریبوں کو دے دینا اچھا نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ تیرے بچے تیرے بعد لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ کچھ ان کے لئے بھی رکھو اور کچھ اپنے وارثوں کے لئے بھی رکھو تا کہ وہ بھی عزت سے گزارہ کریں[1]۔'' (سیر روحانی جلد سوم صفحہ 74 ناشر الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ)

1: بخاری کتاب الفرائض باب میراث البنات صفحہ 1162، 1163 حدیث نمبر 6733 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

عالم روحانی کے سب سے بڑے سمندر

حضرت مصلح موعود جلسہ سالانہ ربوہ کے خطاب فرمودہ 28 دسمبر 1955ء میں فرماتے ہیں:۔

''عالم روحانی کے سب سے بڑے سمندر تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مگر ان سے آگے دنیا میں کئی قسم کی روحانی نہریں جاری ہوئیں۔ چنانچہ دیکھ لو ایک نہر شریعت کی چلی۔ پھر اسی نہر میں سے ایک حنفی نہر نکلی، ایک شافعی نہر نکلی، ایک مالکی نہر نکلی، ایک حنبلی نہر نکلی۔ یہ مختلف قسم کی نہریں ہیں جو شریعت کی نہر میں سے جاری ہوئیں۔ پھر ایک شیعوں کی نہر جاری ہوئی، ایک سنیوں کی نہر جاری ہوئی، ایک خارجیوں کی نہر جاری ہوئی اور ان کے ذریعہ سے شریعت کے مختلف پہلو زیر بحث آتے رہے۔ پھر ایک تصوف کی نہر چلی، ایک فلسفۂ شریعت کی نہر چلی جس کے بہت بڑے بانی ہمارے شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور امام ابن تیمیہؒ تھے اور آخر میں سب سے زیادہ اہم کام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا۔ پھر سیاست کی ایک نہر چلی جو حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے شروع ہوئی اور پھر وہ آگے نکلتی چلی گئی۔ اور اس طرح یہ روحانی سلسلہ جو سیاست مذہبی اور فلسفۂ مذہبی اور احکام شریعت کی حکمتوں اور ان کی ضرورتوں کے ساتھ تعلق رکھتا تھا دنیا میں وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ پھر اخلاق فاضلہ کی ایک نہر جاری ہوئی جسے امام غزالیؒ نے اور بھی لمبا کیا اور اس سے زمین کو سیراب کیا۔ اسی طرح تصوف میں جنیدؒ، شبلیؒ، حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ، بہاؤالدین صاحب نقشبندیؒ،

شہاب الدین صاحب سہروردیؒ وغیرہ جیسے عظیم الشان لوگ گزرے اور پھر یہ ساری نہریں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں آکر مدغم ہوگئیں اور پھر ایک نئی نہر دنیا میں چل پڑی اور آپ کے ذریعہ سے پرانی روحانی نہریں بھی جاری رہیں۔ پرانے زمانہ کے بادشاہوں نے جتنی نہریں بنائی تھیں وہ سب کی سب ختم ہوگئیں لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہر اب تک چلی جارہی ہے۔

دنیوی اور روحانی نہروں میں بعض نمایاں فرق

اب دیکھو دنیا کی نہریں تو خشک ہو جاتی ہیں مگر یہ نہریں وہ ہیں جو خشک نہیں ہوتیں۔ دنیوی نہروں سے جسمانی غلہ پکتا ہے مگر ان سے تقویٰ کا دانہ پکتا ہے۔ دنیوی نہروں کا تیار کردہ غلہ ایک وقت کام آتا ہے اور پھر سڑ جاتا ہے مگر یہ وہ نہر ہے جس کا غلہ ابدالآباد تک کام آتا ہے۔ فرماتا ہے اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ۚ وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ اَمَلًا[1] یعنی دنیا کی نہروں کے مال اور اس سے پیدا کئے ہوئے غلے اور نسل انسانی کے افراد صرف دنیا میں کام آتے ہیں آخرت میں کام نہیں آتے۔ مگر جو قرآنی نہر سے پکا ہوا غلہ ہے وہ قیامت تک کام آتا چلا جائے گا۔ حضرت مسیح ناصریؑ نے بھی کہا ہے کہ اس دنیا کے خزانہ کو کیڑا کھا جاتا ہے مگر آسمان کا خزانہ محفوظ ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

''اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں بلکہ اپنے لئے آسمان پر مال جمع کرو جہاں نہ کیڑا خراب کرتا ہے نہ زنگ اور نہ وہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں۔''[2]

غرض وہ مال جو اس پانی سے پیدا ہوتا ہے اور وہ بیٹے جو اس مال کو کھا کر بڑھتے ہیں اسی دنیا میں ختم ہو جاتے ہیں۔ لیکن وہ چیزیں (اَلْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ) جو قرآنی نہر سے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چلائی ہوئی نہر سے پلتے ہیں وہ

قیامت تک زندہ رہتے ہیں اور ابدی زندگی پاتے ہیں۔ کیونکہ مومن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نہر کا پھل ہے اور مومن کو ابدی زندگی کا وعدہ ہے۔ اس لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہر کا پیدا کیا ہوا پھل قیامت تک چلے گا اور وہ کبھی خراب نہیں ہوگا۔

دیکھو! ابوجہل کے مال نے جو مادی پانی سے حاصل ہوا تھا جو کچھ پیدا کیا وہ ختم ہوگیا مگر جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پانی سے پیدا ہوا وہ ابدی زندگی پا گیا۔

عمرؓ کا واقعہ دیکھو کیسی سنگلاخ زمین تھی مگر پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیر سے اس میں سے کیسی نہر چلی بلکہ اس سے پہلے ابوبکری نہر چلی، پھر عمرؓ کی نہر چلی، پھر عثمانی نہر چلی، پھر علوی نہر چلی۔ پھر اس سے آگے قادری، چشتی، نقشبندی اور سہروردی نہریں جاری ہوئیں۔ سید عبدالقادر جیلانیؒ، مولانا رومؒ، ابراہیم ادھمؒ، امام غزالیؒ، حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ، حضرت داتا گنج بخشؒ، حضرت بختیار کاکیؒ، حضرت فرید الدین صاحب شکر گنجؒ، حضرت نظام الدین صاحب اولیاءؒ، حضرت خواجہ سلیم چشتیؒ، حضرت سید احمد صاحب سرہندیؒ، حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحبؒ، حضرت خواجہ میر درد صاحبؒ، حضرت سید احمد صاحب بریلویؒ اور آخر میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نہر بھی اسی نہر میں سے نکلی ہوئی نہریں تھیں۔ بتاؤ وہ اور کونسی نہر ہے جو اتنے زمانہ تک اور اتنے ملکوں میں پھیلی ہو۔ کوئی نہر دو سو میل چلتی ہے، کوئی چار سو، کوئی سو سال چلتی ہے، کوئی ڈیڑھ سو سال مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی نہر عرب سے نکلی اور شمال میں بڑھتے ہوئے قسطنطنیہ سے ہوتے ہوئے پولینڈ تک چلی گئی۔ دوسری طرف یورپ میں سے ہوتے ہوئے سسلی تک جا پہنچی۔ مغرب میں مصر سے ہوتے ہوئے تیونس، مراکش، الجیریا اور سپین تک چلی گئی۔ پھر سیرالیون، گولڈ کوسٹ اور نائیجیریا تک چلی گئی۔ مشرق میں

ایران ، بخارا، چین ، ہندوستان اور برما تک چلی گئی۔جنوب میں انڈونیشیا اور فلپائن تک چلی گئی۔دوسری نہریں خشکی تک چلتی ہیں اور آگے بند ہوجاتی ہیں سمندر آیا اور نہر ختم۔مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہر سمندر بھی پار کرگئی اور پھر اگلی خشکی میں جاری ہوگئی۔ یہ نہر عرب سے آئی مگر عرب پر ختم نہیں ہوگئی بلکہ بحیرہ عرب کو بھی کود کر گزر گئی اور ہندوستان میں آ گئی، ہندوستان سے چلی اور ہمالیہ پہاڑ پر جا کر ختم نہیں ہوگئی جیسا کہ دنیوی نہریں پہاڑ سے نکلتی ہیں اور خشکی میں جا کر ختم ہوجاتی ہیں۔ مگر یہ نہر آئی اور ہمالیہ پہاڑ کو بھی پھاند کر پرے چلی گئی اور اوپر جا کر سنکیانگ وغیرہ کے علاقوں تک میں اسلام کو پھیلا دیا۔''

(سیر روحانی جلد سوم صفحہ 76 تا 79 ناشر الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ)

1: الکھف: 47

2: متی باب 6 آیت 19، 20، کتاب مقدس صفحہ 929 پاکستان بائبل سوسائٹی مطبوعہ لاہور 2011ء

حق کھلنے پر اہل مدینہ کا ردعمل

حضرت مصلح موعود نے 6 جنوری 1956ء کو رتن باغ لاہور میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''دیکھو! مدینہ کے لوگ مکہ آتے تھے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ انہیں ملنے کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ اُن میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن پر آپ کی باتوں کا اثر ہوا اور انہوں نے واپس جا کر اپنے شہر والوں سے ان باتوں کا ذکر کیا۔ چنانچہ اگلے سال اور زیادہ تعداد میں مدینہ کے لوگ مکہ آئے۔ وہ مکہ کی گلیوں میں پھرتے رہے۔ مکہ والوں نے انہیں دھوکا میں رکھنا چاہا اور حقیقت پر کئی پردے ڈالے لیکن آخر انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کر ہی لیا۔ آپؐ نے اُن سے باتیں کیں اور ان باتوں کے نتیجہ میں مدینہ والوں نے حق کو قبول کر لیا لیکن پہلی دفعہ یہی فیصلہ ہوا تھا کہ شہر سے باہر نکل کر کسی علیحدہ جگہ میں ملاقات کی جائے کیونکہ وہ لوگ ڈرتے تھے کہ کہیں مکہ والے اُن کی مخالفت نہ کریں لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے باتیں کیں اور اُن پر حق کُھل گیا تو انہوں نے بلند آواز سے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اتنی بلند آواز سے نعرہ تکبیر کہا ہے کہ ممکن ہے مکہ والوں کو پتا لگ جائے کہ تم کس نیت سے یہاں آئے ہو۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! جب تک ہمیں حقیقت کا صحیح طور پر پتا نہیں تھا اُس وقت تک ہم بھی اسے چھپانے کی کوشش کرتے تھے لیکن اب جبکہ حقیقت ہم پر واضح ہو گئی ہے ہم اسے چھپا نہیں سکتے[1]۔ پس جب انسان کے اندر صداقت کے معلوم کرنے

کی لگن پیدا ہو جاتی ہے تو وہ آپ ہی آپ صداقت معلوم کرتا رہتا ہے۔''

(الفضل 28 جنوری 1956ء صفحہ 3، 4)

1: السیرۃ الحلبیۃ الجزء الثانی صفحہ 173، 174 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولیٰ (مفہوماً)

رسول کریم ﷺ کا عدل و انصاف

حضرت مصلح موعود نے 23 مارچ 1956ء کو ربوہ میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بھی صحابہؓ سے بعض غلطیاں ہوئیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب بھی ان کا علم ہوا آپؐ نے فوراً ان کا تدارک کر دیا۔ مثلاً ایک دفعہ آپ نے کچھ صحابہؓ کو باہر خبر رسانی کے لیے بھجوایا۔ دشمن کے کچھ آدمی اُن کو حرم کی حد میں مل گئے۔ صحابہؓ نے اس خیال سے کہ اگر ہم نے ان کو زندہ چھوڑ دیا تو یہ جا کر مکہ والوں کو خبر دیں گے اور ہم مارے جائیں گے اُن پر حملہ کر دیا اور اُن میں سے ایک شخص لڑائی میں مارا گیا۔ جب یہ خبریں دریافت کرنے والا قافلہ مدینہ واپس آیا تو پیچھے پیچھے مکہ والوں کی طرف سے بھی ایک وفد شکایت لے کر آ گیا کہ انہوں نے حرم کے اندر ایک آدمی مار دیا ہے۔ جو لوگ حرم کے اندر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ظلم کرتے رہتے تھے اُن کو جواب تو یہ ملنا چاہیے تھا کہ تم نے کب حرم کا احترام کیا ہے کہ تم ہم سے حرم کے احترام کا مطالبہ کرتے ہو۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جواب نہ دیا بلکہ فرمایا ہاں بے انصافی ہوئی ہے کیونکہ ممکن ہے اس خیال سے کہ حرم میں وہ محفوظ ہیں انہوں نے اپنے بچاؤ کی پوری کوشش نہ کی ہو اس لیے آپ لوگوں کو خون بہا دیا جائے گا۔ چنانچہ آپ نے قتل کا وہ فدیہ جس کا عربوں میں رواج تھا اُن کے ورثاء کو ادا کیا[1]۔

اسی طرح ایک دفعہ میدانِ جنگ میں آپؐ نے ایک عورت کی لاش دیکھی تو آپؐ

کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آپؐ نے فرمایا یہ بہت بری بات ہے۔ ایک صحابی کہتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس وقت ایسی ناراضگی کی حالت میں تھے کہ میں نے کبھی آپ کو ایسی حالت میں نہیں دیکھا2۔

اسی طرح ایک اور واقعہ ہوا۔ لڑائی ہو رہی تھی کہ کفار میں سے ایک شخص نے بلند آواز سے کہہ دیا کہ میں صابی بنتا ہوں۔ اُس زمانہ میں مسلمانوں کو عام طور پر صابی کہا جاتا تھا جیسے بعض لوگ ہمیں قادیانی کہتے ہیں۔ اب اگر کوئی ناواقف شخص وفاتِ مسیح کا مسئلہ سمجھ کر احمدیت اختیار کر لے اور کہے کہ میں قادیانی ہو گیا ہوں تو ہم اُسے یہ نہیں کہہ سکتے کہ تو ہماری جماعت میں سے نہیں۔ مگر ایک صحابی نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور اُسے قتل کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ اُس صحابی پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا جب اُس نے توبہ کر لی تھی تو تم نے اُسے کیوں قتل کیا۔ اُس صحابی نے عرض کیا یَارَسُولَ اللّٰہ! وہ شخص ڈر کے مارے اسلام کا اظہار کر رہا تھا۔ ورنہ حقیقتاً وہ مسلمان نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا کیا تُو نے اُس کا سینہ پھاڑ کر دیکھ لیا تھا کہ وہ ڈر کے مارے اسلام کا اظہار کر رہا ہے؟ وہ صحابی کہتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی کا مجھ پر اس قدر اثر ہوا کہ میں نے خواہش کی کہ کاش! میں آج مسلمان ہوا ہوتا، تا میرے سارے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے3۔‘‘ (الفضل 13 اپریل 1956ء صفحہ 3، 4)

1: ترمذی ابواب الدیات باب ماجاء فی حکم ولی القتیل فی القصاص والعفو صفحہ 340 حدیث نمبر 1406، 1407 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعۃ الاولٰی

2: بخاری کتاب الجهاد باب قتل الصبیان فی الحرب صفحہ 498 حدیث نمبر 3014 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعۃ الثانیۃ

3: مسلم کتاب الایمان باب تحریم قتل الکافر بعد قوله لا اله الا اللّٰه صفحہ 56 حدیث نمبر 277 مطبوعہ ریاض 2000ء الطبعۃ الثانیۃ

عیسائی مصنف کارلائل کا نبی کریم ﷺ کی عظمت کا اعتراف

حضرت مصلح موعود نے خطبہ جمعہ 23 مارچ 1956ء میں فرمایا:۔

''ایک مشہور عیسائی مصنف کارلائل نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اُس نے دنیا کے مشہور آدمیوں کا ذکر کیا ہے جن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی شامل ہے۔ اس کتاب میں وہ ایک جگہ لکھتا ہے عیسائی مصنف اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعویٰ کیا تھا تو اُس وقت آپ اکیلے تھے اور پھر آہستہ آہستہ لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ پس سوال یہ ہے کہ جن لوگوں نے بعد میں اسلام کے لیے تلوار چلائی انہیں کس تلوار سے اسلام کی طرف کھینچا گیا تھا؟ اُن لوگوں کو صرف دلائل اور براہین سے ہی اسلام کی طرف مائل کیا گیا تھا۔ پھر جب بڑے بڑے لوگوں کو دلائل اور براہین سے اسلام میں داخل کیا گیا تھا تو کمزور اور ادنیٰ لوگوں کو دلائل اور براہین سے کیوں داخل نہیں کیا جا سکتا تھا۔'' (الفضل 13 اپریل 1956ء صفحہ 4)

رسول کریم ﷺ کے اخلاق فاضلہ کے اپنوں اور غیروں پر اثرات

حضرت مصلح موعود نے 23 مارچ 1956ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

’’زیدؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے اور ان کے والد اور دوسرے رشتہ دار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے درخواست کی کہ آپ زید کو آزاد کر دیں تو وہ ہمارے ساتھ چلا جائے۔ آپؐ نے مکہ کے دستور کے مطابق خانہ کعبہ میں جا کر اعلان فرما دیا کہ میں نے زید کو آزاد کر دیا ہے اور وہ اب جہاں چاہے جا سکتا ہے۔ اس پر حضرت زیدؓ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا آپؐ نے تو مجھے آزاد کر دیا ہے لیکن میں آپ سے علیحدہ نہیں ہو سکتا بلکہ ہمیشہ آپ کی غلامی میں ہی رہوں گا1۔

اس طرح فقہاء نے بھی اس مسئلہ پر بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ غلام کو یہ حق حاصل ہے کہ جب اُس کا مالک اُسے آزاد کرنا چاہے تو وہ آزادی قبول کرنے سے انکار کر دے۔ مثلاً ایک ایسا غلام جس کا مالک اُس پر ہزاروں روپیہ خرچ کرتا ہے وہ اگر آزاد ہو تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ وہ اُن ہزاروں روپوں سے محروم ہو جائے۔ اس لیے اگر وہ آزاد ہونے سے انکار کر دے تو یہ اُس کا حق ہوگا۔ پس اسلام نے اس بات سے تو منع کیا ہے کہ کسی کو غلام بنایا جائے لیکن اگر کوئی شخص خود کسی کی غلامی قبول کرے تو اسلام نے اس سے منع نہیں کیا۔ اس نقطۂ نگاہ کے ماتحت اگر تم دیکھو تو تمہیں

معلوم ہوگا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بھی غلام تھے اور حضرت نوح علیہ السلام کے بھی غلام تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھی غلام تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھی غلام تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھی غلام تھے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی غلام تھے۔ لیکن یہ غلام وہی لوگ تھے جنہوں نے آپ ہی آپ غلامی کو قبول کر لیا تھا۔ کسی نے انہیں غلام بننے پر مجبور نہیں کیا تھا۔ آخر حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور دوسرے صحابہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہی تو تھے بلکہ یہ لوگ غلاموں سے بھی بڑھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے تھے۔ مگر انہوں نے خود اپنے آپ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کے لیے پیش کیا تھا کسی نے ان کو جبراً غلام نہیں بنایا تھا۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کے ہمراہ عمرہ کے لیے تشریف لے گئے تو مکہ والوں نے اپنے ایک بڑے آدمی کو آپ کے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔ اُس نے واپس جا کر اُن سے کہا کہ اے میری قوم! تم مانو یا نہ مانو میری نصیحت یہی ہے کہ تم مسلمانوں سے جنگ نہ کرو۔ کفار نے کہا تمہیں تو ہم نے مسلمانوں سے شرائط طے کرنے کے لیے بھیجا تھا اور تم ہمیں یہ نصیحت کر رہے ہو۔ اُس نے کہا اے میری قوم! میں نے قیصر و کسریٰ کے دربار بھی دیکھے ہیں۔ لیکن میں نے کسی قوم میں اتنی فدائیت نہیں پائی جتنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں پائی جاتی ہے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ جب وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو نماز کا وقت تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے وضو فرمانے لگے تو آپ کی کُہنیوں سے جو پانی گرتا تھا صحابہ کرامؓ دوڑ دوڑ کر اسے ہاتھوں میں لیتے اور تبرک کے طور پر منہ میں ڈال لیتے یا اپنے جسموں پر مل لیتے۔ اس نظارہ کا اُس پر ایسا اثر ہوا کہ وہ کہنے لگا میں نے اس قسم کی اطاعت کا رنگ قیصر و کسریٰ کے درباروں میں بھی نہیں دیکھا[2]۔

اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر جب ابوسفیان گرفتار ہوا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے فرمایا اسے صبح لانا۔ چنانچہ صبح حضرت عباسؓ ابوسفیان کو اپنے ساتھ لائے۔ اُس وقت نماز ہو رہی تھی۔ ابوسفیان نے جب یہ نظارہ دیکھا کہ ہزاروں آدمی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر کبھی کھڑے ہو جاتے ہیں، کبھی رکوع میں چلے جاتے ہیں اور کبھی سجدہ میں گر جاتے ہیں تو وہ گھبرا گیا اور کہنے لگا عباس! کیا میرے قتل کی کوئی سکیم بنائی گئی ہے؟ حضرت عباسؓ نے فرمایا گھبراؤ نہیں تمہارے قتل کی کوئی سکیم نہیں۔ یہ تو نماز ہو رہی ہے۔ ابوسفیان نے کہا یہ نظارہ دیکھ کر میرا تو دل گھٹنے لگ گیا تھا۔ میں نے سمجھا کہ شاید میرے قتل کی کوئی سکیم بنائی گئی ہے3۔''

(الفضل 13 اپریل 1956ء صفحہ 4، 5)

1: اسد الغابة فی معرفة الصحابة جلد 2 صفحہ 239 زیر عنوان زید بن حارثة مطبوعہ بیروت 2001ء

2: بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع اهل العرب صفحہ 447، 448 حدیث نمبر 2731، 2732 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

3: السیرة الحلبیة الجزء الثالث صفحہ 177 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعة الاولٰی

جنگ احزاب میں کامیابی کی ایک تدبیر

حضرت مصلح موعود نے 27 اپریل 1956ء کو مری میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''جب احزاب کی جنگ ہوئی تو ایک عرب سردار نعیم بن مسعود اشجعی جو اسلام لا چکے تھے لیکن کفار کو ابھی اس کا علم نہیں تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے میں چاہتا ہوں کہ اس موقع پر کوئی خدمت کروں۔ آپ مجھے اجازت دیں۔ آپؐ نے فرمایا تمہیں اجازت ہے۔ چنانچہ اس کے بعد وہ یہودیوں کے پاس گئے اور انہیں کہنے لگے تمہیں پتا ہے میں عربوں کا سردار ہوں اور ان کی مجالس میں ہمیشہ شامل ہوتا ہوں۔ میں تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ قریش سمجھتے ہیں کہ یہودیوں نے ہم سے غداری کرنی ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ تم اپنے ستّر آدمی چن کر انہیں ضمانت کے طور پر دے دو تا کہ اگر تم غداری کرو تو وہ انہیں قتل کر دیں۔ میں تمہیں یہ مشورہ دینے آیا ہوں کہ اگر وہ تم سے یہ مطالبہ کریں تو تم بھی کہنا کہ تم اپنے ستّر آدمی ہمیں دے دو تا کہ اگر تم غداری کرو تو ہم انہیں مار سکیں۔ اور اگر وہ صرف تم سے مطالبہ کریں اور اپنے ستّر آدمی تمہارے حوالے نہ کریں تو تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ اُن کی نیت خراب ہے اور وہ تمہارے ساتھ ضرور غداری کریں گے۔ اس کے بعد وہ عربوں کے پاس پہنچا اور اُس نے اُن کے کان میں یہ بات ڈالی کہ یہودی مدینہ میں رہتے ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اندر ہی اندر مل چکے ہیں۔ وہ تمہارے ساتھ غداری کرنے والے ہیں۔ اس کا علاج یہی ہے کہ تم ان سے ستّر آدمی ضمانت

کے طور پر مانگو تا کہ اگر وہ غداری کریں تو تم ان کو قتل کر سکو۔ چنانچہ اس مشورہ کے مطابق عربوں نے یہودیوں کی طرف پیغام بھجوا دیا کہ بیشک تم اس وقت ہمارے ساتھ ہو لیکن ہو سکتا ہے کہ تم کسی وقت غداری کرو اس لیے پہلے اپنے ستّر آدمی ہمارے حوالے کرو تا کہ اگر تم غداری کرو تو ہم انہیں سزا دے سکیں۔ انہوں نے جواب بھجوایا کہ پہلے تم اپنے ستّر آدمی ہمارے حوالے کرو تا کہ اگر تم غداری کرو تو ہم انہیں سزا دے سکیں۔ اس سے قریش کو یقین آ گیا کہ یہودیوں کے دلوں میں بدنیتی ہے اور یہود کو قریش پر بدظنی ہو گئی۔1 جب دونوں میں پھوٹ پڑ گئی تو عربوں نے سوچا کہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ہمارے پاس ایک ہی ذریعہ تھا کہ جس طرف یہود ہیں اُس طرف سے ہم مدینہ میں داخل ہو جائیں مگر اب تو یہود بھی بدنیت ہو گئے ہیں۔ اس لیے اب ہماری کامیابی کا کوئی امکان نہیں۔ اب ہمیں واپس چلنا چاہیے۔ چنانچہ رات کو انہوں نے واپسی کا فیصلہ کیا اور ایسا خفیہ فیصلہ کیا کہ بڑے بڑے افسروں کو بھی اس کی اطلاع نہ ہوئی۔ ابوسفیان جو عربوں کا سردار تھا اُس کو بھی انہوں نے نہ بتایا۔ ساتھ ہی ان کے دلوں میں یہ خیال بھی پیدا ہو گیا کہ مسلمانوں نے آج ہم پر شبخون مارنا ہے۔ چنانچہ راتوں رات انہوں نے خیمے اُکھیڑے اور بھاگنا شروع کر دیا۔ ابوسفیان رات کو اٹھا تو وہ حیران ہو کر کہنے لگا کہ خیمے کہاں گئے؟ کسی نے کہا کہ سارے قبیلے بھاگے جا رہے ہیں۔ کہنے لگا عجیب بات ہے مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں۔ اس کے بعد وہ خود بھی بھاگ کھڑا ہوا۔ مگر اس قدر گھبرایا ہوا تھا کہ اونٹنی پر سوار ہو کر اُسے ایڑیاں مارنے لگ گیا حالانکہ وہ بندھی ہوئی تھی اور دُم کی طرف منہ کر کے بیٹھ گیا۔ آخر کسی نے کہا کہ کیا کر رہے ہو؟ اونٹنی تو ابھی بندھی ہوئی ہے اور تم دُم کی طرف منہ کر کے بیٹھے ہو2۔

جب صبح ہوئی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو آواز دی اور فرمایا کوئی ہے؟ حذیفہؓ ایک صحابی تھے وہ کہتے ہیں میں بول پڑا اور میں نے کہا

یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میں حاضر ہوں۔ آپؐ نے فرمایا تم نہیں کوئی اَور۔ مگر اُس رات اتنی سخت سردی پڑی تھی کہ صحابہ کہتے ہیں ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز تو سن رہے تھے مگر ہمارے اندر بولنے کی طاقت نہیں تھی۔ کیونکہ ہماری ہڈیاں اُس وقت برف کی بنی ہوئی تھیں۔ پھر دوبارہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی ہے؟ اس پر پھر وہی صحابی بولے کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میں حاضر ہوں۔ آپؐ نے فرمایا تم نہیں کوئی اَور۔ صحابہؓ پھر کہتے ہیں کہ ہم اُس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سن رہے تھے مگر سردی اتنی شدید تھی کہ ہمارے اندر جواب دینے کی ہمت نہیں تھی۔ پھر تیسری بار رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی بات پوچھی اور اس صحابی نے پھر کہا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میں حاضر ہوں۔ آپؐ نے فرمایا تم جاؤ اور دیکھو کہ دشمن کا کیا حال ہے۔ وہ باہر گیا اور واپس آ کر کہنے لگا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! وہاں تو دشمن کا نام ونشان بھی نہیں ہے۔ سب بھاگ گئے ہیں۔3 تو دیکھو ایک آدمی جو دشمنوں میں سے تھا اُس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی محبت پیدا کر دی اور اُس نے ایک ایسی تدبیر کی جس کے نتیجہ میں دشمنوں میں پھوٹ پڑ گئی۔''

(الفضل 28 جون 1956ء صفحہ 3)

1: السیرۃ النبویۃ لابن ھشام الجزء الثانی صفحہ 1015 تا 1017 شأن نعیم فی تخذیل المشرکین عن المسلمین مطبوعہ دمشق 2005ء

2،3: السیرۃ النبویۃ لابن ھشام الجزء الثانی صفحہ 1017 تا 1019 دبیب الفرقۃ بین المشرکین دمشق 2005ء

رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ کی فدائیت

حضرت مصلح موعود نے 27/اپریل 1956ء کو مری میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''میور اسلام کا شدید ترین دشمن ہے مگر وہ بھی مسلمانوں کی فدائیت اور ان کی قربانی کے جذبہ کو تسلیم کرنے سے نہیں رہ سکا۔ احزاب میں دشمن کا لشکر چوبیس ہزار تھا مگر وہ گھٹا کر اسے پندرہ سولہ ہزار بتاتا ہے اور مسلمانوں کی تعداد صرف بارہ سو تھی مگر وہ اسے بڑھا کر دس ہزار بتاتا ہے۔ اور پھر لکھتا ہے کہ حیرت آتی ہے کہ اتنا زبردست لشکر جمع ہوا اور پھر بھی وہ شکست کھا گیا۔ اس کے بعد وہ اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اصل بات یہ ہے کہ مکہ والوں اور یہود سے ایک غلطی ہوگئی اور وہ یہ کہ انہوں نے یہ اندازہ نہیں لگایا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والوں کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کتنی محبت ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح خندق کو عبور کر جائیں۔ یہ خندق جو چند دنوں میں کھودی گئی زیادہ سے زیادہ دو اڑھائی گز چوڑی ہوگی اور گھوڑے بعض دفعہ چار چار گز تک بھی چھلانگ لگا لیتے ہیں۔ پس اس خندق کو عبور کرنا ان کے لیے کوئی مشکل نہیں تھا۔ چنانچہ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ ان کے گھوڑے اس خندق پر سے کُود جاتے مگر ان سے غلطی یہ ہوئی کہ وہ سیدھے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیمہ کی طرف جاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اگر ہم نے ان کو مار لیا تو سب کو مار لیا۔ لیکن جس وقت وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیمہ کی طرف رخ کرتے تھے مسلمان پاگل ہو جاتے تھے اور وہ بھیڑوں اور بکریوں کی طرح

اپنا سر کٹانے کے لیے آگے نکل آتے تھے۔ چنانچہ باوجود جیتنے کے کفار کو اپنے گھوڑے دوڑا کر واپس آنا پڑتا تھا۔ بلکہ بعض دفعہ ان کے گھوڑے بھی اس خندق میں گر جاتے تھے۔ پس انہوں نے غلطی یہ کی کہ وہ سب سے پہلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کرتے تھے۔ حالانکہ مسلمانوں کے دلوں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتنا عشق تھا کہ اس موقع پر ان کا بچہ بچہ مقابلہ کے لیے نکل کھڑا ہوتا تھا۔''

(الفضل 28 جون 1956ء صفحہ 3)

آنحضرت ﷺ کی حفاظت کا الٰہی وعدہ

حضرت مصلح موعود نے 5/اکتوبر 1956ء کو سورۃ المائدۃ کی درج ذیل آیت کی روشنی میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ[1]''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا اس دائرہ میں وعدہ فرمایا ہے کہ آپ کو قرآن کریم کی اشاعت اور اس کے احکام کی تبلیغ میں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اب ہم غور کرتے ہیں کہ کسی تعلیم کی اشاعت کو کیسے نقصان پہنچ سکتا ہے۔ سو ہمیں دنیا میں اس کے دو طریق نظر آتے ہیں۔ ایک طریق تو یہ ہے کہ بعض دفعہ کسی تعلیم کی اشاعت پر دشمن کو غصہ آجاتا ہے اور وہ اشاعت کرنے والے پر کوئی جسمانی حملہ کر دیتا اور اُسے نقصان پہنچا دیتا ہے۔ اس نقطہ نگاہ سے جو آیت میں نے پڑھی ہے اُس میں اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے کہ آپ قرآن کریم کو پوری طرح پھیلائیں اور اس بات کی پرواہ نہ کریں کہ اس پر دشمن ناراض ہو جائے گا اور وہ آپ پر حملہ کر بیٹھے گا کیونکہ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اگر لوگ شرارت کر کے آپ پر حملہ کریں گے تو وہ خدا جس نے قرآن کریم کو اتارا ہے اُسے بھی غیرت آئے گی اور وہ ان کے مقابلہ میں آپ کی حفاظت کرے گا اور ان کی تدبیروں کو ناکام کر دے گا۔

دوسرا طریق نقصان پہنچانے کا عملی رنگ میں ہوتا ہے یعنی اگر کوئی تعلیم پھیلائی جائے تو لوگ اُس پر اعتراض کرنے لگ جاتے ہیں اور اس طرح اشاعت کرنے والے کی عزت اور اس کی شہرت کو صدمہ پہنچنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس نقطہ نگاہ سے بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ اے ہمارے رسول! آپ قرآن کریم کی خوب اشاعت کریں اور اس بات کی پرواہ نہ کریں کہ لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ بیشک لوگ اس تعلیم پر طرح طرح کے اعتراض کریں ہم نے ایسا انتظام کیا ہوا ہے کہ وہ تیری عزت اور تیری نیک نامی کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا سکیں گے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ کلامُ اللہ کی حفاظت کے کیا ذرائع ہوتے ہیں۔ سو کلامُ اللہ کی حفاظت کا ایک ذریعہ تو یہ ہوتا ہے کہ اُس کے کامل مومن ہر زمانہ میں موجود رہتے ہیں اور جب بھی اُس پر کوئی اعتراض وارد ہو وہ اُس کو دور کر دیتے ہیں۔ اور دوسرا ذریعہ یہ ہوتا ہے کہ خود کلامُ اللہ کے اندر ایسی باتیں رکھ دی جاتی ہیں جو دشمن کے اعتراضات کو رد کرنے والی ہوتی ہیں اور اس طرح دشمن اپنی بات میں خود ہی پکڑا جاتا ہے۔ وہ اگر کسی آیت پر اعتراض کرتا ہے تو خود وہی آیت یا دوسری آیات اُس کے اعتراض کو دور کر دیتی ہیں۔ قرآن کریم تو ایک بہت بڑی چیز ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کا آخری کلام ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن پر قرآن کریم نازل ہوا ہے **خاتم النبیین** اور **سَیِّد وُلْدِ آدم** ہیں لیکن عام باتوں میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ بعض دفعہ ایسا تصرف کرتا ہے کہ اعتراض کرنے والے کو فوراً پکڑ لیتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عیسائی آیا اور اُس نے کہا کہ آپ تو کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی زبان اُمُّ الْاَلْسِنَۃ ہے حالانکہ میکس مولر وغیرہ نے لکھا ہے کہ جو زبان اُمُّ الْاَلْسِنَۃ ہوتی ہے وہ مختصر ہوتی ہے۔ پھر آہستہ آہستہ لوگ اُس کو پھیلا دیتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہم تو میکس مولر کے اس فارمولا کو نہیں مانتے کہ اُمُّ الْاَلْسِنَۃ مختصر ہوتی ہے۔ مگر

چلو بحث کو کوتاہ کرنے کے لیے ہم اس فارمولا کو مان لیتے ہیں اور عربی زبان کو دیکھتے ہیں کہ آیا وہ اس معیار پر پوری اترتی ہے یا نہیں؟ اُس شخص نے یہ بھی کہا تھا کہ انگریزی زبان عربی زبان کے مقابلہ میں نہایت اعلیٰ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام انگریزی نہیں جانتے تھے لیکن آپ نے فرمایا اچھا! آپ بتائیں کہ انگریزی میں ''میرے پانی'' کو کیا کہتے ہیں؟ اُس نے کہا ''مائی واٹر''۔ آپ نے فرمایا عربی زبان میں تو صرف ''مائی'' کہنے سے ہی یہ مفہوم ادا ہو جاتا ہے۔ اب آپ بتائیں کہ ''مائی واٹر'' زیادہ مختصر ہے یا ''مائی''؟ اب اگرچہ آپ انگریزی نہیں جانتے تھے لیکن خدا تعالیٰ نے آپ کی زبان پر ایسے الفاظ جاری فرما دیئے کہ معترض آپ ہی پھنس گیا اور وہ سخت شرمندہ اور لاجواب ہو گیا اور کہنے لگا کہ پھر تو عربی زبان ہی مختصر ہوئی۔

یہی حال قرآن کریم کا ہے۔ اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کرتا ہے کہ وہ آپ کو دشمنوں کے حملہ سے بچائے گا۔ یعنی ہمیشہ ایسے لوگ پیدا کرتا رہے گا جو قرآن کریم کو پڑھنے والے ہوں گے، اس سے سچا عشق رکھتے ہوں گے اور اس کی تفسیر کرنے والے ہوں گے۔ وہ دشمنوں کو ان کے حملوں کا ایسا جواب دیں گے کہ ان کا منہ بند ہو جائے گا۔ دوسرے اس نے قرآن کریم کے اندر ایسا مادہ رکھ دیا ہے کہ معترض جو بھی اعتراض کریں اُس کا جواب اس کے اندر موجود ہوتا ہے۔ گویا آپ کی حفاظت کے دو طریق ہیں۔ ایک انٹرنل (Internal) یعنی اندرونی ذریعہ ہے اور خود قرآن کریم میں یہ خصوصیت رکھ دی گئی ہے کہ اگر اُس کی کسی آیت پر اعتراض ہو تو دوسری آیات اس اعتراض کو رد کر دیتی ہیں۔ اور دوسرا ذریعہ ایکسٹرنل (External) ہے۔ یعنی ایسے مومن پیدا ہوتے رہیں گے جو دشمنوں کے اعتراضات کو رد کرتے رہیں گے۔ گویا اللہ تعالیٰ بیرونی اور اندرونی دونوں ذرائع سے آپ کی حفاظت فرمائے گا۔

پھر فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھۡدِی الۡقَوۡمَ الۡکٰفِرِیۡنَ وہ کفار کو کامیابی کے مقام

پر نہیں پہنچنے دیتا۔ وہ کسی طرح بھی حملہ کریں نتیجہ یہی ہوگا کہ یا تو خدا تعالیٰ اُن پر عذاب نازل کر کے انہیں تباہ کر دے گا یا مومنوں کو کھڑا کر دے گا جو اُن کے حملوں کا جواب دیں گے اور یا پھر وہ قرآن کریم میں پہلے سے ہی ایسا جواب رکھ دے گا جو دشمن کو جھوٹا ثابت کر دے گا۔ بہرحال کوئی ذریعہ بھی ہو اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ آپ کی حفاظت فرمائے گا۔

اب دیکھ لو خدا تعالیٰ نے اس قرآنی وعدہ کے مطابق کس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حفاظت فرمائی۔ ابتدائی زمانہ میں جسمانی رنگ میں دشمن نے آپؐ پر بڑے بڑے حملے کیے اور متعدد طریق سے آپ کو نقصان پہنچانا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر طرح محفوظ رکھا۔ مثلاً جب آپ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ جانے لگے اُس وقت بھی آپؐ کے دروازہ پر کفار کے مختلف قبائل کے نَو آدمی کھڑے تھے جو صرف اس ارادہ سے کھڑے تھے کہ آپؐ کو قتل کر دیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈالا کہ وہ آپؐ کو دیکھ نہ سکے۔

پھر جب آپ مکہ سے نکل کر غارِ ثور میں پہنچے تو دشمن آپؐ کا پیچھا کرتا ہوا وہاں تک جا پہنچا۔ حضرت ابوبکرؓ گھبرا گئے کہ کہیں دشمن آپ کو گزند پہنچانے میں کامیاب نہ ہو جائے۔ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی گھبراہٹ کو محسوس کرتے ہوئے فرمایا ابوبکر! تم کیوں گھبراتے ہو؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میں اس لیے نہیں گھبراتا کہ میں مارا جاؤں گا کیونکہ میں مارا گیا تو کیا ہوگا۔ میں تو ایک معمولی انسان ہوں۔ میں تو صرف آپ کی وجہ سے گھبراتا ہوں۔ اگر آپ کو خدانخواستہ کوئی گزند پہنچی تو اسلام کو نقصان پہنچے گا۔ آپ نے فرمایا لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ ابوبکر! غم نہ کرو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے وہ خود ہماری حفاظت کرے گا [2] اور پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی۔''

''پھر ہجرت کے علاوہ اَور بھی کئی مواقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدہ کو پورا

کیا کہ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ۔مثلاً غزوہ حنین میں ایک موقع پر صحابہؓ دشمن کے دباؤ کی وجہ سے آپؐ سے دور چلے گئے ۔اُس وقت آپؐ کے قریب ایک ایسا شخص تھا جو مکہ سے اسلامی لشکر کے ساتھ صرف اس نیت سے آیا تھا کہ اگر موقع ملا تو آپؐ کو مار ڈالے ۔لیکن اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی حفاظت فرمائی اور اُس دشمن کو اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہونے دیا3۔غزوہ حنین میں مکہ کے نئے مسلمان بھی شامل ہو گئے تھے اور ان میں بعض کافر بھی تھے ۔انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ ہم بھی آپؐ کے ساتھ جائیں گے اور اپنی بہادری کے جوہر دکھائیں گے ۔لیکن جب تیروں کی بوچھاڑ ہوئی تو وہ اس کی تاب نہ لا سکے اور بھاگ کھڑے ہوئے ۔ان کے بھاگنے کی وجہ سے دوسرے مسلمانوں کے گھوڑے بھی بھاگ اٹھے ۔اور ایک وقت ایسا آیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد صرف چند مسلمان رہ گئے ۔آپ جب دشمن کی صفوں کی طرف بڑھنے لگے تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا یَارَسُولَ اللّٰہ! یہ وقت آگے بڑھنے کا نہیں دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے اور مسلمان لشکر تتر بتر ہو چکا ہے ۔آپؐ نے فرمایا ابوبکر! مجھے چھوڑ دو ۔پھر فرمایا:۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِب 4

میں خدا تعالیٰ کا نبی ہوں جھوٹا نہیں اس لیے مجھے دشمن کا کوئی ڈر نہیں ۔

آپؐ نے یہاں ''النَّبِیُّ'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے ''اَنَا نَبِیٌّ'' نہیں کہا کیونکہ ''النَّبِیُّ'' کے متعلق بائبل میں بھی پیشگوئیاں پائی جاتی تھیں کہ اُس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ چنانچہ یسعیاہ میں آتا ہے ''میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا''۔5 پس ''النَّبِیُّ'' کا لفظ استعمال فرما کر آپؐ نے بیان فرمایا کہ میں ہی وہ موعود نبی ہوں جس کی بائبل میں پیشگوئی کی گئی تھی ۔پھر مجھے کسی دشمن کا کیا خوف ہو سکتا ہے ۔لیکن میری اس جرأت اور دلیری کی وجہ سے جو میں آٹھ ہزار تیراندازوں کی زد میں ہونے کے باوجود دکھا رہا ہوں دشمن جو بت پرست ہے یہ خیال نہ کرے کہ

میں کوئی دیوتا یا خدا ہوں۔ بیشک میں ''النَّبِیّ'' ہوں اور خدا تعالیٰ نے میری حفاظت کا وعدہ کیا ہے لیکن بایں ہمہ میں بشر ہی ہوں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں، خدا یا کوئی دیوتا نہیں ہوں۔ یہاں آپ نے ''اِبْنُ عَبْدِالْمُطَّلِب'' کہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عربی زبان میں ''اِبْنُ'' کا لفظ پوتے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے کیونکہ آپ حضرت عبدالمطلب کے پوتے تھے بیٹے نہیں تھے۔ غرض آپ کی جسمانی حفاظت کی بیسیوں مثالیں تاریخ میں موجود ہیں۔ اگر میں انہیں بیان کروں تو کئی گھنٹوں میں خطبہ ختم ہو لیکن مختصر طور پر میں صرف اتنا کہوں گا کہ آپ کی زندگی میں بیسیوں دفعہ خطرناک سے خطرناک مواقع پر خدا تعالیٰ نے آپؐ کی حفاظت فرمائی۔

پھر علمی طور پر دیکھا جائے تو جب بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دشمن نے حملہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی عزت کو بچایا اور دشمن کو اُس کے مقصد میں ناکام و نامراد رکھا۔ آخری زمانہ میں جب اسلام بہت کمزور ہو گیا تھا تو کہتے ہیں اُس وقت روم کے بادشاہ نے مسلمان بادشاہ کو لکھا کہ میرے پاس کوئی مسلمان عالم بھیجیں میں اُس کی پادریوں سے بحث کرانا چاہتا ہوں۔ چنانچہ مسلمان بادشاہ نے ایک عالم بھجوا دیا۔ عیسائیوں نے پہلے سے ہی منصوبہ کیا ہوا تھا۔ پادری کہنے لگا مولوی صاحب! بتایئے کہ (حضرت) عائشہؓ والا واقعہ جو احادیث میں آتا ہے وہ کیا ہے؟ مطلب اُس کا طعنہ کرنا تھا۔ مسلمان عالم جو غالباً امام ابن تیمیہؒ یا ان کے کوئی دوست تھے بڑے ہوشیار تھے کہنے لگے پادری صاحب! دنیا میں دو عورتیں گزری ہیں۔ ایک عورت کا خاوند تھا۔ خبیث لوگوں نے اُس پر الزام لگایا مگر ساری عمر اُس کے کوئی بچہ نہیں ہوا۔ لیکن ایک اَور عورت (یعنی حضرت مریم) تھی جس کا خاوند بھی نہیں تھا۔ اُس پر دشمنوں نے الزام لگایا اور اُس کے ہاں بیٹا پیدا ہو گیا۔ اب آپ بتایئے کہ الزام کس عورت پر لگتا ہے؟ اس پر پادری سخت شرمندہ اور لاجواب ہو گیا۔

آجکل تو یہ حالت ہے کہ ذرا حضرت عیسٰی علیہ السلام کے متعلق کوئی بات کہی

جائے مسلمان شور مچانا شروع کر دیتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی ہتک کر دی گئی ہے مگر اُس وقت کا مسلمان حضرت عیسیٰؑ کی غیرت کم رکھتا تھا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیرت زیادہ رکھتا تھا۔ چنانچہ دیکھ لو۔ امام ابنِ تیمیہؒ یا ان کے دوست روم کے دربار میں ڈرے نہیں بلکہ انہوں نے فوراً کہہ دیا کہ پادری صاحب! آپ جس عورت کا ذکر کر رہے ہیں اُس کا تو خاوند موجود تھا اور باوجود خاوند ہونے کے اُس کے ہاں ساری عمر اولاد نہیں ہوئی مگر حضرت مریمؑ کا تو خاوند بھی نہیں تھا اور اُس کے ہاں بچہ ہو گیا۔ اب آپ بتائیے کہ الزام حضرت عائشہؓ پر لگایا حضرت مریمؑ پر۔

غرض ہر موقع پر جب بھی دشمن نے اسلام پر حملہ کیا اللہ تعالیٰ نے کامل مومنوں کو کھڑا کر دیا اور انہوں نے دشمن کے اعتراضات کو ردّ کر دیا مثلاً غدر کے بعد مسلمانوں کی حالت بڑی خراب تھی۔ اُس وقت مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی اور آپ کے بعد بعض اَور لوگ کھڑے ہو گئے جنہوں نے عیسائیوں اور آریوں کے اعتراضات کے جواب دیئے اور دین کی حفاظت کی۔ سرسید احمد خاں صاحب نے بھی اپنے زمانہ میں عیسائیوں کے اعتراضات کے جواب دیئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کھڑا کر دیا جنہوں نے اتنے لمبے عرصہ تک دشمن کا مقابلہ کیا کہ آپؑ کی وفات پر دشمنوں نے بھی اس بات کا اعتراف کیا کہ آپ نے اسلام کا دفاع ایسے شاندار رنگ میں کیا ہے کہ آپؑ سے پہلے اَور کسی مسلمان عالم نے اس طرح اسلام کا دفاع نہیں کیا۔ یہ ''وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ'' کا ہی کرشمہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وعدہ تھا کہ اُس نے آپؐ کو بہرحال بچانا ہے۔ جب دشمن نے تلوار سے حملہ کیا تو اُس نے اُس کی تلوار کو کُند کر دیا اور جب اُس نے تاریخ سے حملہ کیا تو خدا تعالیٰ نے ایسے مسلمان کھڑے کر دیئے جنہوں نے تاریخی کتب کی چھان بین کر کے دشمن کے اعتراضات کو رد کر دیا اور خود مخالفین کے بزرگوں کی تاریخیں کھول کر بتایا کہ وہ جو اعتراضات اسلام پر کر رہے ہیں وہ ان کے اپنے مذہب پر بھی پڑتے ہیں

اور جو حصہ قرآن کریم اور احادیث سے تعلق رکھتا تھا اُسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صاف کر دیا۔'' (الفضل 22 نومبر 1956ء صفحہ 2 تا 4)

1: **المائدة** :68

2: **کنز العمال** جلد 16 صفحہ 662 تا 664 حدیث نمبر 46286 مطبوعہ دمشق 2012ء

3: **السیرۃ الحلبیۃ** جلد 3 صفحہ 228 مطبوعہ بیروت 2012ء **الطبعة الاولٰی**

4: **مسلم کتاب الجهاد باب غزوة حنین** صفحہ 789، 790 حدیث نمبر 4612 تا 4615 مطبوعہ ریاض 2000ء **الطبعة الثانیة**

رسول کریم ﷺ کا غلاموں سے حسن سلوک

حضرت مصلح موعود نے 19/اکتوبر 1956ء کو ربوہ میں خطبہ جمعہ کے دوران فرمایا:-

''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو آپ نے فرمایا خدا تعالیٰ نے مجھے کالے اور گورے سب کے لیے مبعوث فرمایا ہے اور فرمایا میری امت میں عربی اور عجمی کا کوئی فرق نہیں[1] کیونکہ عجمی بھی میری امت میں ہیں اور عربی بھی میری امت میں ہیں۔ اس لیے چاہے کوئی عجمی ہو اُس کے بھی وہی حقوق ہیں اور چاہے عربی ہو اس کے بھی وہی حقوق ہیں۔ کسی سے کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح معاہد قوم اور خود اپنی قوم میں بھی کوئی فرق نہیں کیا جائے گا بلکہ سب کے ساتھ انصاف اور عدل سے کام لیا جائے گا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سب سے پہلے کچھ غلام ایمان لائے۔ اُن کا جو ادب اور احترام کیا گیا اُس کی دنیا میں کہیں مثال نہیں ملتی۔ غلام دنیا میں ہر جگہ ہی ذلیل رہے ہیں سوائے اسلام کے جس نے انہیں بہت بڑی عزت دی ہے۔ قربانیاں تو انہوں نے بڑی بڑی کی ہیں۔ رومی قوم کے غلاموں کو دیکھ لو، ایرانی قوم کے غلاموں کو دیکھ لو انہوں نے مسلمان غلاموں سے کم قربانیاں نہیں کیں لیکن رتبہ اور عزت میں وہ ہمیشہ ہی اصلی قوموں سے نیچے رکھے گئے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کے بعد جو غلام ایمان لائے اُن کو ایسا مرتبہ نصیب ہوا اور ایسی ترقی نصیب ہوئی کہ بنو ہاشم یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے جو لوگ تھے اُن سے ان غلاموں کے مقابلہ میں کوئی امتیازی سلوک روا نہیں رکھا گیا۔ آپ کے رشتہ دار اور رؤسائے عرب سمجھتے

تھے کہ ہمارے برابر کوئی نہیں مگر جب وقت آیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں اور ان ایمان لانے والے غلاموں میں کوئی فرق نہیں رکھا۔ دشمن کے زمانہ میں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ دشمن تھے اور یہ دوست تھے مگر جب وہ دوست بن گئے تب تو ان میں اور غلاموں میں کوئی فرق ہونا چاہیے تھا۔ مگر جب فتح مکہ کا وقت آیا تو حضرت عباسؓ ابوسفیان کو پکڑ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے اور آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ اُس کو جب پتا لگا کہ آپؐ مکہ پر حملہ کرنے جا رہے ہیں تو اُس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! آپ کی قوم نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ آپ کو خدا نے بڑا رتبہ دیا ہے۔ آپ مجھے اپنی قوم کے لیے کوئی انعام دیں تا کہ ان کے سامنے میری بھی عزت ہو۔ آپ نے فرمایا جو شخص تمہارے گھر میں گھس جائے گا اُس کو جان کی امان دے دی جائے گی۔ وہ کہنے لگا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میرا گھر کتنا بڑا ہے۔ مکہ کے ہزاروں افراد کی آبادی میرے گھر میں کیسے گھسے گی؟ آپ نے فرمایا اچھا جو خانہ کعبہ میں گھس جائے گا اُس کی بھی حفاظت کی جائے گی۔ اس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! سارا مکہ وہاں بھی نہیں سما سکتا۔ فرمایا اچھا! جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا اور اندر بیٹھ جائے گا اُس کو بھی معاف کر دیا جائے گا۔ آپؐ اسی طرح بتاتے گئے اور اپنے احسان کی وسعت کرتے گئے۔ بلالؓ اُس وقت نہیں تھے۔ مکہ والوں نے انہیں بڑی بڑی تکلیفیں دی تھیں۔ آپؐ نے مدینہ کے ایک انصاری کو جو اُن کے بھائی بنائے گئے تھے بلایا اور اُسے ایک جھنڈا دے کر فرمایا یہ بلال کا جھنڈا ہے جو شخص اس جھنڈے کے نیچے کھڑا ہو جائے گا اُس کو بھی پناہ دی جائے گی۔2

اب بلالؓ ایک غلام تھے۔ ایسے غلام جنہیں مکہ والے تپتی ریت پر لٹا کر کیلوں والے جوتے پہن کر اُن پر کودا کرتے تھے اور مقابل میں ابوسفیان تھا جو سارے مکہ کا سردار تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رشتہ دار تھا اور وہ مسلمان بھی ہو چکا تھا۔ اب وہ زمانہ نہیں تھا کہ کہا جاتا بلالؓ تو مسلمان ہے اور ابوسفیانؓ ایمان نہیں لایا۔

بلکہ اب وہ زمانہ تھا کہ بلالؓ بھی مسلمان ہو چکا تھا اور ابوسفیانؓ بھی مسلمان ہو چکا تھا۔ گویا دو مسلمانوں کا مقابلہ تھا۔ مگر ایک سردار تھا مسلمان اور ایک غلام تھا مسلمان۔ آپ نے اُس غلام مسلمان کو سردار مسلمان کے برابر رکھا اور فرمایا جو شخص اس کے جھنڈے کے نیچے کھڑا ہو جائے گا اُس کو بھی پناہ دی جائے گی۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ابوسفیان کے گھر میں گھستے ہوئے تو لوگوں کو ڈر بھی آ سکتا تھا مگر بلالؓ کے جھنڈے تلے کھڑا ہونے میں کسی کو کوئی خوف نہیں تھا۔ کیونکہ وہ میدان میں گاڑا گیا تھا اور میدان میں جو جھنڈا گاڑا جاتا ہے اُس کے نیچے ہر شخص آ سکتا ہے۔ تو ابوسفیان کے گھر نے اُن لوگوں کو پناہ دی جو اُس سے تعلق رکھتے تھے اور بلالؓ کے جھنڈے نے ہر مکہ والے کو پناہ دی۔ اب دیکھو کتنی مساوات اسلام نے رکھی ہے۔ یہاں کوئی سوال عرب کا نہیں تھا اور کوئی سوال حبشہ کا نہیں تھا۔ اسی طرح نہ ایران کا کوئی سوال تھا، نہ آرمینیا کا کوئی سوال تھا۔ ہر شخص چاہے کسی قوم کا تھا چاہے وہ غلام تھا یا آزاد، اسلام میں آنے کے بعد اُسے عزت دی گئی۔ تو فرماتا ہے کہ تم ایک ایسی قوم ہو اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ[3] جس کو تمام دنیا کے فائدہ کے لیے کھڑا کیا گیا ہے۔''

(الفضل 28 نومبر 1956ء صفحہ 3، 4)

1: مسلم کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ صفحہ 212 حدیث نمبر 1163 مطبوعہ ریاض 2000ء الطبعۃ الثانیۃ

2: السیرۃ الحلبیۃ الجزء الثالث صفحہ 179 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولیٰ

3: آل عمران: 111

رسول کریم ﷺ کی امت کا مقام

حضرت مصلح موعود نے 19 / اکتوبر 1956ء کو ربوہ میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''جب بحرین کے بادشاہ نے اسلام قبول کیا تو اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لکھا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میرے ملک میں یہودی بھی ہیں اور عیسائی بھی ہیں، ایرانی بھی ہیں اور عرب بھی ہیں۔ آپ مجھے بتائیں کہ میں ان میں سے کس کو اپنے ملک میں رہنے دوں اور کس کو نکال دوں؟ آپ نے لکھا ہر قوم کو اپنے ملک میں رہنے دو۔ میں صرف یہ حکم دیتا ہوں کہ ان میں سے جس کے پاس زمین نہ ہو اُس کو سال کا غلہ اور کپڑا دے دیا کرو۔ تو یہ بھی اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ 1 کی ایک مثال ہے کہ کوئی شخص کسی قوم کا بھی ہو اسلام اس کی خدمت اور فائدہ کو مدنظر رکھتا ہے۔

پھر یہ تو ابتدائی زمانہ کی باتیں ہیں جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے فائدہ اٹھانے والے لوگ موجود تھے مگر دیکھو! یہ تاثیر اتنی دور تک چلی کہ ہندوستان میں سب سے پہلی مسلمان حکومت حکومتِ غلاماں تھی۔ شہاب الدین غوری جب ہندوستان پر حملہ کرنے کے بعد واپس ہوا تو جاتی دفعہ اُس نے اپنے ایک غلام کو بلا کر کہا کہ تم نے بڑی قربانی کی ہے اس لیے میں سارا ہندوستان تمہیں دیتا ہوں۔ چنانچہ وہ غلام بادشاہ رہا اور کئی پُشتوں تک اُس کے خاندان کی بادشاہت چلی۔ اس خاندان کی حکومت حکومتِ غلاماں ہی کہلاتی ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام نے مساوات کی جو رَو چلائی تھی، تمام بنی نوع انسان سے محبت اور پیار کی جو رَو چلائی

تھی وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی چھ سو سال تک چلتی چلی گئی۔ عرب سے لے کر ہندوستان تک وہ لہر آئی اور ہندوستان میں بھی غلاموں کی سلطنت قائم ہوگئی۔

پس اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتایا ہے کہ تم کو تمام بنی نوع انسان کے فائدہ کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ ملک میں جب کبھی سیلاب آتا ہے اور احمدی لوگوں کی خدمت کرتے ہیں تو درحقیقت اسی آیت پر عمل کرتے ہوئے وہ لوگوں کی خدمت کرتے ہیں۔ آج خدام الاحمدیہ کا اجتماع بھی ہے۔ اس لیے میں انہیں اسی آیت کی طرف جو میں نے ابھی پڑھی ہے توجہ دلاتا ہوں۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ہر مسلمان خادم ہے۔ ہم نے تنظیم قائم کرنے کے لیے نوجوانوں اور بوڑھوں کا فرق کر دیا ہے۔ ورنہ درحقیقت تمام کے تمام مسلمان ہی قرآن کریم میں خدام بتائے گئے ہیں۔ میں نے پچھلے سال اپنی تقریر میں بتایا تھا کہ خدام الاحمدیہ سے یہ مراد نہیں کہ احمدیوں کے خادم بلکہ خدام الاحمدیہ کا یہ مطلب ہے کہ احمدیوں میں سے خادم۔ یعنی ہیں تو یہ ساری دنیا کے خادم صرف احمدیوں کے خادم نہیں۔ مگر احمدیوں میں سے اس گروہ نے اقرار کیا ہے کہ ہم ساری دنیا کی خدمت کریں گے۔ تو درحقیقت ہم نے نوجوانوں کی تنظیم کا نام خدام الاحمدیہ رکھا ہے ورنہ یہ آیت بتاتی ہے کہ ہر مسلمان ہی اس کام کے لیے مقرر ہے۔ اور پھر اس نے خدمت کا طریق بھی بتا دیا ہے کہ ہر انسان کو نیک باتوں کی نصیحت کی جائے، بری باتوں سے روکا جائے اور خدا تعالیٰ کے جو احکام ہیں اُن کی اتباع اور فرمانبرداری کرائی جائے۔ یہی مسلمان قوم کو اس دنیا میں پیدا کرنے کی غرض ہے۔ اگر مسلمان قوم کسی زمانہ میں یہ غرض پوری نہیں کرتی تو وہ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کے دائرہ سے نکل جاتی ہے۔ پھر وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت نہیں رہتی بلکہ اپنے نفس کی امت ہو جائے گی یا علماء کی امت ہو جائے گی یا اپنے سرداروں اور بادشاہوں کی امت ہو جائے گی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے متعلق خدا تعالیٰ یہ

صاف طور پر فرماتا ہے کہ وہ خیرِ امت ہے کیونکہ وہ تمام بنی نوع انسان کی خدمت کے لیے کھڑی کی گئی ہے۔ جب تک وہ تمام بنی نوع انسان کی خدمت کرتی ہے اس وقت تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے اور جب وہ اس خدمت کو چھوڑ دیتی ہے تو پھر وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت نہیں رہتی بلکہ اپنے نفس کے تابع ہو جاتی ہے۔'' (الفضل 28 نومبر 1956ء صفحہ 4)

1: آل عمران: 111

رسول کریم ﷺ کی صحابیات کی قربانیاں

حضرت مصلح موعود نے 21/اکتوبر 1956ء کو لجنہ اماء اللہ ربوہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

''دیکھو جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپ کی سب سے پہلے امداد جس نے کی وہ ایک عورت ہی تھی۔ اسلام کی تبلیغ کے لئے سب سے پہلے روپے کی ضرورت تھی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی پیسہ نہ تھا۔ اس وقت حضرت خدیجہؓ نے اپنی تمام دولت آپ کے سپرد کر دی اور کہا آپ جس طرح چاہیں اسے استعمال کریں۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی نوجوان دین کے لئے زندگی وقف کرتا ہے تو اسے کوئی شخص اپنی لڑکی دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ ماں باپ کہتے ہیں ہم اپنی لڑکی اسے نہیں دیں گے، یہ تو واقف زندگی ہے ہماری لڑکی کھائے گی کہاں سے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو بچپن ہی سے واقف زندگی تھے اور آپ کے پاس کوئی روپیہ بھی نہیں تھا۔ حضرت خدیجہؓ ایک بڑی مالدار خاتون تھیں، بیوہ تھیں، ان سے کسی سہیلی نے کہا تم شادی کیوں نہیں کر لیتیں۔ انہوں نے کہا کس سے کروں؟ اگر کوئی دیانتدار آدمی مل جائے تو شادی کر لوں۔ اس نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بڑھ کر دیانتدار اور کون ہے۔ تم نے خود اس کی دیانت کو دیکھ لیا ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ کو شام کی طرف تجارتی مال دے کر بھیجا تھا اور اس سفر میں آپ کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ حضرت خدیجہؓ نے محسوس کیا تھا کہ یہ نفع منڈیوں کے حالات کی وجہ سے نہیں بلکہ امیر قافلہ کی نیکی اور دیانت کی وجہ سے ہے۔ آپؓ کے غلام میسرہ

نے بھی آپ کے اس خیال کی تائید کی تھی۔ بہرحال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانتداری کا حضرت خدیجہؓ پر بڑا اثر تھا۔ جب اس نے آپ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کرنے کی تحریک کی تو آپ نے فرمایا اگر وہ راضی ہو جائیں تو میں ان سے شادی کرلوں گی۔ اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 25 سال کی تھی اور حضرت خدیجہؓ کی عمر 40 سال کی تھی گویا آپ حضرت خدیجہؓ سے 15 سال چھوٹے تھے۔ حضرت خدیجہؓ کی اس سہیلی نے جس نے شادی کی تحریک کی تھی کہا اگر آپ اجازت دیں تو میں اس بارہ میں کسی سے بات کروں۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا میں راضی ہوں اور میری طرف سے تمہیں اس بارہ میں بات کرنے کی اجازت ہے۔ چنانچہ وہ عورت حضرت خدیجہؓ کے رشتہ داروں کے پاس گئی۔ انہوں نے کہا اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) راضی ہو جائے تو ہمیں اس بات پر کوئی اعتراض نہیں۔ پھر وہ عورت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے دریافت کیا کہ آپ شادی کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا میرے پاس کوئی مال نہیں ہے جس سے میں شادی کروں۔ اس نے کہا اگر یہ مشکل دور ہو جائے تو پھر۔ آپ نے فرمایا وہ کون عورت ہے؟ اس نے کہا خدیجہ۔ آپ نے فرمایا میں اس تک کس طرح پہنچ سکتا ہوں؟ اس نے کہا یہ میرے ذمہ رہا۔ آپ نے فرمایا مجھے منظور ہے تب حضرت خدیجہؓ نے آپ کے چچا کی معرفت شادی کا پختہ فیصلہ کرلیا اور آپ کی شادی حضرت خدیجہؓ سے ہوگئی۔1

شادی کے بعد جب حضرت خدیجہؓ نے محسوس کیا کہ آپ کا حساس دل ایسی زندگی میں کوئی خاص لطف نہیں پائے گا کہ آپ کی بیوی مالدار ہو اور آپ اس کے محتاج ہوں تو انہوں نے ارادہ کرلیا کہ وہ اپنی تمام دولت آپ کی خدمت میں پیش کردیں گی تاکہ جب اور جیسے آپ چاہیں اسے خرچ کرسکیں۔ چنانچہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا میرے چچا کے بیٹے! (اُس وقت آپ ابھی رسالت کے منصب پر فائز نہیں ہوئے تھے اور عرب میں قاعدہ ہے جب بیویاں اپنے خاوندوں کو مخاطب کرتی

ہیں تو چچا کا بیٹا کہا کرتی ہیں) میں اپنا سارا مال اور غلام آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتی ہوں۔ آپ میری دلجوئی کریں اور میری اس پیشکش کو قبول فرمالیں۔ آپ نے فرمایا خدیجہ! منہ سے بات کہہ دینا آسان ہوتا ہے مگر بعد میں اس پر قائم رہنا مشکل ہوتا ہے تمہیں پتہ ہے میں غلامی کا سخت مخالف ہوں اور تمہارے غلام ہیں اگر تم نے وہ سارے غلام میرے سپرد کر دیئے تو میں انہیں فوراً آزاد کر دوں گا۔ اُس زمانہ میں بڑی جائیداد غلام ہی ہوتی تھی۔ آپ نے فرمایا خدیجہ! اگر میں نے تمہارے سب غلاموں کو آزاد کر دیا تو تم خفا تو نہیں ہوگی اور اپنے عہد پر قائم رہوگی؟ حضرت خدیجہؓ نے فرمایا آپ جس طرح چاہیں کریں مجھے کوئی اعتراض نہیں میں آپ کی خوشی میں ہی اپنی خوشی محسوس کرتی ہوں۔ چنانچہ آپ نے خانہ کعبہ میں لوگوں کو جمع کیا اور اعلان کیا کہ اے لوگو! گواہ رہو آج خدیجہ نے اپنا سارا مال مجھے دے دیا ہے اور مجھے اختیار دیا ہے کہ میں جیسے چاہوں استعمال کروں۔ سو آج میں نے اس کے سب غلام آزاد کر دیئے ہیں اب وہ جہاں چاہیں جاسکتے ہیں۔ گویا جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مشن کے لئے روپیہ کی ضرورت تھی تو اُس وقت وہ روپیہ ایک عورت نے ہی آپ کو مہیا کیا۔

پھر آپ کو عبادت کا شوق ہوا تو آپ شہر سے تین چار میل دور ایک پہاڑی کی چوٹی پر پتھروں کی بنی ہوئی ایک چھوٹی سی غار میں جسے حرا کہتے ہیں عبادت کے لئے تشریف لے جاتے۔ حضرت خدیجہؓ آپ کو تین چار دن کے لئے کھانا دے دیتیں جو ستوؤں اور کھجوروں پر مشتمل ہوتا تھا۔ جب وہ ختم ہوجاتا تو آپ واپس آتے اور حضرت خدیجہؓ پھر تین چار دن کی خوراک دے دیتیں اور آپ حرا میں واپس تشریف لے جاتے۔2

پھر جب آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ بہت گھبرائے۔ آپ نے خیال کیا کہ انسان چاہے کتنی بھی کوشش کرے خدا تعالیٰ کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں بھی خدا تعالیٰ کے حق کو ادا نہ کرسکوں اور اس طرح اس کی ناراضگی کا مورد بنوں۔

آپ حضرت خدیجہؓ کے پاس آ گئے اور فرمایا خدیجہ! آج جبریلؑ آیا ہے اور اس نے مجھے خدا تعالیٰ کا یہ حکم دیا ہے کہ جاؤ اور ساری دنیا کو خدائے واحد کی تبلیغ کرو لیکن میں ڈرتا ہوں کہ کہیں مجھ سے اس فرض کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہ ہو جائے۔ اس بات کو سنتے ہی فوراً حضرت خدیجہؓ نے کہا میرے چچا کے بیٹے! آپ گھبراتے کیوں ہیں کَلَّا وَاللّٰہِ لَایُخْزِیْکَ اللّٰہُ اَبَدًا اِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَ تَحْمِلُ الْکَلَّ وَ تَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِی الضَّیْفَ وَ تُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَق 3 خدا کی قسم! یہ کلام خدا تعالیٰ نے اس لئے آپ پر نازل نہیں کیا کہ آپ ناکام و نامراد ہوں اور خدا تعالیٰ آپ کو رسوا کر دے خدا تعالیٰ ایسا کب کر سکتا ہے۔ آپ تو وہ ہیں کہ رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرتے ہیں اور بے یارو مددگار لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور وہ اخلاق جو ملک سے مٹ چکے ہیں وہ آپ کی ذات کے ذریعہ دنیا میں دوبارہ قائم ہو رہے ہیں۔ مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور سچی مصیبتوں پر لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ کیا ایسے انسان کو خدا تعالیٰ کسی ابتلا میں ڈال سکتا ہے؟ اس نے اگر آپ پر کلام نازل کیا ہے تو اس لئے نہیں کہ آپ کو کسی دکھ میں ڈالے بلکہ اس لئے نازل کیا ہے کہ وہ آپ کی عزت بڑھائے۔

پھر سب سے پہلے جو آپ کے دعویٰ پر ایمان لائیں وہ حضرت خدیجہؓ ہی تھیں۔ گویا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لانے والی بھی ایک عورت ہی تھی۔ مؤرخین نے اس بات پر بڑی بحث کی ہے کہ سب سے پہلے کون مسلمان ہوا۔ بعض نے کہا ہے کہ سب سے پہلے ایمان لانے والی حضرت خدیجہؓ تھیں۔ بعض نے حضرت ابوبکرؓ کو پہلا مسلمان قرار دیا ہے اور شیعہ حضرت علیؓ کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ سب سے پہلے ایمان لائے۔ محققین نے لکھا ہے کہ اصل بات یہ ہے کہ عورتوں میں سے سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ ایمان لائیں۔ جواں سال مردوں میں سے حضرت ابوبکرؓ سب سے پہلے ایمان لائے۔ بچوں میں سے حضرت علیؓ کو سب سے پہلے ایمان لانے

کی سعادت نصیب ہوئی اور غلاموں میں سے حضرت زیدؓ پہلے ایمان لائے۔ بہرحال اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں پہلا مالی بوجھ اٹھانے والی ایک عورت ہی تھی جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر خدمت کی کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ان کی خدمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی محبت وفات کے بعد بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں جوش مارتی رہی۔ جب بھی کوئی بات ہوتی آپ فرماتے خدیجہؓ نے یوں کہا تھا، خدیجہؓ یوں کیا کرتی تھی۔ اور اس کی وجہ سے آپ کی نوجوان بیویاں چڑ جایا کرتی تھیں۔ مثلاً حضرت عائشہؓ جوان تھیں اور پھر آپ کی خدمت بھی کرتی تھیں۔ جب بات بات پر آپ حضرت خدیجہؓ کا ذکر فرماتے تو وہ بعض دفعہ چڑ جایا کرتیں۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ ! آپ کو کیا ہوگیا ہے! خدیجہؓ کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو جوان اور خدمت کرنے والی بیویاں دی ہیں مگر پھر بھی آپ ہر وقت اسی بڑھیا کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ! تجھے معلوم نہیں خدیجہؓ نے میرا ساتھ کس وفاداری کے ساتھ دیا تھا۔ ہر مصیبت میں اس نے میرا ساتھ دیا اور ہر مشکل کے وقت اس نے میرے لئے قربانی کی، کیا میں اسے بھول سکتا ہوں؟ تمہارا مقام اپنی جگہ ہے اور خدیجہؓ کا مقام اپنی جگہ ہے۔ اس نے میری اُس وقت خدمت کی جب ساری دنیا مجھے چھوڑ چکی تھی۔ وہ میرے دشمنوں کے مقابلہ میں میرے ساتھ پہاڑ بن کر کھڑی رہی۔[4]

پھر حضرت خدیجہؓ کی خدمات کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قدر اثر تھا کہ ایک دفعہ ان کی بہن ملنے کے لئے آئیں۔ ان کی آواز حضرت خدیجہؓ سے ملتی تھی۔ ان کی آواز جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں پڑی تو آپ کو یوں معلوم ہوا کہ گویا حضرت خدیجہؓ آگئی ہیں۔ تاریخ میں آتا ہے کہ آپ اس کی آواز سن کر بے قرار ہوگئے اور اس بے کلی کی حالت میں فرمانے لگے ہائے میری خدیجہؓ! ہائے میری خدیجہؓ! یعنی میری خدیجہ کہاں سے آگئی! لوگوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ ! خدیجہؓ کو تو

فوت ہوئے کئی سال گزر چکے ہیں یہ ان کی بہن ہے 5 اب دیکھ لو! حضرت خدیجہؓ کی وفات کے پندرہ سولہ سال بعد بھی ان کی آواز کے ساتھ ملتی جلتی آواز سن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بے تاب ہو کر ہائے میری خدیجہؓ کہہ اٹھنا اس بات کی کتنی واضح دلیل ہے کہ ان کی خدمات کا آپ کے دل پر گہرا اثر تھا اور وہ لمبا عرصہ گزر جانے کے باوجود بھی آپ کے دل سے محو نہیں ہوا تھا۔ تو اسلام کی ابتدا میں بھی عورتوں نے ہی زیادہ خدمات کی ہیں۔

جب آپ نے دعویٰ نبوت کیا تو سارے مکہ والے آپ کے مخالف ہو گئے۔ اُس وقت اگر آپ کو کہیں پناہ ملتی تھی تو آپ کی پھوپھی کی لڑکی ام ہانی کے گھر میں ملتی تھی۔ پرانے صحابہؓ کہا کرتے تھے کہ ہم ام ہانی کے گھر جا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دین سیکھا کرتے تھے۔

غرض پہلی ہستی جس نے آپ کی مالی خدمت کی اور غار حرا میں عبادت کے زمانہ میں آپ کو کھانا وغیرہ باقاعدگی سے پہنچایا وہ ایک عورت ہی تھی اور دعویٰ نبوت کے بعد جب سارا مکہ آپ کا مخالف ہو گیا تھا تو جس نے آپ کو پناہ دی وہ عورت ہی تھی۔

پھر تیسرا نازک ترین وقت آپ کی زندگی میں وہ آیا جب عرب کے تمام قبائل نے متحد ہو کر ایک بڑا لشکر مدینہ پر چڑھائی کے لئے بھیجا۔ اُس وقت مدینہ کے بعض یہودی قبائل بھی جو بظاہر مسلمانوں کے حلیف تھے دشمن کے ساتھ مل گئے تھے اُس وقت بھی ایک عورت ہی تھی جس نے ہمت سے کام لیا اور دشمن کے حملہ کو ناکام کر دیا۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے اس موقع پر مدینہ کے یہودی بھی مشرکین مکہ کے ساتھ مل گئے تھے اور باہر سے بیس سے چوبیس ہزار کے درمیان تعداد میں دشمن کا لشکر حملہ آور ہو رہا تھا۔ اس کے مقابلہ میں جو مسلمان تھے ان کی تعداد صرف بارہ سو تھی۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودیوں کی غداری کا علم ہوا تو چونکہ مستورات ان یہودیوں کے اعتبار پر اس علاقہ کی طرف رکھی گئی تھیں جدھر یہودی قبائل کے قلعے تھے اور اب وہ

بغیر حفاظت کے تھیں اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی حفاظت ضروری سمجھی اور بارہ سو کے قریب لشکر میں سے پانچ سو سپاہیوں کو عورتوں کی حفاظت کے لئے مقرر فرما دیا لیکن اس سے پہلے تمام عورتیں غیر محفوظ تھیں۔ ایک دن دشمن نے شدید حملہ کیا جس کی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ اطمینان سے نماز بھی نہ پڑھ سکے۔ دشمن سامنے سے حملہ کر رہا تھا اور یہودی اس بات کی تاڑ میں تھے کہ کوئی موقع مل جائے تو بغیر مسلمانوں کے شبہات کو ابھارنے کے وہ مدینہ کے اندر گھس کر مسلمان عورتوں اور بچوں کو قتل کر دیں۔ چنانچہ ایک دن یہودیوں نے ایک جاسوس بھیجا تا کہ وہ معلوم کرے کہ عورتیں اور بچے اکیلے ہی ہیں یا خاصی تعداد سپاہیوں کی ان کی حفاظت کے لئے مقرر ہے۔ جس خاص احاطہ میں خاص خاص خاندانوں کو جن کو دشمن سے زیادہ خطرہ تھا جمع کر دیا گیا تھا اس کے پاس اس جاسوس نے منڈلانہ شروع کر دیا اور چاروں طرف دیکھنا شروع کیا کہ آیا مسلمان سپاہی ارد گرد کہیں پوشیدہ تو نہیں۔ وہ اس تاڑ میں ہی تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہؓ نے اسے دیکھ لیا۔ اتفاقاً اُس وقت ایک ہی مسلمان وہاں تھا جو بیمار اور کمزور دل تھا۔ حضرت صفیہؓ نے اسے کہا کہ یہ آدمی دیر سے عورتوں کے علاقہ میں پھر رہا ہے اور چاروں طرف دیکھتا پھرتا ہے یہ یقیناً جاسوس ہے تم اس کا مقابلہ کرو۔ لیکن اس کمزور دل اور بیمار صحابی نے مقابلہ کرنے سے انکار کر دیا اور کہا مجھے ڈر آتا ہے۔ تب حضرت صفیہؓ نے خود ایک چوب اتاری اور اس جاسوس کی نظر بچا کر اس زور سے اسے ماری کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب وہ یہودی بیہوش ہو کر گرا تو وہ ننگا ہو گیا۔ حضرت صفیہؓ نے اس صحابی سے کہا اب ذرا اس پر کپڑا تو ڈال دو لیکن اس صحابی کا دل بہت کمزور تھا وہ پھر بھی کہنے لگا مجھے ڈر آتا ہے کہ کہیں یہ شخص زندہ ہی نہ ہو اور مجھے مار نہ دے۔ آخر کار حضرت صفیہؓ نے ہی جرأت کی۔ آپ اپنی آنکھوں پر کپڑا ڈال کر ایک طرف سے گئیں اور اس یہودی پر کپڑا ڈالا اور اس کے بعد اس کی مشکیں کس دیں۔6

پھر جب جنگ احد کے موقع پر دشمن کا ایک ریلا آیا اور مسلمان لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے دور دھکیل دیئے گئے اور صرف چند مسلمان آپ کے پاس رہ گئے اُس وقت دشمن کی طرف سے کچھ پتھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خَود پر لگے جس کی وجہ سے خَود کا کیل آپ کی پیشانی میں گھس گیا اور آپ بیہوش ہوکر مسلمانوں کی لاشوں پر گر پڑے۔ اس کے بعد بعض اور مسلمانوں کی لاشیں آپ کے جسم مبارک پر گریں اور مسلمانوں نے سمجھا کہ آپ شہید ہوگئے ہیں۔7 اُس وقت بھی مسلمان عورتیں ہی تھیں جنہوں نے اپنی وفاداری کا ایسا ثبوت پیش کیا کہ جس کی مثال دنیا میں ملنی مشکل ہے۔''

(مصباح جنوری 1957ء صفحہ 5 تا 9)

1: السیرۃ الحلبیۃ الجزء الاوّل صفحہ 231 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولٰی

2،3: بخاری کتاب الوحی باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللّٰہ ﷺ صفحہ 1 حدیث نمبر 3 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعۃ الثانیۃ

4،5: بخاری کتاب مناقب الانصار باب تزویج النبی ﷺ الخدیجۃ صفحہ 641 حدیث نمبر 3818، 3821 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعۃ الثانیۃ

6: السیرۃ النبویۃ لابن ھشام الجزء الثانی صفحہ 1014، 1015 زیرعنوان صفیۃ و حسان وما ذکرتہ عن جنبہ مطبوعہ دمشق 2005ء

7: السیرۃ النبویۃ لابن ھشام الجزء الثانی صفحہ 858، 859 زیرعنوان ما لقیہ الرسول یوم احد مطبوعہ دمشق 2005ء

رسول کریم ﷺ کی حفاظت کا وعدہ

حضرت مصلح موعود نے 26/ اکتوبر 1956ء کو انصار اللہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

''دیکھو اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا تھا کہ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ 1 وہ آپ کو لوگوں کے حملوں سے بچائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ سے زیادہ سچا اور کس کا وعدہ ہوسکتا ہے مگر کیا صحابہؓ نے کبھی آپ کی حفاظت کا خیال چھوڑا؟ بلکہ صحابہؓ نے ہر موقع پر آپ کی حفاظت کی۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر سے باہر ہتھیاروں کی آواز سنی تو آپ باہر نکلے اور دریافت کیا کہ یہ کیسی آواز ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم انصار ہیں چونکہ اردگرد دشمن جمع ہیں اس لئے ہم ہتھیار لگا کر آپ کا پہرہ دینے آئے ہیں۔ اسی طرح جنگ احزاب میں جب دشمن حملہ کرتا تھا تو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی طرف جاتا تھا۔ آپ کے ساتھ اُس وقت صرف سات سو صحابہ تھے کیونکہ پانچ سو صحابہؓ کو آپ نے عورتوں کی حفاظت کے لئے مقرر کر دیا تھا اور دشمن کی تعداد اس وقت سولہ ہزار سے زیادہ تھی لیکن اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور دشمن ناکام و نامراد رہا۔ میور جیسا دشمن اسلام لکھتا ہے کہ اس جنگ میں مسلمانوں کی فتح اور کفار کے شکست کھانے کی یہ وجہ تھی کہ کفار نے مسلمانوں کی اس محبت کا جو انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے تھی غلط اندازہ لگایا تھا۔ وہ خندق سے گزر کر سیدھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کا رخ کرتے تھے جس کی وجہ سے مسلمان مرد عورتیں اور بچے سب مل کر ان پر

حملہ کرتے اور ایسا دیوانہ وار مقابلہ کرتے کہ کفار کو بھاگ جانے پر مجبور کر دیتے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر کفار یہ غلطی نہ کرتے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کی بجائے کسی اور جہت میں حملہ کرتے تو وہ کامیاب ہوتے۔ لیکن وہ سیدھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کا رخ کرتے تھے اور مسلمانوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت تھی۔ وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ دشمن آپ کی ذات پر حملہ آور ہو اس لئے وہ بے جگری سے حملہ کرتے اور کفار کا منہ توڑ دیتے۔ ان کے اندر شیر کی سی طاقت پیدا ہو جاتی تھی اور وہ اپنی جان کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ یہ وہ سچی محبت تھی جو صحابہؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی۔'' (الفضل 24 مارچ 1957ء صفحہ 5)

1: المائدۃ: 68

رسول کریم ﷺ کی قوت قدسیہ کا واقعہ

حضرت مصلح موعود نے 9 نومبر 1956ء کو ربوہ میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب غزوہ حنین کے لیے تشریف لے گئے تو آپ کے ساتھ مکہ کے نومسلم بھی شامل ہو گئے تا کہ وہ جنگ کے میدان میں اپنے جوہر دکھائیں اور عربوں پر اپنا رعب بٹھائیں۔ اُنہی میں شیبہ نامی ایک شخص بھی تھا۔ وہ کہتا ہے میں بھی اس لڑائی میں شامل ہوا مگر میری نیت یہ تھی کہ جس وقت لشکر آپس میں ملیں گے تو میں موقع پا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دوں گا۔ جب لڑائی تیز ہو گئی اور اِدھر کے آدمی اُدھر کے آدمیوں میں مل گئے تو میں نے تلوار کھینچی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہونا شروع ہوا۔ اُس وقت مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے اور آپ کے درمیان آگ کا ایک شعلہ اٹھ رہا ہے جو قریب ہے کہ مجھے بھسم کر دے۔ اس کے بعد مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سنائی دی کہ شیبہ! میرے قریب ہو جاؤ۔ میں جب آپ کے قریب گیا تو آپ نے میرے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور کہا اے خدا! شیبہ کو شیطانی خیالوں سے نجات دے۔ شیبہ کہتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پھیرنے کے ساتھ ہی میرے دل سے تمام دشمنیاں اور عداوتیں اڑ گئیں اور آپؐ کی محبت میرے جسم کے ذرہ ذرہ میں سرایت کر گئی۔ پھر آپؐ نے فرمایا شیبہ! آگے بڑھو اور لڑو۔ تب میں آگے بڑھا اور اُس وقت میرے دل میں سوائے اس کے اَور کوئی خواہش نہیں تھی کہ میں اپنی جان قربان کر کے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بچاؤں۔ اگر اُس وقت میرا باپ بھی زندہ ہوتا اور میرے سامنے آ جاتا تو خدا کی قسم! میں اپنی تلوار سے اُس کا سر کاٹنے میں ذرا بھی دریغ نہ کرتا۔‘‘1

(الفضل 18 نومبر 1956ء صفحہ 5)

1: **السیرۃ الحلبیۃ الجزء الثالث** صفحہ 228 مطبوعہ بیروت 2012ء **الطبعۃ الاولٰی**

جنگ حنین اور نبی کریم ﷺ کی شجاعت

حضرت مصلح موعود نے 14 دسمبر 1956ء کو ربوہ میں خطبہ جمعہ کے دوران بیان فرمایا:۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب جنگِ حنین کے لیے تشریف لے گئے تو دشمن نے پہلے یہ چاہا کہ وہ شہر سے دور نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کرے۔ وہ علاقہ ان کا اپنا تھا اور وہ اس سے خوب واقف تھے اور پھر وہ سمجھتے تھے کہ وہ مسلمانوں سے تعداد میں زیادہ ہیں لیکن بعد میں کسی عقلمند شخص نے انہیں مشورہ دیا کہ شہر سے زیادہ دور نہ جاؤ بلکہ شہر کے قریب ہی اپنی صفیں بنا لو۔ یہ جگہ تنگ ہے اور اس کے دونوں طرف پہاڑیاں ہیں۔ مسلمان اگر تم پر حملہ آور ہوں گے تو وہ لازمی طور پر ان پہاڑیوں میں سے گزریں گے اس لیے تم درّہ کے دونوں طرف پہاڑیوں پر اپنے تیرانداز بٹھا دو۔ جب مسلمان حملہ آور ہوں تو دونوں طرف سے ان پر تیروں کی بارش کرو۔ چنانچہ انہوں نے اس کے مشورہ کو مان لیا۔ جب اسلامی لشکر حنین کے مقام پر پہنچا تو دشمن کے اکثر سپاہی پہاڑیوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئے اور کچھ سپاہی سامنے صف بند ہو کر کھڑے ہو گئے۔ مسلمانوں نے یہ سمجھ کر کہ لشکر وہی ہے جو سامنے کھڑا ہے آگے بڑھ کر اُس پر حملہ کر دیا۔ جب مسلمان آگے بڑھ چکے اور کمین گاہوں کے سپاہیوں نے سمجھا کہ اب ہم اچھی طرح مقابلہ کر سکتے ہیں تو اگلی کھڑی ہوئی فوج نے سامنے سے حملہ کر دیا اور پہلوؤں سے تیراندازوں نے بے تحاشا تیر برسانے شروع کر دیئے۔ یہ جنگ فتح مکہ کے قریب کے زمانہ میں ہی ہوئی تھی۔ مکہ کے غیر مسلموں نے بھی رسول کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ انہیں اس جنگ میں شامل ہونے کی اجازت دے دیں۔ ان کا خیال تھا کہ انہیں مسلمانوں کو اپنی بہادری دکھانے کا موقع مل جائے گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی۔ چنانچہ دو ہزار کے قریب مکہ کے غیر مسلم اسلامی لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے۔ یہ لوگ چلے تو بہادری دکھانے کے لیے تھے لیکن جب دونوں پہلوؤں سے تیراندازوں نے تیروں سے حملہ کر دیا تو وہ بے تحاشا پیچھے بھاگے اور جب ہزاروں پر مشتمل لشکر اور اس کے گھوڑے اور اونٹ ان چنیدہ صحابہؓ میں سے گزرے جو ہر میدان میں ثابت قدم رہنے کے عادی تھے تو اُن کے گھوڑے بھی بھاگ پڑے اور لشکرِ اسلامی کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ ایک صحابیؓ کہتے ہیں کہ جب ان دو ہزار غیر مسلموں کے گھوڑے ہمارے گھوڑوں کے پاس سے گزرے تو وہ بھی ڈر گئے اور پیچھے کو بھاگ پڑے۔ ہم نے انہیں روکنے کی بڑی کوشش کی مگر وہ بھاگتے ہی چلے جا رہے تھے اور ہماری ہر کوشش ناکام ہوگئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف چند آدمیوں کے ساتھ میدانِ جنگ میں کھڑے تھے اور دائیں اور بائیں سے تیر برس رہے تھے۔ صحابہؓ کو خطرہ پیدا ہوا کہ اب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کی کیا صورت ہوگی لیکن وہ آپؐ کی کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے۔ دو ہزار اونٹوں کے بھاگنے کی وجہ سے ان کی سواریاں اس قدر ڈر گئی تھیں کہ ان کے ہاتھ باگیں موڑتے موڑتے زخمی ہو گئے مگر اونٹ اور گھوڑے واپس لوٹنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی خچر کو ایڑ لگا کر دشمن کے لشکر کی طرف بڑھنے لگے تو حضرت ابوبکرؓ نے اپنی سواری سے اُتر کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خچر کی باگ پکڑ لی اور عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! تھوڑی دیر کے لیے پیچھے ہٹ آئیں یہاں تک کہ اسلامی لشکر جمع ہو جائے۔ اس وقت آگے بڑھنے کا موقع نہیں۔ دشمن دونوں طرف سے تیر برسا رہا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ابوبکر! میری خچر کی باگ چھوڑ دو اور پھر خچر کو ایڑ لگاتے ہوئے آپؐ نے اُس تنگ

راستہ پر آگے بڑھنا شروع کیا جس کے دائیں بائیں کمین گاہوں میں بیٹھے ہوئے سپاہی بے تحاشا تیراندازی کر رہے تھے اور فرمایا:

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِب[1]

میں خدا کا نبی ہوں۔ جھوٹا نہیں ہوں۔ اس لیے میدان سے فرار کرنا میری شان کے خلاف ہے۔ اگر دشمن دونوں طرف سے تیر برسا رہا ہے تو وہ مجھے کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا کیونکہ خدا تعالیٰ میرا محافظ ہے لیکن میری اس جرأت اور دلیری کی وجہ سے جو میں آٹھ ہزار تیراندازوں کی زد میں ہونے کے باوجود دکھا رہا ہوں یہ خیال نہ کرنا کہ میں خدا ہوں میں خدا نہیں ہوں بلکہ ایک بشر ہوں اور عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ ہاں! مجھے دشمن کا کوئی خطرہ نہیں کیونکہ میں خدا تعالیٰ کا سچا نبی ہوں اور پھر جس نبوت کا میں نے دعویٰ کیا ہے اُس کے متعلق پہلے سے یہ پیشگوئی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے لوگوں کے حملوں سے بچائے گا۔ پھر آپؐ نے حضرت عباسؓ کو جو بڑے جہیر الصوت تھے بلایا اور فرمایا عباس! آگے آؤ اور بلند آواز سے پکار کر کہو کہ اے سورۃ بقرہ کے صحابیو! اور اے بیعتِ رضوان کے صحابیو! خدا کا رسول تمہیں بلاتا ہے۔ چنانچہ حضرت عباسؓ آگے آئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں انہوں نے مسلمانوں کو آواز دی اور کہا اے سورۃ بقرہ کے صحابیو! یعنی اے وہ لوگو جو سورۃ بقرہ کے زمانہ سے مسلمان ہو اور جنہوں نے سورۃ بقرہ یاد کی ہوئی ہے اور اے بیعتِ رضوان کے صحابیو! خدا کا رسول تمہیں بلاتا ہے۔ صحابہؓ کہتے ہیں کہ غیر مسلموں کے ریلا کی وجہ سے ہماری سواریاں پاگلوں کی طرح دوڑتی جاتی تھیں اور انہیں واپس لَوٹانے کا کوئی طریق ہمارے ذہن میں نہیں آتا تھا۔ ہم اونٹوں اور گھوڑوں کو واپس کرنے کی کشمکش میں تھے کہ حضرت عباسؓ کی آواز ہمارے کانوں میں پڑی۔ اُس وقت یوں معلوم ہوا کہ ہم اِس دنیا میں نہیں ہیں بلکہ ہم مر چکے ہیں اور قبروں سے اٹھے ہیں، اسرافیل صور بجا رہا ہے اور ہم حساب دینے کے لیے خدا تعالیٰ کے سامنے جا رہے ہیں۔ جیسے

قرآن کریم میں آتا ہے کہ جب قیامت کے دن خدا تعالیٰ کی طرف سے آواز دی جائے گی تو لوگ بے تحاشا خدا تعالیٰ کی طرف بھاگ پڑیں گے۔ اِسی طرح اُس وقت ہم بھی سمجھتے تھے کہ اب ٹھہرنا ہمارے لیے ممکن نہیں اور سواریاں ہماری مُڑتی نہیں۔ ہم نے اس زور سے باگیں موڑیں کہ ہماری سواریوں کے سر پیٹھ سے لگ جاتے تھے لیکن جب باگیں ڈھیلی ہوتیں تو سواریاں پھر پیچھے کی طرف دوڑ پڑتیں۔ وہ صحابی کہتے ہیں جب حضرت عباسؓ کی آواز ہمارے کان میں پڑی اور ہم نے دیکھا کہ ہماری سواریاں ہمارے بس میں نہیں رہیں تو ہم میں سے بعض نے اپنی بھاگتی ہوئی سواریوں پر سے چھلانگیں لگا دیں اور ڈری ہوئی سواریوں کو انہوں نے خالی چھوڑ دیا کہ وہ جدھر چاہیں چلی جائیں اور بعض نے اپنی تلواریں میانوں سے باہر نکالیں اور ان سے اپنی سواریوں کی گردنیں کاٹ دیں اور خود پیدل دوڑ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف چل پڑے اور منہ سے یہ کہتے جاتے تھے کہ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! یَارَسُوْلَ اللّٰہ! آپ کا پیغام ہمیں پہنچ گیا ہے۔ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! ہم حاضر ہیں ہم حاضر ہیں[2]۔۔۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں کا لشکر جمع ہو گیا اور انہوں نے کفار پر حملہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن بھاگ گیا اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔۔۔۔ دشمن کی فوج کے سپاہی قید ہوئے، اُن کی عورتیں پکڑی گئیں اور ان کے اموال، غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ اسی قبیلہ میں سے تھیں۔ جب کفار کو شکست ہوئی تو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہنوں کے پاس آئے کیونکہ انہیں امید تھی کہ وہ ان کی وجہ سے اپنے اموال اور قیدی واپس لے سکیں گے۔ انہوں نے آپؐ کی بہنوں کو مخاطب کر کے کہا کہ تم اِس وقت ہماری مدد کر سکتی ہو۔ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے گھر میں پلے ہیں۔ تم اگر جاؤ اور ہماری سفارش کرو تو وہ تمہاری سفارش ضرور مان لیں گے اور ہمارے اموال اور قیدی ہمیں واپس لوٹا دیں

گے۔ چنانچہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! آپ نے اِس قوم میں پرورش پائی ہے آپ انہیں معاف کر دیں اور ان کے اموال اور قیدی واپس لوٹا دیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ایک ماہ تک انتظار کرنے کے بعد قیدی اور اموال مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے ہیں۔ ممکن ہے ان لوگوں کو اپنی طاقت پر غرور ہو اور انہیں خیال ہو کہ وہ دوبارہ مسلمانوں کا مقابلہ کریں گے اور فتح حاصل کر لیں گے اس لیے وہ کوئی سفارش لے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر نہ ہوئے۔ یا پھر ان کے ایک ماہ تک نہ آنے کی یہ وجہ ہو کہ انہیں یہ امید ہو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے قبیلہ میں پرورش پانے اور دودھ کے تعلق کی وجہ سے آپ ہی آپ ہمیں معاف فرما دیں گے۔ بہرحال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہارا ایک ماہ تک انتظار کیا ہے لیکن جب تم نہ آئے تو میں نے اموال اور قیدی مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے۔ اب دو باتوں میں سے ایک اختیار کر لو۔ یا تو تم اپنے قیدی چھڑوا لو یا اپنے اموال واپس لے لو۔ انہوں نے کہا ہم اپنی قوم سے مشورہ کر لیں۔ چنانچہ وہ قوم کے سرداروں کے پاس گئیں اور کہا اس وقت تمہیں یا تو قیدی مل سکتے ہیں اور یا اموال مل سکتے ہیں۔ تم جو چیز پسند کرو واپس لے لو۔ انہوں نے کہا ہمارے قیدی ہمیں واپس کر دیئے جائیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو جمع کیا اور فرمایا اس قوم کے مجھ پر بہت سے احسانات ہیں۔ ان کی ایک عورت نے مجھے دودھ پلایا ہے اور میری پرورش کی ہے۔ اب وہ میرے پاس آئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ میں ان کے اموال اور قیدی واپس کر دوں لیکن چونکہ وہ دیر سے آئے ہیں اس لیے میں نے ان کے سامنے یہ بات رکھی ہے کہ یا تو قیدی چُھڑوا لو اور یا اپنے اموال واپس لے لو۔ صحابہؓ نے عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! اگر اس قوم کے آپؐ پر احسانات ہیں تو ہم پر بھی احسانات ہیں۔ ہم ان کے قیدی چھوڑنے کے لیے بھی تیار ہیں اور ان کے اموال بھی واپس لوٹا دیں گے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا دیر سے آنے کی وجہ سے میں نے انہیں دو باتوں میں سے ایک کے انتخاب کرنے کا اختیار دیا تھا کہ یا تو وہ اپنے قیدی چھڑوالیں اور یا اپنے اموال واپس لے لیں اور انہوں نے قیدی چھڑوانے کو پسند کیا ہے۔ چنانچہ تم ان کے قیدی انہیں دے دو اور بھیڑ، بکریاں، اونٹ اور دوسرے اموال اپنے پاس رکھو۔ چنانچہ صحابہؓ نے سب قیدیوں کو آزاد کر دیا۔3''

(الفضل یکم مارچ 1957ء صفحہ 3، 4)

1: مسلم کتاب الجهاد باب غزوة حنين صفحہ 789، 790 حدیث نمبر 4612 تا 4615 مطبوعہ ریاض 2000ء الطبعة الثانية

2: السيرة النبوية لابن هشام الجزء الثانی صفحہ 1240 زیرعنوان رجوع الناس بنداء العباس مطبوعہ دمشق 2005ء

3: السيرة النبوية لابن هشام الجزء الثانی صفحہ 1288، 1289 زیرعنوان منّ الرسول على هوازن مطبوعہ دمشق 2005ء

غزوہ احد کی روشنی میں رسول کریم ﷺ کی سیرت

حضرت مصلح موعود نے 21 دسمبر 1956ء کو ربوہ میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''غزوہ اُحد ہمارے لیے اپنے اندر بہت سے سبق رکھتا ہے۔ چنانچہ اس کے ایک واقعہ کی طرف اس آیت ☆ میں اشارہ کیا گیا ہے جو میں نے ابھی تلاوت کی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگِ اُحد کے لیے تشریف لے گئے تو آپ نے تجویز کیا کہ اسلامی لشکر اپنے پیچھے پہاڑ رکھ لے تا کہ دشمن پیچھے سے حملہ آور نہ ہو سکے۔ ایک پہاڑی درّہ پر جہاں سے دشمن کے آنے کا امکان ہوسکتا تھا آپ نے پچاس سپاہیوں کو اس کی حفاظت کے لیے کھڑا کر دیا اور سپاہیوں کے افسر کو تاکید کی کہ یہ درّہ اتنا ضروری ہے کہ خواہ ہم مارے جائیں یا جیت جائیں تم نے اس جگہ سے نہیں ہلنا۔ لڑائی شروع ہوئی تو پہلے ہی ہلّہ میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور کفار میدان سے بھاگ نکلے۔ حضرت خالدؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ جب کفار بھاگے اور مسلمان اُن کے پیچھے دوڑے تو درّہ پر متعین سپاہیوں نے اپنے افسر سے کہا کہ اب تو دشمن کو شکست ہو چکی ہے اب ہمیں بھی جہاد میں حصہ لینے کا موقع دیا جائے۔ افسر نے اُن کو اس بات سے روکا اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ خواہ کچھ ہو جائے ہم مارے جائیں یا جیت جائیں تم نے اس جگہ سے نہیں ہلنا اس لیے میں تمہیں درّہ چھوڑنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

☆ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء:60) مرتب

انہوں نے کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ ہم فتح کے بعد بھی اس جگہ سے نہ ہلیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ مطلب تھا کہ دشمن سے اس درّہ کی حفاظت کی جائے۔ لیکن اب تو دشمن بھاگ چکا ہے اور مسلمانوں کو فتح ہو چکی ہے اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم یہیں ٹھہرے رہیں۔ افسر نے کہا تم جو چاہو کرو لیکن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی وجہ سے یہاں سے نہیں ہلوں گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ماتحت سپاہی پیغامی قسم کے تھے۔ انہوں نے خیال کیا کہ ہم تو معقول بات مانیں گے غیر معقول بات نہیں مانیں گے۔ اگر افسر کی ہر بات کو مان لیا جائے تو یہ شرک ہو جاتا ہے۔ اِس وقت ہمارا افسر کہتا ہے کہ بیشک مسلمانوں کو فتح ہو گئی ہے اور کفار بھاگ گئے ہیں لیکن تم یہاں سے نہ ہلو۔ یہ حکم معقول نہیں۔ ہم اپنی عقل سے کام لیں گے اور جہاد میں حصہ لے کر ثواب حاصل کریں گے۔ اب فیوچر (Future) کو کون جان سکتا ہے حال کو تو ہر شخص جانتا ہے۔ لیکن یہ بات مستقبل سے تعلق رکھتی تھی اور مستقبل کا علم نہ اُس افسر کو تھا اور نہ ماتحتوں کو۔ دونوں فریق نہیں جانتے تھے کہ آئندہ کیا ہو گا لیکن افسر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی وجہ سے اس بات پر اصرار کر رہا تھا کہ اس جگہ سے نہ ہلا جائے اور ماتحت سپاہیوں کا خیال تھا کہ ہم تو صرف معروف میں اس کی اطاعت کریں گے اور معقول بات مانیں گے غیر معقول بات کی اطاعت نہیں کریں گے۔ دشمن بھاگ چکا ہے اور مسلمان فوج کو فتح حاصل ہو چکی ہے۔ اب یہاں ٹھہرنا غیر معقول بات ہے جسے ہم ماننے سے قاصر ہیں۔ ہم جہاد میں حصہ لیں گے اور اس طرح ثواب حاصل کریں گے۔ گویا انہوں نے اپنی طرف رحمانی اور افسر کی طرف شیطانی بات منسوب کی۔ بہرحال وہ افسر کو اکیلا چھوڑ کر نیچے آ گئے۔ حضرت خالدؓ کی نظر دوڑتے ہوئے اس درّہ پر پڑی۔ جب انہوں نے اسے خالی پایا تو انہوں نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو بلایا۔ دونوں جرنیلوں نے اپنے بھاگتے ہوئے دستوں کو پھر سنبھالا اور اسلامی لشکر کا بازو کاٹتے ہوئے پہاڑ پر چڑھ گئے۔ جب

درّہ پر پہنچے تو افسر کے ساتھ صرف چند سپاہی تھے جو درّہ کی حفاظت کے لیے کھڑے تھے باقی سپاہی نیچے جا چکے تھے۔ دشمن فوج نے ان پر حملہ کر کے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اس کے بعد پُشت پر سے اسلامی لشکر پر حملہ آور ہو گئے۔ مسلمان سپاہی اُس وقت بکھرے ہوئے تھے۔ فوج کا ایک حصہ غنیمت کا مال جمع کر رہا تھا اور ایک حصہ دشمن فوج کا تعاقب کر رہا تھا اور مسلمان مطمئن تھے کہ درّہ پر متعین دستہ کی وجہ سے اُن کی پشت محفوظ ہے۔ اس لیے جب اچانک حملہ ہوا تو منتشر اسلامی فوج مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگ نکلی۔ صرف چند صحابہؓ دوڑ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد جمع ہو گئے اور دشمن نے اُس مقام پر جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے تھے شدت کے ساتھ حملہ کر دیا جس کی وجہ سے آپ کی حفاظت کرنے والے صحابہؓ میں سے بڑی تعداد شہید ہو گئی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی زخمی ہو گئے اور صحابہؓ کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ آپؐ شہید ہو گئے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ خبر مدینہ میں بھی جا پہنچی۔ اِس پر عورتوں اور بچوں میں بھی سخت کرب پیدا ہو گیا اور وہ دیوانہ وار اُحد کی طرف دوڑ پڑے۔

یہ سارا نتیجہ صرف پیغامیت کا تھا۔ اگر بعض لوگوں کے دلوں میں یہ پیغامی عقیدہ نہ ہوتا کہ ہم نے صرف معقول بات ماننی ہے تو مسلمانوں کو فتح کے بعد شکست نہ ہوتی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو تکلیف نہ پہنچتی۔ بہرحال درّہ کی حفاظت کرنے والوں نے پیغامی عقیدہ کے ماتحت افسر کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ انہیں پتا نہیں تھا کہ معقول بات کونسی ہے۔ افسر کا حکم معقول ہے یا وہ بات جو وہ کہہ رہے ہیں وہ معقول ہے۔ کیونکہ یہ بات مستقبل کے متعلق تھی اور مستقبل کا علم نہ افسر کو تھا اور نہ ماتحت سپاہیوں کو۔ اگر تم یہ کہو کہ امام اگر چوری کا حکم دے تو کیا پھر بھی اُس کی اطاعت کی جائے گی؟ تو ہم کہتے ہیں کہ وہ امام ہی کب رہے گا جو یہ کہے کہ چوری کرو۔ آخر وہ ایسی ہی بات کہے گا جو اجتہادی ہو گی اور اجتہادی بات وہی ہو گی

جو مستقبل سے تعلق رکھتی ہوگی اور مستقبل کا علم نہ امام کو ہوتا ہے اور نہ مقتدی کو ہوتا ہے تو پھر اختلاف کس بات کا رہا۔ امام ایک ایسے زمانہ کے متعلق بات کہتا ہے جس کا نہ اُسے علم ہے اور نہ مقتدی اسے جانتے ہیں۔ پھر ماتحت کو کس نے اجازت دی ہے کہ وہ کہے کہ میں تو اپنی عقل کے مطابق کام کروں گا اور امام کی بات نہیں مانوں گا۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو نتیجہ وہی ہوگا جو اُحد کے واقعہ میں ہوا۔ اُحد کی جنگ میں جب بعض مسلمانوں نے پیغامیت کا مظاہرہ کیا تو اس کے نتیجہ میں دشمن شکست کے بعد جیتا۔ کفار پیچھے کی طرف سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے اور انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بھی خیال کر لیا کہ آپ شہید ہو گئے ہیں۔ گو خدا تعالیٰ نے وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ [1] کی پیشگوئی کے مطابق آپ کو بچا لیا لیکن یہ خبر مدینہ میں بھی جا پہنچی کہ آپ شہید ہو گئے ہیں۔ چنانچہ ابوسفیان نے اُس وقت بڑے زور سے پکارا اور کہا ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مار دیا ہے۔ گویا اُس نے فخر سے اِس بات کا اعلان کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت اسلام کے جھوٹا ہونے کا ثبوت ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان کی بات کا جواب نہ دیا تا ایسا نہ ہو کہ دشمن حقیقتِ حال سے واقف ہو کر پھر حملہ کر دے۔ جب اسلامی لشکر کی طرف سے اِس بات کا کوئی جواب نہ ملا تو ابوسفیان کو یقین ہو گیا کہ اُس کا خیال درست ہے۔ پھر اس نے بڑے زور سے پکار کر کہا کہ ہم نے ابوبکر کو بھی مار دیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو بھی حکم دیا کہ کوئی جواب نہ دیں۔ پھر ابوسفیان نے بلند آواز سے کہا کہ ہم نے عمر کو بھی مار دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے جو بہت جوشیلے تھے اس کے جواب میں یہ کہنا چاہا کہ ہم لوگ خدا تعالیٰ کے فضل سے زندہ ہیں اور تمہارا سَر توڑنے کے لیے موجود ہیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عمر! خاموش رہو اور مسلمانوں کو تکلیف میں نہ ڈالو۔ جب ابوسفیان کو یقین ہو گیا کہ انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر تینوں کو شہید کر دیا ہے تو اُس نے بلند آواز سے کہا لَنَا عُزّٰی وَلَاعُزّٰی لَکُمْ۔ دیکھو! عُزّٰی دیوتا ہمارے ساتھ ہے تمہارے ساتھ کوئی عُزّٰی نہیں۔ اِس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا تم لوگ جواب کیوں نہیں دیتے؟ صحابہؓ نے عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! ہم کیا کہیں؟ آپ نے فرمایا کہو لَنَا مَوْلٰی وَلَامَوْلٰی لَکُمْ خدا تعالیٰ ہمارا والی اور نگران ہے لیکن تمہارا کوئی والی اور نگران نہیں۔ چنانچہ آپ کی یہ بات سچی نکلی۔ مسلمان پھر جمع ہوئے اور انہوں نے کفار کو شکست دے دی۔2

غرض جنگِ اُحد میں جو شکست مسلمانوں کو اُٹھانی پڑی وہ محض پیغامی عقیدہ کی وجہ سے تھی۔ اگر اُس وقت کوئی پیغامی عقیدہ نہ ہوتا اور وہ لوگ سمجھتے کہ ہمیں تو اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کی اطاعت کا حکم ہے اور یہ نہ کہہ دیتے کہ فتح کے بعد بھی اس مقام پر کھڑے رہنا بیوقوفی ہے تو مسلمانوں کو شکست نہ اُٹھانی پڑتی لیکن ان لوگوں نے پیغامی عقیدہ کے ماتحت اپنے افسر کی بات نہ مانی اور اپنی جگہ سے ہٹ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زخمی ہو گئے اور ایسی حالت میں مبتلا ہوئے کہ صحابہؓ کو خیال پیدا ہوا کہ آپؐ شہید ہو گئے ہیں۔ پیغامی عقیدہ یہی ہے کہ ہر بات میں اطاعت کرنی ناجائز ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہر بات کے یہ کہاں معنے ہیں کہ چوری یا زنا کا حکم بھی اس میں شامل سمجھ لیا جائے۔ اگر کوئی امام چوری یا زنا کا حکم دے گا تو وہ آپ ہی اپنے آپ کو اسلام سے خارج کر لے گا۔

اطاعت کے مفہوم میں بہرحال وہی سوال آئے گا جو شریعت کے مطابق ہو گا اور یہ سیدھی بات ہے کہ ایسے امور میں اگر نظام کو قائم رکھنا ہے تو امام کی بات مانی جائے گی کیونکہ کسی کو کیا علم ہے کہ مستقبل میں کیا ہونے والا ہے۔ نہ امام کو مستقبل کا علم ہو سکتا ہے اور نہ مقتدی کو۔ پھر یہ کیونکر سمجھ لیا جائے کہ امام کو تو مستقبل کا علم نہیں صرف مقتدی کو مستقبل کا علم ہے۔ اس لیے مقتدی اس بات کا حق رکھتا ہے کہ وہ مستقبل کے

متعلق فیصلہ کر لے اور امام کے خلاف کھڑا ہو جائے لیکن امام اس بات کا حق نہیں رکھتا کہ وہ مستقبل کے متعلق کوئی اندازہ لگائے اور مقتدیوں کو کوئی حکم دے۔ اگر مستقبل کا کوئی پتا نہیں لگ سکتا تو نہ امام کو اس کا پتا لگ سکتا ہے اور نہ مقتدی کو اس کا علم ہو سکتا ہے۔ اور اگر مستقبل کا پتا لگ سکتا ہے تو امام کو بھی اس کا پتا لگ سکتا ہے اور مقتدی کو بھی اس کا علم ہو سکتا ہے۔ گویا اگر مستقبل کا پتا نہیں لگ سکتا تو امام اور مقتدی دونوں کو نہیں لگ سکتا اور اگر پتا لگ سکتا ہے تو امام اور مقتدی دونوں کو لگ سکتا ہے۔ اگر مستقبل کا علم دونوں کو ہو سکتا ہے تب بھی دونوں برابر ہو گئے اور اس صورت میں اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کے ماتحت امام کے حکم کی اطاعت فرض ہو گئی۔ اور اگر دونوں کو پتا نہیں لگ سکتا تب بھی دونوں برابر ہو گئے اور اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کے ماتحت امام کے حکم کی اطاعت لازمی ہو گئی۔ اور اُحد کی عملی مثال ہمارے سامنے موجود ہے کہ درّہ پر متعین سپاہیوں نے اپنے افسر کے سامنے عقلی دلیل پیش کی اور اس عقلی دلیل سے انہوں نے خیال کیا کہ ان کے افسر کا حکم غلط ہے اور ہم نے جو بات سمجھی ہے وہ معقول ہے مگر باوجود اِس کے کہ انہوں نے اپنے نزدیک ایک معقول بات پر عمل کیا اُن کی بات غلط نکلی اور افسر کی بات ٹھیک نکلی۔ اور نتیجہ یہ نکلا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شدید تکلیف پہنچی اور پھر صحابہؓ کو بھی اتنی تکلیف پہنچی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق خیال کر لیا گیا کہ آپ شہید ہو گئے ہیں۔ آپ کی خَود کا کیل آپؐ کی پیشانی میں گُھس گیا اور ایک صحابی حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح نے اپنے دانتوں سے اسے نکالا جس کی وجہ سے اُن کے دو دانت ٹوٹ گئے اور صحابہؓ کو آپ کی اِس طرح حفاظت کرنی پڑی کہ حضرت طلحہؓ کے متعلق آتا ہے کہ وہ آپ کے چہرہ کے سامنے اپنا ہاتھ سیدھا کر کے کھڑے ہو گئے۔ دشمن نے خیال کیا کہ وہیں تیر مارنے چاہییں جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہیں کیونکہ وہی ایک مرکزی نقطہ ہیں۔ اگر وہ ختم ہو گئے تو اسلام ختم ہو جائے گا۔ حضرت طلحہؓ نے جب دیکھا کہ چاروں

طرف سے تیر آپ پر پڑ رہے ہیں تو وہ آگے آئے اور آپؐ کے چہرہ کے آگے انہوں نے اپنا ہاتھ کھڑا کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تیر پڑتے تھے لیکن حضرت طلحہؓ انہیں اپنے ہاتھ پر روک لیتے تھے۔ جنگ اُحد کے بعد کسی نے حضرت طلحہؓ سے دریافت کیا کہ جب تیر آپ کے ہاتھ پر پڑ رہے تھے تو کیا آپ کو درد نہیں ہوتی تھی اور کیا آپ کے منہ سے اُف نہیں نکلتی تھی؟ حضرت طلحہؓ نے جواب دیا درد بھی ہوتی تھی اور اُف بھی نکلنا چاہتی تھی لیکن میں اُف کرتا نہیں تھا۔ تا ایسا نہ ہو کہ اُف کرتے وقت میرا ہاتھ ہِل جائے اور تیر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ پر آ گرے۔3

اب تم سوچ لو کہ کُجا یہ کہ اگر کسی کے ہاتھ میں ایک معمولی سی سوئی بھی چُبھ جائے تو وہ اسے برداشت نہیں کر سکتا اور کُجا یہ کہ ایک شخص آدھ گھنٹہ یا پون گھنٹہ اپنا ہاتھ سیدھا کر کے کھڑا رہے اور چاروں طرف سے اُس پر تیر گر رہے ہوں اور وہ اُف تک نہ کرے۔ پھر اس بات کو بھی سوچو کہ تیر کا کافی وزن ہوتا ہے اور اُس کا آخری سِرا زیادہ بھاری ہوتا ہے۔ اب تصور کرو کہ تیر کا اگلا سِرا تو زخم میں چُبھا ہوا ہو اور دوسرا سِرا نیچے لٹک رہا ہو تو کتنی تکلیف ہو گی۔ پھر وہاں ایک تیر نہیں تھا بلکہ چار چار، پانچ پانچ تیر ایک ہی وقت میں حضرت طلحہؓ کے ہاتھ میں چُبھے ہوتے تھے اور اُن کے دوسرے سِرے نیچے لٹک رہے ہوتے تھے لیکن پھر بھی وہ کہتے ہیں کہ میں نے اُف تک نہیں کی اور اس لیے اُف نہیں کی کہ کہیں اُف کرنے سے میرا ہاتھ نہ ہِل جائے اور تیر بجائے میرے ہاتھ پر پڑنے کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک پر نہ پڑیں۔

غرض اِس قدر تکلیف جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کو پہنچی وہ صرف چند پیغامی عقیدہ رکھنے والوں کی وجہ سے پہنچی۔ ان چند پیغامیوں نے یہ کہا کہ یہ شرک ہے کہ کسی کی ہر بات مان لی جائے اور اس پر اعتراض نہ کیا جائے۔ جیسے

آجکل بیغامی لوگ مجھ پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کہتا ہے کہ اگر کوئی شخص مجھ پر سچا اعتراض بھی کرے گا تو وہ گنہگار ہوگا۔ اب دیکھو جنگ اُحد میں درّہ کی حفاظت پر متعیّن لوگوں نے سچا اعتراض کیا تھا یا نہیں؟ پھر وہ گنہگار ہوئے یا نہیں؟ انہوں نے اپنے افسر پر سچا اعتراض کیا اور کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ منشا نہیں ہو سکتا تھا کہ جنگ ختم بھی ہو جائے تب بھی تم اس درّہ پر کھڑے رہو۔ پس انہوں نے اپنے افسر پر سچا اعتراض کیا تھا مگر پھر بھی گنہگار ہوئے اور قرآن کریم میں اُن کے اِس گناہ کا ذکر کرتے ہوئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ مسلمانوں پر یہ مصیبت اس لیے نازل ہوئی کہ ان لوگوں سے غلطی ہوئی اور وہ افسر کے کہنے کے باوجود درّہ چھوڑ کر نیچے آ گئے۔4 غرض جنگ اُحد اس بات کی مثال ہے کہ بعض لوگوں نے اپنے افسر پر سچا اعتراض کیا اور پھر بھی گنہگار ہوئے۔ اگر فتح ہو جاتی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا جاتا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! کیا آپ کا یہ منشا تھا کہ اسلامی لشکر کو فتح بھی ہو جائے اور دشمن بھاگ جائے تب بھی ہم درّہ پر کھڑے رہیں؟ تو ممکن ہے آپؐ فرماتے کہ یہ تو بیوقوفی کی بات ہے۔ میرا منشا یہ نہیں تھا کہ تم لوگ فتح کے بعد بھی وہاں کھڑے رہو۔ گویا اگر کوئی ناگوار واقعہ پیش نہ آتا تو ممکن تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اُن لوگوں کی ہی تائید کرتے جو درّہ چھوڑ کر نیچے آ گئے تھے مگر چونکہ یہ بات مستقبل سے تعلق رکھتی تھی اور کسی کو یہ پتا نہیں تھا کہ دشمن واپس لوٹے گا اس لیے ماتحتوں نے غلطی کھائی ورنہ بظاہر فتح کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بھی یہ بات کہی جاتی تو ہوسکتا تھا کہ آپ اعتراض کرنے والوں کی بات کی ہی تصدیق کرتے اور فرماتے کہ یہ تو بیوقوفی کی بات ہے کہ دشمن بھاگ کر مکہ بھی پہنچ جائے تب بھی تم وہیں کھڑے رہو اس لیے میرے حکم کا یہ مطلب نہیں تھا کہ تم فتح ہونے کے بعد بھی وہیں کھڑے رہو۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ آیا کسی کو غیب کا علم تھا اور اسے معلوم تھا کہ کفار بھاگ کر مکہ پہنچ جائیں گے اور اسلامی لشکر فتح کے نقارے بجاتا ہوا مدینہ پہنچ جائے گا؟

یہ کسی کو بھی علم نہیں تھا۔ ہاں! نظر یہ آ رہا تھا کہ دشمن بھاگا جا رہا ہے اور مسلمانوں کو فتح ہوگئی ہے۔ مسلمان کفار کو مار رہے ہیں اور انہیں لُوٹ رہے ہیں۔ اس نظارہ کو دیکھتے ہوئے درّہ سے اُتر آنے والوں کا قیاس بظاہر صحیح تھا اور اُن کے افسر کا قیاس بظاہر غلط تھا۔ مگر باوجود اِس کے کہ اُن کے افسر کا قیاس بظاہر غلط تھا پھر بھی خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے افسر کی بات کیوں نہیں مانی؟ اور چونکہ انہوں نے اپنے افسر کی بات نہ مانی اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا دی اور مسلمانوں کی فتح کو ایک عارضی شکست میں بدل دیا۔'' (الفضل 5 مارچ 1957ء صفحہ 2 تا 4)

1: المائدۃ: 68

2: بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ احد صفحہ 684، 685 حدیث نمبر 4043 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعۃ الثانیۃ میں ''اللّٰہ مولانا ولا مولی لکم'' کے الفاظ ملتے ہیں۔

3: اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ جلد 2 صفحہ 470 زیرعنوان ''طلحۃ بن عبیداللّٰہ'' مطبوعہ بیروت 2006 (مفہوماً)

4: آل عمران: 154

رسول کریم ﷺ کی جنگ احد میں حکمت عملی

حضرت مصلح موعود نے 26 دسمبر 1956ء کو جلسہ سالانہ ربوہ میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

''اُحد کے موقع پر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی اور ابوسفیان نے خوشی کے نعرے لگائے اور کہا کہاں ہیں ''محمدؐ''؟ مطلب اُس کا یہ تھا کہ آپ فوت ہوگئے ہیں اگر زندہ ہوں گے تو یہ بولیں گے اور پھر ہم دوبارہ لَوٹ کر حملہ کر دیں گے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا کہ خاموش رہو۔ پھر انہوں نے کہا کہاں ہے ابوبکر؟ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا اور وہ چپ رہے۔ پھر اُس نے کہا کہاں ہیں عمر؟ حضرت عمرؓ کھڑے ہوگئے اور کہا کہ عمر تیرا سر توڑنے کے لئے موجود ہے مگر چونکہ دشمن اُس وقت بڑے جتھے میں تھا اور اسلامی لشکر کے پاؤں اُکھڑ گئے تھے اور بظاہر اُسے ایک شکست نصیب ہوئی تھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو بھی منع کر دیا۔ فرمایا اب بھی جواب نہ دیں۔1

ابوسفیان نے جب کہا کہ لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ اے مسلمانو! ہمارے لئے عُزیٰ بت ہے جو ہمارے ساتھ ہے تمہارے ساتھ کوئی نہیں۔ تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب جواب کیوں نہیں دیتے؟ پہلے تم جب آدمیوں کا نام لیا جارہا تھا تو جواب دینے کے لئے تیار تھے اب خدا کی بے عزتی کی جاتی ہے اب کیوں نہیں جواب دیتے؟ تو صحابہؓ نے کہا یارسول اللہ! کیا کہیں؟ فرمایا زور سے کہو لَنَا مَوْلٰی وَلَامَوْلٰی لَکُمْ2 خدا ہمارے ساتھ ہے تمہارے ساتھ کوئی خدا نہیں۔ تو قیامت تک اِنْشَاءَ اللّٰہُ احمدیوں کی نسل

اس کے محض فضل اور کرم سے باوجود ہماری کوتاہیوں اور غفلتوں کے کہ ہم اپنی اولادوں کی صحیح تربیت نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دے گا کہ وہ احمدیت اور اسلام کا جھنڈا اونچا رکھیں گے اور تمام عیسائی دنیا اور تمام غیر مذاہب کو پُکار کر کہیں گے کہ **لَنَا مَوْلٰی وَلَامَوْلٰی لَکُمْ** خدا ہمارے ساتھ ہے اور تمہارے ساتھ کوئی خدا نہیں ہے۔

(الفضل 17 مارچ 1957ء صفحہ 2)

1،2: **بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ احد** صفحہ 684، 685 حدیث نمبر 4043 مطبوعہ ریاض 1999ء **الطبعۃ الثانیۃ**

:

محمدیؐ باغات کی مثالیں

حضرت مصلح موعود نے 26 دسمبر 1956ء کو جلسہ سالانہ ربوہ میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۔1 اے مکہ والو! ہم نے تمہاری طرف بھی ایک رسول تمہارا نگران بنا کر بھیجا ہے جس طرح فرعون کی طرف موسیٰؑ کو رسول بنا کر بھیجا تھا۔ یعنی محمدؐ رسول اللہ مثیلِ موسیٰؑ ہیں اور موسیٰؑ کی قوم کے حالات ایک رنگ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی پیش آئیں گے۔ یعنی ان کو بھی دو باغ ملیں گے۔ اور موسیٰؑ کی طرح اُن کے زمانۂ نبوت میں بھی ایک باغ تو وہ ہوگا جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بغیر کسی اَور مامور کی مدد کے چلے گی۔ لیکن آخر میں اسلام کے تنزل کا دَور آجائے گا اور وہ کھیتیوں کی طرح رہ جائے گا۔ تب اللہ تعالیٰ موسوی سلسلہ کی طرح ایک مسیحِ محمدی بھیجے گا جس کی اُمت دوسرے باغ کی حیثیت رکھے گی۔ لیکن ہوگی وہ بھی محمدؐ رسول اللہ کی اُمت اور اس کا باغ بھی محمدؐ رسول اللہ کا باغ ہی کہلائے گا۔ لیکن اس فرق سے کہ چونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰؑ سے افضل ہیں موسوی سلسلہ کے دوسرے حصہ کی بنیاد جس مسیح سے پڑی تھی وہ مستقل نبی تھا۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے باغ کی بنیاد جس مسیح سے پڑے گی وہ امتی نبی ہوگا۔ یعنی وہ خود بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں ہوگا اور اُس کے ماننے والے بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہی ہوں گے۔

پس اُس کی کوئی جدا اُمت نہیں ہوگی بلکہ اُس کے ماننے والے اُس کے مرید کہلائیں گے۔ جیسا کہ جماعتِ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مرید کہلاتی ہے لیکن امت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کہلاتی ہے۔

اُمتِ محمدؐیہ کا بلند مقام

چنانچہ اس کا ثبوت کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں سے اُمتی نبی آتے رہیں گے سورۃ نساء رکوع 9 آیت 70 سے ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا یعنی اے لوگو! یاد رکھو ہمارے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا درجہ ہے کہ جو کوئی اللہ کی اطاعت کرے وَالرَّسُوْلَ اور اس رسول یعنی محمدؐ رسول اللہ کی اطاعت کرے فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وہ اُن لوگوں میں شامل ہو جائے گا جن پر خدا تعالیٰ نے انعام کیا۔ وہ کون لوگ ہیں؟ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وہ نبی اور صدیق اور شہداء اور صالحین ہیں۔ یعنی آپؐ کی اُمت میں داخل ہونے والے آپؐ کے فیض سے مستفیض ہو کر اور آپؐ کے نور سے منور ہو کر اور آپؐ کی روشنی کو حاصل کر کے اور آپؐ کے درس سے سبق سیکھ کر نبیوں اور صدیقوں اور شہداء اور صالحین کے مقام کو پہنچیں گے۔ لیکن فرماتا ہے یہ درجے صرف محمدؐ رسول اللہ کی اُمت میں مل سکتے ہیں کسی غیر کو حاصل نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ الرَّسُوْلَ کی اطاعت یعنی محمدؐ رسول اللہ کی اطاعت سے ہی نبی اور صدیق وغیرہ بن سکتے ہیں۔ قرآن کریم کی دوسری آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسرے نبیوں کی اطاعت کر کے انسان صدیق، شہید اور صالح بن سکتا ہے مگر نبی نہیں بن سکتا۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کر کے نبی، صدیق، شہید اور صالح سب درجے حاصل کر سکتا ہے۔

فلسطین اور کشمیر کے متعلق خدائی وعدہ

پس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو باغ مل گئے۔ ایک باغ مسیح موعودؑ کے ظہور سے پہلے زمانہ میں اور ایک باغ مسیح موعودؑ کے ظہور کے بعد کے زمانہ میں۔ چنانچہ پہلے زمانہ میں دنیوی لحاظ سے وہی باغ آپ کو ملا جو موسیٰؑ کی اُمت کو دنیوی لحاظ سے ملا تھا۔ یعنی فلسطین اور کشمیر کا علاقہ۔ فلسطین میں بھی بڑے باغات ہیں۔ میں نے 1924ء میں جب سفر کیا تو فلسطین بھی گیا تھا۔ میں ریل میں دمشق سے بیروت آیا۔ جب بیروت کے قریب پہنچے تو میں نے دیکھا کہ ریل شہر کے اندر داخل ہو رہی ہے اور ہر گھر میں باغیچے لگے ہوئے ہیں۔ اور دمشق میں مَیں نے دیکھا کہ گھر گھر میں نہریں جاری تھیں اور ہر گھر میں باغ لگا ہؤا تھا۔ اِسی طرح کشمیر کا حال ہے کہ وہاں چپے چپے پر باغ ہے۔ کچھ خودرَو اور کچھ مغل بادشاہوں کے لگائے ہوئے۔ پس قرآن کہتا ہے کہ دنیوی لحاظ سے محمدؐ رسول اللہ کو وہی باغ ملے گا جو موسیٰؑ کی اُمت کو ملا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلسطین کا اپنے نیک بندوں کو وارث بنائے گا یعنی مسلمانوں کو۔ پھر اللہ تعالیٰ یہودیوں کو فلسطین سے نکال کر کشمیر میں لایا اور اُس نے کشمیر کے لوگوں کو مسلمان بنایا۔ چنانچہ شیخ ہمدان ایران سے آئے اور اُن کے ذریعہ سے سارا کشمیر مسلمان ہو گیا۔

محمدؐ رسول اللہ کو موسوی باغ ملنے کی انجیل میں پیشگوئی

یہ خبر کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو موسوی باغ مل جائے گا اس کا ذکر انجیل میں حضرت مسیحؑ نے بھی کیا ہے۔ انجیل میں آتا ہے:۔

> ’’پھر وہ انہی تمثیلوں میں کہنے لگا کہ ایک شخص نے انگور کا باغ لگایا اور اُس کے چاروں طرف کھیرا اور کولھو کی جگہ کھودی اور ایک بُرج بنایا اور اسے باغبانوں کو سپرد کر کے پردیس چلا گیا۔ پھر موسم میں اُس نے ایک نوکر کو باغبانوں کے پاس بھیجا تا کہ وہ باغبانوں

سے انگور کے باغ کے پھل میں سے کچھ لے۔ انہوں نے اُسے پکڑ کر مارا اور خالی ہاتھ بھیجا (چونکہ یہ مثال ایک روحانی سلسلہ کی ہے اس لئے باغ کے مالک سے مراد خدا تعالیٰ ہے) اُس نے دوبارہ ایک اَور نوکر کو اُن کے پاس بھیجا۔ انہوں نے اُس پر پتھر پھینکے، اُس کا سر پھوڑا اور بے حرمت کر کے پھیر بھیجا۔ پھر اُس نے ایک اَور کو بھیجا۔ انہوں نے اُسے قتل کیا۔ پھر اَور بہتیروں کو۔ اُن میں سے بعض کو پیٹا اور بعض کو مار ڈالا۔ اب اُس کا ایک ہی بیٹا تھا (یعنی خود مسیح) جو اُس کا پیارا تھا آخر کو اُس نے اُسے بھی اُن کے پاس یہ کہہ کے بھیجا کہ وے میرے بیٹے سے دبیں گے۔ لیکن ان باغبانوں نے آپس میں کہا یہ وارث ہے آؤ ہم اِسے مار ڈالیں تو میراث ہماری ہو جائے گی۔ اور انہوں نے اسے پکڑ کے قتل کیا (اس میں مسیح کے صلیب پر لٹکائے جانے کی پیشگوئی تھی) اور انگور کے باغ کے پرے پھینک دیا (یعنی فلسطین سے نکالا اور نصیبین بھیج دیا جہاں سے وہ کشمیر چلا گیا) پس باغ کا مالک کیا کہے گا۔ وہ آوے گا اور اُن باغبانوں کو ہلاک کر کے انگوروں کا باغ اَوروں کو دے گا (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئیں گے اور اُن باغبانوں کو یعنی یہودیوں کو وہاں سے نکال دیں گے اور اپنی اُمت کو دے دیں گے)''[2]

اس جگہ خود مسیحؑ نے محمدؐ رسول اللہ کے روحانی بادشاہ ہونے کا اعلان کیا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا مظہر اور موسیٰؑ کو محض ایک کارندہ ثابت کیا ہے۔ اِس پیشگوئی سے ظاہر ہے کہ آخر اللہ تعالیٰ فلسطین اور اُمتِ موسویہ کا باغ محمدؐ رسول اللہ کے حوالے کر دے گا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو باغ مل

جائیں گے۔ دو مادی اور دو روحانی۔ مادی فلسطین اور کشمیر اور روحانی مسیحِ موسوی کی اُمت اور مسیحِ محمدیؑ کے متبع۔

کشمیر اور فلسطین میں جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات

اب دونوں مادی باغوں کو دیکھ لو۔

کشمیر میں بھی خدا کے فضل سے جو لوگ اس عزم کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں کہ ہم نے سارا ملک ہی مسلمان بنانا ہے وہ احمدی ہیں اور فلسطین میں بھی ایک ہی جماعت بیٹھی ہے اور وہ احمدی ہیں۔ یہ چیز بتاتی ہے کہ یہ پیشگوئی جو محمدؐ رسول اللہ کے ہاتھ میں فلسطین اور کشمیر لانے والی ہے احمدیوں کے ہاتھ سے ہی پوری ہوگی۔ پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے متعلق فرمایا تھا کہ اگر میرے زمانہ میں دس یہودی بھی مسلمان ہو جائیں تو سارے یہودی مسلمان ہو جائیں گے۔3 لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صرف ایک یہودی عالم مسلمان ہوا دو بھی نہیں ہوئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے احمدی مبلغ جو یہودی فلسطین کو اسلامی فلسطین بنانے کے لئے وہاں موجود ہیں ان کے ذریعہ سے اِس وقت تک تین یہودی مسلمان ہو چکے ہیں۔ اُن میں سے ایک بڑا مستشرق پروفیسر ہے، ایک ڈاکٹر ہے اور ایک تاجر پیشہ ہے اور ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ یہودی قوم کو پھر مسلمان بنائے گا اور وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ بگوش ہو جائیں گے اور بجائے اس کے کہ مسلمانوں کو توپیں اور بندوقیں لے کر فلسطین پر حملہ کرنا پڑے یہودی آگے بڑھ کر اپنے دروازے کھولیں گے اور کہیں گے کہ اے مسلمانو! ہم بھی تمہارے مسلمان بھائی ہیں آ جاؤ۔

غرض اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے کام لے کر تم لوگ جو کہ نہایت غریب سمجھے جاتے ہو اور جن کے کپڑوں کو دیکھ کر بعض شہری امراء تو حقارت کی نگاہ سے اپنے منہ پرے

پھیر لیتے ہیں تمہارے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ مقدر ہے کہ مسیح موعودؑ کے ذریعہ سے تم موسوی باغ پر قبضہ کرو اور اُسے محمدؐ رسول اللہ کے حوالے کرو۔ محمدؐ رسول اللہ کا مادی باغ کشمیر اِس وقت ہندوؤں کے قبضہ میں ہے اور فلسطین یہودیوں کے قبضہ میں ہے مگر خدا تعالیٰ احمدیوں کے ذریعہ سے یہ دونوں باغ پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس دلائے گا۔ اِسی طرح دونوں روحانی باغ بھی محمدؐ رسول اللہ کو مل جائیں گے یعنی مسیحِ موسوی کی اُمت بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پَیروؤں کے ذریعہ سے دوبارہ فتح کی جائے گی اور اسلام لائے گی اور پھر محمدؐ رسول اللہ کا باغ بن جائے گی اور مسیحِ محمدیؑ کے متبع جو ہیں وہ تو ہیں ہی شروع سے محمدؐ رسول اللہ کے۔ کہتے ہیں۔ ''کِس دی گولی تے کِس دے گہنے۔'' ہم تو ہیں ہی محمدؐ رسول اللہ کے غلام اور آپ کے باغ کے بُوٹے۔ ہم تو ہر وقت آپؐ ہی کی ملکیت ہیں۔ کبھی آپؐ کے حلقہء اطاعت سے باہر گئے ہی نہیں۔ موسوی سلسلہ کے لوگ یعنی یہودی وغیرہ بے شک نکلے اور باہر گئے مگر اُن کو بھی ہم محمد رسول اللہ کے دروازہ پر لائیں گے اور ہم تو ہیں ہی آپ کے دروازہ پر بیٹھے ہوئے۔ اس دروازہ کو ہم نے کبھی نہیں چھوڑا نہ چھوڑیں گے اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ بلکہ مسیحِ ناصریؑ کی اُمت جو عیسائی ہے اور حضرت موسیٰؑ کی براہِ راست اُمت جو یہودی ہے ان دونوں کے باغوں میں سے بھی روحانی پودے نکال نکال کر ہم محمدؐ رسول اللہ کے باغ میں لگاتے رہیں گے یہاں تک کہ محمدؐ رسول اللہ کا باغ آباد ہو جائے گا اور موسیٰؑ کا باغ بھی محمدؐ رسول اللہ کے باغ میں شامل ہو جائے گا۔

محمد رسول اللہ کا باغ دنیا کے چپّہ چپّہ پر پھیل جائے گا

محاورہ زبان میں بھی جسمانی یا روحانی اولاد درخت کہلاتی ہے۔ چنانچہ پنجابی والے تو خوب جانتے ہیں کہ جب کسی عورت کا بچہ مرجاتا ہے اور وہ بَیْن ڈالتی ہے تو کہتی ہے ''ہائے میرا باغ اُجڑ گیا، ہائے میرا بُوٹا کسے نے پُٹ

لیا''۔تو ہمارے ملک میں بچے اور اولاد کو بھی بُوٹا اور باغ ہی کہتے ہیں۔مگر لطیفہ یہ ہے کہ لوگ باغ لگاتے رہے اور باغ محمد رسول اللہ کو مل گئے۔موسیٰ علیہ السلام نے کوشش کر کے یہودی بنائے اور اُن کو فلسطین میں قائم کیا۔خدا نے محمد رسول اللہ کو بنا بنایا فلسطین دے دیا۔موسیٰؑ کی قوم ہجرت کر کے کشمیر آئی اور کشمیر بنا بنایا خدا نے محمد رسول اللہ کو دے دیا اور اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا لگایا ہؤا باغ بھی محمد رسول اللہ کو ہی مل گیا۔دنیا کے کناروں تک احمدی مبلغ تبلیغ کرتے ہیں اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھوا کر لوگوں کو اپنے ساتھ ملاتے ہیں۔یعنی جو درخت بھی اُن کو ملتا ہے وہ لا کر محمد رسول اللہ کے چمن میں لگا دیتے ہیں۔موسیٰؑ کے باغ میں تو صرف ایک بڑا درخت پیدا ہوا تھا جس کا نام داؤدؑ تھا۔مگر محمد رسول اللہ کے چمن کا ایک درخت یعنی مسیحِ موعود دعویٰ کرتا ہے کہ میں ہی محمد رسول اللہ کے چمن کا داؤد نامی درخت نہیں بلکہ مجھ سے اَور بیج بھی نکلنے والے ہیں جن سے بہت سے داؤد پیدا ہوں گے اور محمد رسول اللہ کے چمن میں ہزاروں داؤدی شجر پیدا ہو جائیں گے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

''اِک شجر ہوں جس کو داؤدی صفت کے پھل لگے۔''4

یعنی میں محمد رسول اللہؐ کے باغ کا ایک درخت ہوں جو خود ہی داؤد نہیں بلکہ میرے اندر جو پھل لگ رہے ہیں وہ بھی داؤد ہیں۔یعنی میں ہی داؤد نہیں بلکہ میرے ماننے والے مریدوں میں سے بھی ہزاروں داؤد پیدا ہوں گے۔

اور پھر فرماتے ہیں:۔

میں کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں
نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار5

اگر موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو بنی اسرائیل کی تعداد پر فخر ہے تو میرے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار نسلیں دے گا۔اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا باغ دنیا کے چپّہ چپّہ پر پھیل جائے گا۔ زمین کا کوئی گوشہ نہیں ہو گا جس میں محمد رسول اللہ کا باغ نہ لگا ہؤا ہو۔ اور دنیا کا کوئی انسان نہیں ہو گا جس کے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی کلی نہ کھلی ہوئی ہو۔

ابوجہل کے باغ کا درخت عکرمہؓ محمد رسول اللہ کے باغ میں لگایا گیا

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی یہی نمونہ اللہ تعالیٰ نے دکھایا اور لوگوں کے لگائے ہوئے درخت آپؐ کے چمن میں لا کر لگا دیئے۔ چنانچہ ابوجہل کے باغ کا انگور کا درخت ''عکرمہؓ'' وہاں سے اُکھیڑ کر آپؐ کے باغ میں لا کر لگا دیا گیا۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اِسی خیال کا اظہار فرماتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ جنت سے انگور کا ایک خوشہ لایا۔ جب میں نے اُس سے پوچھا کہ یہ خوشہ کس کے لئے ہے؟ تو اس نے کہا ابوجہل کے لئے۔ اِس پر میں گھبرا گیا کہ کیا خدا کا رسول اور اُس کا دشمن دونوں جنت میں ہوں گے؟ مگر جب عکرمہؓ ابوجہل کا بیٹا مسلمان ہؤا تو میں نے سمجھا کہ یہ اس خواب کی تعبیر ہے۔[6] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کے انگور کا خوشہ تو ابوجہل کے گھر میں آنا تھا مگر اُس وقت آنا تھا جب اُس کے باغ میں سے عکرمہؓ کے انگور کا درخت اُکھیڑ کر محمد رسول اللہ کے باغ میں لگایا جانا تھا۔

خالدؓ بھی ولید کے چمن سے اُکھیڑ کر محمد رسول اللہ کے چمن میں لگایا گیا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے مشہور دشمن ولید اور عاص بن وائل تھے۔ ولید کا بیٹا خالدؓ تھا۔ وہ ولید کے چمن سے اکھیڑ کر محمد رسول اللہ کے چمن میں لگا دیا گیا اور آج عالَمِ اسلام خالدؓ بن ولید جیسے بہادر جرنیل کے کارناموں پر فخر کرتا ہے۔ وہ بُوٹا تھا محمد رسول اللہ کے ایک شدید دشمن کا۔ لیکن اُس نے پھل تب دینے شروع کئے جب اُسے محمد

رسول اللہ کے باغ میں آ کر لگایا گیا۔ اس سے پہلے وہ مکہ کے ایک نمبر دار کا بیٹا تھا لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باغ میں لگنے کے بعد روم اور کسریٰ کے بادشاہ اُس کے سائے میں بیٹھنے لگ گئے۔ اسی طرح اَور بھی بہت سی مثالیں اُس زمانہ کے لوگوں کی ملتی ہیں۔

وہ درخت جو براہِ راست محمد رسول اللہ نے لگائے

اس کے علاوہ آپؐ کے باغ کے کچھ درخت وہ تھے جو براہِ راست آپؐ نے لگائے تھے جیسے ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ۔ ابوبکرؓ کے خاندان کی ایسی ادنیٰ حالت تھی کہ اُن کے خلیفہ ہونے پر کوئی شخص دَوڑا دَوڑا گیا اور جا کر اُس نے آپ کے باپ کو اطلاع دی۔ ابو قحافہؓ اُن کا نام تھا، وہ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن کو کہنے لگا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں لوگ بڑے گھبرائے اور انہوں نے کہا اب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد کیا بنے گا؟ وہ کہنے لگا اُن کے بعد ایک خلیفہ مقرر ہو گیا ہے۔ لوگوں نے کہا کون خلیفہ ہؤا ہے؟ اُس نے کہا ابوبکرؓ۔ ابو بکرؓ کا باپ اپنے آپ کو اتنا ادنیٰ سمجھتا تھا کہ ابو قحافہؓ کہنے لگا کون ابوبکر؟ اُس نے کہا ابوبکر تمہارا بیٹا۔ وہ کہنے لگا ہیں! میرے بیٹے کو عربوں نے سردار مان لیا ہے؟ کیا مکہ کے قریش اور بنو ہاشم اور بنو عبدِ شمس نے میرے بیٹے کی بیعت کر لی ہے؟ یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ ابھی تک اُس کا ایمان کمزور تھا۔ اُس نے کہا سب نے کر لی ہے۔ ہر اک نے آگے آگے بڑھ کر بیعت کی۔ عمر خطابؓ نے بھی کی، عثمانؓ نے بھی کی اور باقی صحابہؓ نے بھی کی اور مہاجرین نے بھی کی اور انصار نے بھی کی۔ جب اُس نے یہ سنا تو اُس پر اتنا اثر ہؤا کہ اُس کے دل کی جو کمزوریٔ ایمان تھی وہ دور ہو گئی اور کہنے لگا لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اگر محمد رسول اللہ کے بعد لوگوں نے میرے بیٹے کی بیعت کر لی ہے اور محمد رسول اللہ کا اتنا اثر ہے اور اتنی برکت ہے تو پھر اُن کے خدا کا رسول ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔[7]

حضرت ابوبکرؓ کا قیصر و کسریٰ پر رُعب

لیکن اِدھر تو یہ حالت تھی کہ باپ اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھا کہ میرا بیٹا خلیفہ ہوسکتا ہے اور اُدھر یہ حالت تھی کہ ابوبکرؓ آرام سے ایک کچی کوٹھڑی میں مدینہ میں بیٹھے ہوئے تھے لیکن قیصر اپنے محل میں اُن کے نام سے کانپ رہا تھا اور کسریٰ اپنے محل میں ایران میں بیٹھا ہوا ہزار ہزار میل پر کانپ رہا تھا۔ ابوبکرؓ ابوقحافہؓ کا بیٹا جس کو مکہ میں بھی کوئی عظمت حاصل نہیں تھی وہ مدینہ کی کچی کوٹھڑی میں بیٹھا تھا لیکن قیصر قسطنطنیہ میں ایک بڑے پکّے محل میں بیٹھا ہؤا تھا اور کسریٰ ایران میں ایک بڑے پکّے محل میں بیٹھا ہؤا تھا لیکن ابوبکرؓ کا نام آتا تھا تو کانپ جاتے تھے۔ یہی حال عمرؓ کا تھا، یہی حال عثمانؓ کا تھا، یہی حال حضرت علیؓ کا تھا۔''

(سیر روحانی جلد سوم صفحہ 92 تا 99 ناشر الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ)

1: المزمل: 16

2: مرقس باب 12 آیت 1 تا 9 نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزا پور 1870ء

3: مسلم کتاب صفات المنافقین واحکامھم صفحہ 1217 حدیث نمبر 7058 مطبوعہ ریاض 2000ء الطبعة الثانية

4: درثمین اردو صفحہ 131 شائع کردہ نظارت اشاعت ربوہ

5: درثمین اردو صفحہ 123 شائع کردہ نظارت اشاعت ربوہ

6: السیرة الحلبیة الجزء الثالث صفحہ 198 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعة الاولیٰ

7: اسد الغابة فی معرفة الصحابة جلد 3 صفحہ 126 زیر عنوان ''عبداللّٰہ بن عثمان بن عامر (ابوبکر صدیق)'' مطبوعہ بیروت 2006ء الطبعة الاولیٰ

محمدی باغات کے نمونے

حضرت مصلح موعود نے 26 دسمبر 1956ء کو جلسہ سالانہ ربوہ میں خطاب کرتے ہوئے محمدی باغات کے مضمون کے تسلسل میں فرمایا:۔

''بے شک ایسی مثالیں شاذ و نادر ہوتی ہیں مگر پھر بھی محمد رسول اللہ کے باغ میں ایسی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد عمر بن عبدالعزیزؒ بھی ایک ایسا ہی پودا آپؐ کے باغ میں پیدا ہؤا اور پھر مادی باغوں سے علیحدہ ہو کر روحانی باغوں نے اپنی نشوونما شروع کر دی۔ محمدی باغوں میں ایک پودا حسن بصریؒ کا لگا، ایک جنید بغدادیؒ کا لگا، ایک سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک محی الدین صاحب ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک بہاؤالدین صاحب نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک معین الدین صاحب چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک قطب الدین صاحب بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک فرید الدین صاحب شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک نظام الدین صاحب اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک حضرت باقی باللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک مجدد صاحب سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک خواجہ میر ناصر رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ کا لگا، ایک سید احمد صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا لگا اور سب سے آخر میں باغِ محمدی کی حفاظت کرنے والے درخت مسیح موعودؑ کا پودا لگا جس

کو خود مسلمانوں نے بدقسمتی سے کاٹ کر چاہا کہ محمدی باغ میں لوگ گھس جائیں، بکریاں اور بھیڑیں گھس جائیں اور محمدی باغ کو تباہ کر دیں۔ مگر وہ پودا اِس شان کا تھا کہ اُس نے کہا:۔

اے آنکہ سُوئے من بدویدی بصد تبر
ازباغبان بترس کہ مَن شاخِ مثمرم

اوشخص! جو کہ سَو کلہاڑے لے کر میرے کاٹنے کے لئے دوڑا آ رہا ہے میرے باغبان خدا سے یا محمد رسول اللہ سے ڈر کہ میں وہ شاخ ہوں جس کو پھل لگے ہوئے ہیں۔ اگر تُو مجھے کاٹے گا تو محمد رسول اللہ کا پھل کٹ جائے گا اور نتیجہ یہ ہو گا کہ محمد رسول اللہ کا باغ بے ثمر رہ جائے گا۔ پس تُو مجھے نہیں کاٹ رہا تُو محمد رسول اللہ کے باغ کو اُجاڑ رہا ہے اور خدا کبھی برداشت نہیں کرے گا کہ محمد رسول اللہ کا باغ اُجڑے وہ ضرور اس کی حفاظت کرے گا۔

محمد رسول اللہ کے باغ کی حفاظت کے لئے خدا تعالیٰ کی تجلّیات

چنانچہ آسمان سے اللہ تعالیٰ مسیح موعودؑ کی حفاظت کے لئے اُترا اور باوجود مولوی عبدالجبار، مولوی عبدالحق، مولوی احمد بن عبداللہ غزنوی، مولوی عبدالواحد بن عبداللہ غزنوی، مولوی محمد حسین بٹالوی، مولوی ثناء اللہ امرتسری اور اَور سینکڑوں ہزاروں مولویوں اور مولوی نذیر حسین دہلوی کے فتووں اور دیوبندیوں کے جوش کے اور جمعیۃ العلماء کی تمام طاقتوں کے اور 1953ء کا فساد پیدا کرنے والے علماء کی کوششوں کے، باوجود اس کے کہ سب نے اکٹھا ہو کر حملہ کیا اللہ تعالیٰ سینہ سپر ہو کر کھڑا ہو گیا کہ میں محمد رسول اللہ کے باغ کو نہیں اُجڑنے دوں گا۔ یہ تو باڑ ہے محمد رسول اللہ کے باغ کی۔ مسیح موعودؑ کو تم ایک انسان سمجھتے ہو مگر فرمایا میں جانتا ہوں کہ یہ محمد رسول اللہ کے باغ کی باڑ ہے اس کے کٹنے سے محمد رسول اللہ کا باغ اُجڑتا ہے اور محمد رسول اللہ میرا محبوب

ہے۔ میں اپنے محبوب کی وفات کے بعد اُس کے باغ کو دشمنوں کو اُجاڑنے نہیں دوں گا۔ تم مولوی ہو یا عالم ہو یا لیڈر ہو میں تمہاری کیا پروا کرتا ہوں۔ میں محمد رسول اللہ کی جوتیوں کے برابر بھی تم کو نہیں سمجھتا۔ محمد رسول اللہ کے باغ یعنی اُس کی امت کی حفاظت کے لئے میں اس کو زندہ رکھوں گا اور یہ ایک اَور جماعت کھڑی کرے گا۔ جس طرح کیلے کے ساتھ اَور کیلے پیدا ہو جاتے ہیں اِسی طرح تم تو کہتے ہو کہ اس کے جو مرید ہیں وہ شیطان ہیں اور ابلیس کے فرزند ہیں مگر میں بتاؤں گا کہ یہ ملائکہ ہیں جو محمد رسول اللہ کے باغ کی حفاظت کے لئے آئے ہیں۔

غرض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کی تدبیر سے مسیح موعودؑ اور پھر اُن کی جماعت کے ذریعہ سے محمد رسول اللہ کے باغ کی باڑ کاٹے جانے سے بچ گئی۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیشگوئی پوری ہوئی کہ اس اُمت کو کیا خطرہ ہوسکتا ہے جس کے اوّل میں ہوں اور آخر میں مسیح موعودؑ۔1 یعنی میرے باغ کے ایک طرف باڑ میں ہوں اور ایک طرف مسیح موعودؑ۔ نہ خدا مجھے کٹنے دے گا کہ میرا باغ اُجڑے نہ خدا مسیح موعودؑ کو کٹنے دے گا کہ میرا باغ اُجڑے۔ ہم دونوں کے کاٹے جانے سے باغِ محمدی اُجڑتا ہے اور یہ باغ خدا کا لگایا ہؤا ہے خدا اپنے لگائے ہوئے باغ کو اُجڑنے نہیں دے گا۔ میں بھی باڑ ہوں اس باغِ محمدی کی اور مسیح موعودؑ بھی باڑ ہے اس باغِ محمدی کی۔ نہ وہ مجھے کٹنے دے گا اور نہ وہ مسیح موعودؑ کو کٹنے دے گا۔ وہ باغِ محمدی کو آباد رکھنے کے لئے اُس کی باڑ کو سلامت رکھے گا اور قیامت تک وہ باغ چلے گا اور اس کو کوئی نہیں کاٹ سکے گا۔

باغِ محمدی کے مقابلہ میں دنیوی بادشاہوں کے بے حقیقت باغات

اب دیکھو ایک طرف دُنیوی بادشاہوں کے باغ ہیں، وہ کتنے چھوٹے ہیں اور کتنی کم عمر کے ہیں۔ دوسری طرف قرآنی محمدی باغ ہیں۔ پھر ایک باغ نہیں دو باغ ہیں اور ان کی عمر اتنی

لمبی ہے کہ محمد رسول اللہ سے لے کر قیامت تک ممتد ہے۔ پس کُجا وہ دُنیوی بادشاہوں کے باغ جو میں نے 1938ء میں دیکھے تھے اور کُجا یہ محمد رسول اللہ کا باغ جس کا ذکر میں آج 1956ء میں کر رہا ہوں۔ ان دونوں کا مقابلہ کر کے بے اختیار منہ سے نکلتا ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

بڑی برکت والا ہے ہمارا خدا جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا انسان بھیجا جس نے قیامت تک کے لئے دنیا کی ہدایت کا بیڑا اٹھا لیا۔ پھر بڑی برکت والا ہے وہ خدا جس نے مسیح موعودؑ جیسا غلام محمد رسول اللہ کو دیا جس نے محمد رسول اللہ کا باغ جب اُجڑ کے کھیتی بننے لگا تھا پھر اس کو باغ کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ اور اُس کے پودوں کو دنیا کے کناروں تک پھیلا دیا تا کہ وہ ہر ملک میں جائیں، ہر قوم میں جائیں، ہر جگہ پر جا کے وہاں کے عیسیٰؑ کے باغ کے پودوں کو نکال نکال کر محمد رسول اللہ کے باغ میں لگائیں اور موسیٰؑ کے باغ کے پودوں کو اُکھیڑ اُکھیڑ کر محمد رسول اللہ کے باغ میں لگائیں، یہاں تک کہ دنیا کے چپّے چپّے میں محمد رسول اللہ کا باغ لگ جائے اور نہ عیسیٰؑ کا باغ رہے نہ موسیٰؑ کا باغ رہے، وہ ساری اُجاڑ بستیاں بن جائیں۔ آباد بستی اور ہرا باغ صرف محمد رسول اللہ کا ہو جو قیامت تک چلتا چلا جائے۔''

(سیر روحانی جلد سوم صفحہ 102 تا 104 ناشر الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس ربوہ)

سیر روحانی کے موضوع پر مندرجہ بالا خطاب کرنے کے بعد حضور نے فرمایا:۔

''اب میں دعا کروں گا آپ بھی رستہ میں دعائیں کرتے جائیں کہ اللہ تعالیٰ احمدیت کو دن دُگنی اور رات چَوگنی ترقی دیتا چلا جائے اور محمد رسول اللہ کا باغ اور اس کے بعد جو اس کو دوسری زندگی مسیح موعودؑ نے بخشی ہے وہ باغ قیامت تک آباد ہوتا چلا جائے اور مسیحیوں کی طرح وہ دن نہ لائے کہ ہم موسیٰؑ کا باغ مسیحؑ کے حوالے کر دیں بلکہ

ہم مسیحؑ کے باغ کو بھی محمد رسول اللہ کے حوالے کریں۔ اور کبھی کوئی شیطان اور خنّاس ایسا پیدا نہ ہو جو ہمارے دل میں یہ وسوسہ ڈالے کہ مسیح موعودؑ جو محمد رسول اللہ کا غلام تھا وہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ محمد رسول اللہ کا ہمسر تھا بلکہ ہمیشہ ہم اس کو غلام ہی سمجھتے رہیں اور ہمیشہ اس کے کام کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام اور اس کی جماعت کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سمجھتے رہیں اور محمد رسول اللہ کے مقابلہ میں اس کو ایک ادنیٰ غلام اور ایک چھوٹا شاگرد ہی سمجھتے رہیں جس کے ذریعہ سے خدا نے محمد رسول اللہ کی عظمت قائم کی ہے۔ ہم یقین رکھیں کہ مسیح موعودؑ کو جو کچھ ملا ہے محمد رسول اللہ کے طفیل ملا ہے۔ اور ہم کو جو مسیح موعودؑ سے ملا ہے وہ بھی محمد رسول اللہ کا ہی انعام ہے۔ جو ہمارا ہے وہ مسیح موعودؑ کا ہے جو مسیح موعودؑ کا ہے وہ محمد رسول اللہ کا ہے اور ہر چیز سمٹ کے آخر محمد رسول اللہ کے ہاتھوں میں جاتی ہے اور ہر بوٹا اُکھیڑا جا کر آخر محمد رسول اللہ کے باغ میں لگتا ہے۔ سو یہ دعائیں رستہ میں کرتے چلے جاؤ۔ دعا کے بعد میں رخصت کروں گا۔ رستہ میں بھی دعائیں کرتے چلے جانا کہ اللہ تعالیٰ اپنی برکتوں سے ہماری حفاظت کرے اور اپنے دین اسلام کی حفاظت کرے اور اس کی ترقی کے پھر سامان پیدا کرے۔ اور اللہ تعالیٰ پھر اپنی برکت اور رحمت سے قادیان ہم کو واپس دلائے تا کہ وہ جو اصل مرکز ہے ہم پھر وہاں جائیں۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ربوہ میں زمین نہ خریدو۔ دیکھو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ بسایا تھا پھر مدینہ بھی آباد رہا اور مکہ بھی۔ تو یہ کبھی نہ وہم کرنا کہ ربوہ اُجڑ جائے گا۔ ربوہ کو خدا نے برکت دی ہے، ربوہ کے چَپّہ چَپّہ پر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کے نعرے لگے ہیں، ربوہ کے چَپّہ چَپّہ پر محمد رسول اللہ پر درود بھیجا گیا ہے۔ خدا اس زمین کو کبھی ضائع نہیں کرے گا جس پر نعرہ تکبیر لگے ہیں اور محمد رسول اللہ پر درود بھیجا گیا ہے۔ یہ بستی قیامت تک خدا تعالیٰ کی محبوب بستی رہے گی اور قیامت تک اس پر برکتیں نازل ہوں گی۔ اس لئے یہ کبھی نہیں اُجڑے گی، کبھی تباہ نہیں ہوگی بلکہ محمد رسول اللہ کا نام ہمیشہ یہاں

سے اونچا ہوتا رہے گا اور قادیان کی اتباع میں یہ بھی محمد رسول اللہ کا جھنڈا دنیا میں کھڑا کرتی رہے گی اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔''

(الفضل 14 مارچ 1957ء صفحہ 3)

1: **کنزل العمال** جلد 14 صفحہ 269 حدیث نمبر 38682 مطبوعہ دمشق 2012ء

رسول کریم ﷺ کے لیے آیات بینات کا ظہور

حضرت مصلح موعود نے 22 مارچ 1957ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

''قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ [1] یعنی ہم نے ایسی آیتیں اتاری ہیں جو حقیقتِ حال کو کھول کر رکھ دیتی ہیں اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر لیتے ہیں وہ انہیں سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہب ایسی باتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جو زیادہ تر غیب میں ہوتی ہیں اس لیے وہی مذہب انسان کو فائدہ دے سکتا ہے اور وہی مذہب انسان کو ہدایت دے سکتا ہے جس میں آیاتِ بیّنات ہوں۔ یعنی ایسے نشان ہوں جو کہ غیب کو کھول کر رکھ دیں اور چھپی ہوئی باتوں کو ظاہر کر دیں۔ اگر غیب غیب ہی رہے اور چُھپی ہوئی بات ظاہر نہ ہو تو پھر مذہب نے کیا فائدہ دیا۔ جہاں تک غیب کی باتوں کا سوال ہے سارے لوگوں کے لیے وہ غیب ہی غیب ہے۔ مذہب ظاہر ہوتا یا نہ ہوتا وہ غیب ہی ہوتا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کی توحید غیب میں تھی۔ اگر مذہب نہ آتا تب بھی اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کی توحید غیب میں ہی رہتی۔ مذہب کا فائدہ تو تبھی ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کو غیب سے نکال کر ظاہر میں ہمارے سامنے رکھ دے۔ اگر وہ ایسا کر دے تب تو وہ مذہب ہے لیکن اگر وہ ایسا نہ کرے تو وہ ایک بے فائدہ چیز ہے کہ جس کے آنے سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا اور جس کے نہ آنے سے ہم کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا۔

دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خدا تعالیٰ نے اس وعدہ کو کس طرح

پورا کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمنوں میں سے ایک ہندہ بھی تھی۔ وہ اتنی شدید دشمن تھی کہ جنگِ اُحد کے موقع پر لوگوں کو شعر پڑھ پڑھ کر بھڑکاتی تھی کہ جاؤ اور اسلامی لشکر پر حملہ کرو اور جب ایک خطرناک موقع مسلمانوں کے لیے آیا تو اس نے کہا جو آدمی حضرت حمزہؓ کا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے اور ان سے اسے عداوت تھی کلیجہ نکال کر میرے پاس لے آئے، اسی طرح ان کے کان کاٹ کر لے آئے تو میں اسے انعام دوں گی۔ لوگوں میں یہ غلط طور پر مشہور ہو گیا ہے کہ اس نے کلیجہ چبایا تھا۔ کسی صحیح سند سے اس کا ثبوت معلوم نہیں ہوتا۔ درحقیقت اس نے انعام مقرر کیا تھا کہ جو شخص ان کا کلیجہ نکال کر لائے اور کان کاٹ کر لائے تو میں اس کو انعام دوں گی۔ گویا یہ ثبوت ہوگا اس بات کا کہ وہ واقع میں مارے گئے ہیں۔ جنگ کے بعد جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ آپ کے چچا کی ایسی بے حرمتی کی گئی ہے تو طبعی طور پر آپؐ کے دل میں جوش آیا اور آپ نے فرمایا میں بھی ان لوگوں کے ساتھ ایسا ہی کروں گا۔ جب انہوں نے ابتدا کر دی ہے اور مسلمان شہداء کے ساتھ اس قسم کا سلوک کیا ہے تو میں بھی اُن کے ساتھ ایسا ہی سلوک کروں گا۔ تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی اور اس میں بتایا گیا کہ تمہیں اس قسم کی باتیں نہیں کرنی چاہییں۔2

اب دیکھو! اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کتنا حکمت والا تھا۔ ہندہ بے شک لڑائی کرنے والوں میں سے نہیں تھی۔ وہ پیچھے رہنے والی عورتوں میں سے تھی جو مردوں کو لڑائی کے لیے اُکساتی تھی مگر اُس کے ساتھ وہ لوگ بھی تھے جو بعد میں اسلامی لڑائیوں میں مارے گئے یا مارے جانے کے قریب پہنچے۔ اگر ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جاتا جو ہندہ نے حضرت حمزہؓ کی لاش کے ساتھ کیا تھا تو بعد میں جو نشانات ظاہر ہوئے وہ کیسے ظاہر ہوتے۔ مثلاً انہی لوگوں میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہؓ بھی تھا۔ انہی لوگوں میں خالد بن ولیدؓ بھی تھے۔ انہی لوگوں میں عمروؓ بن عاص بھی تھے۔ فرض کرو یہ سب لوگ

مارے جاتے اور ان کے ساتھ وہی سلوک ہوتا جو ہندہ نے حضرت حمزہؓ کی نعش کے ساتھ کیا تھا تو بعد میں ان لوگوں نے جو قربانیاں کیں اور ان کی وجہ سے جو عزت اسلام کو پہنچی وہ کیسے پہنچتی؟ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا تھا کہ آپ کو مستقبل کا علم نہیں ہمیں مستقبل کا علم ہے۔ جن لوگوں پر آپ کو اس وقت غصہ آ رہا ہے ان میں سے بعض مستقبل میں اسلام کے لیے بڑی بڑی قربانیاں کرنے والے ہوں گے۔ چنانچہ حضرت عکرمہؓ کی مثال ہی لے لو۔ وہ ابوجہل کے بیٹے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤیا میں دکھایا گیا تھا کہ ایک فرشتہ انگوروں کا ایک خوشہ آپؐ کے پاس لایا ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ خوشہ کس کے لیے لائے ہو؟ تو اس نے جواب دیا میں یہ خوشہ ابوجہل کے لیے لایا ہوں۔ آپ گھبرا گئے اور اِسی گھبراہٹ میں آپ کی آنکھ کھل گئی۔ آپ نے کہا خدا تعالیٰ کا رسول اور خدا تعالیٰ کا دشمن کیا ایک ہی صف میں کھڑے ہیں کہ اس کے لیے بھی جنت سے انگوروں کا خوشہ آ رہا ہے اور اس کے لیے بھی جنت سے انگوروں کا خوشہ آ رہا ہے۔ جب بعد میں عکرمہ مسلمان ہوا تو آپ نے فرمایا اب میری خواب کی تعبیر مجھ پر کھل گئی ہے۔ ابوجہل سے مراد اُس کا بیٹا عکرمہؓ تھا جو اسلام لایا۔3 پھر عکرمہؓ اپنے اسلام میں اتنا ترقی کر گیا کہ جب بعد میں عیسائیوں سے جنگیں ہوئیں تو ایک موقع پر بہت سے صحابہؓ شہید ہو گئے۔ صحابہؓ نے خیال کیا کہ یکدم دشمن کے قلبِ لشکر پر حملہ کیا جائے تا کہ وہ آئندہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ جو لوگ اس غرض کے لیے چُنے گئے ان میں عکرمہؓ بھی تھے۔ آپ نے اس کام کے لیے اپنا نام پیش کیا۔ تاریخ میں آتا ہے کہ جس طرح عقاب چڑیا پر جھپٹا مارتا ہے اسی طرح یہ لوگ دشمن پر حملہ کر کے قلبِ لشکر میں پہنچ گئے لیکن دشمن کا لشکر تعداد میں بہت زیادہ تھا اور یہ لوگ صرف ساٹھ تھے۔ دشمن کا لشکر دس ہزار کا تھا اس لیے یہ لوگ قلبِ لشکر میں تو پہنچ گئے اور جرنیل مرعوب ہو کر بھاگ گیا لیکن چونکہ یہ لوگ دس ہزار تلواروں میں سے گزر رہے تھے اس لیے

زخمی ہو کر گر گئے۔ جب جنگ کے بعد مسلمان ان لوگوں کی خبر لینے کے لیے گئے تو انہوں نے ان میں سے آٹھ دس زخمیوں کو میدانِ جنگ میں پڑے پایا۔ باقی شاید دشمن کے دھکیلنے کی وجہ سے اِدھر اُدھر ہو گئے تھے۔ بہرحال مسلمانوں نے ان میں سے آٹھ دس آدمی زخمی ہونے کی صورت میں میدانِ جنگ میں پڑے دیکھے۔ مُلک گرم تھا اور شاید وقت بھی گرمی کا تھا اور پھر دس ہزار آدمیوں میں سے رستہ نکالنے اور تلواریں مارتے چلے جانے سے ان کے جسموں سے پسینہ بھی نکلا جس کی وجہ سے انہیں پیاس بڑی شدت سے لگی ہوئی تھی، زبانیں اُن کی باہر نکلی ہوئی تھیں اور وہ پانی کے لیے تڑپ رہے تھے۔ ایک مسلمان سپاہی نے عکرمہؓ کو پہچان لیا اور پانی کی چھاگل لے کر ان کے پاس گیا اور کہا آپ کو پیاس لگی ہوئی ہے پانی پی لیں۔ عکرمہؓ نے اُس کے ہاتھ سے چھاگل لے لی اور اُس سے پانی پینے لگے لیکن دوسری طرف نگاہ ڈالی تو دوسرے مسلمان بھی پیاس کی وجہ سے تڑپ رہے تھے۔ انہوں نے پانی کا کوئی قطرہ پیے بغیر چھاگل اُس مسلمان سپاہی کو واپس کر دی اور کہا وہ دیکھو! دوسرے مسلمان پیاس کی وجہ سے تڑپ رہے ہیں اُن لوگوں نے اسلام کے لیے مجھ سے زیادہ خدمت کی ہے اور اس کے لیے قربانیاں کی ہیں اس لیے وہ لوگ مجھ سے زیادہ مستحق ہیں۔ چنانچہ وہ مسلمان سپاہی دوسرے زخمی مسلمان کے پاس گیا اور اُس سے پانی کے لیے کہا مگر اُس نے بھی انکار کر دیا اور کہا دوسرے زخمی مسلمان کو پانی پلاؤ وہ مجھ سے زیادہ مستحق ہے۔ چنانچہ وہ اگلے مسلمان کے پاس گیا لیکن اُس نے بھی انکار کر دیا اور دوسرے مسلمان کو پانی پلانے کے لیے کہا۔ الغرض وہ مسلمان سپاہی چھاگل لے کر ان میں سے ہر ایک کے پاس گیا لیکن ان میں سے ہر ایک نے پہلے دوسرے کو پانی پلانے کے لیے کہا۔ جب وہ آخری مسلمان کے پاس پہنچا تو وہ مر چکا تھا۔ پھر وہ عکرمہؓ کی طرف واپس لَوٹا تو ان کی جان بھی نکل چکی تھی۔4

تو دیکھو! یہ کتنی بڑی قربانی تھی جو عکرمہؓ نے کی۔ یہ دیکھنے والوں کے لیے ایک

نشان تھا۔ جب مسلمانوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے یہ سنا ہوگا کہ میں نے رؤیا میں دیکھا کہ ایک فرشتہ انگوروں کا ایک خوشہ لایا ہے اور میں نے دریافت کیا کہ یہ خوشہ کس کے لیے ہے؟ تو اس نے جواب دیا یہ ابوجہل کے لیے ہے جس کی وجہ سے میں گھبرا گیا اور اس گھبراہٹ کی وجہ سے میری آنکھ کھل گئی اور میں نے کہا کیا خدا تعالیٰ کا دشمن اور اس کا رسول برابر ہو سکتے ہیں؟ اور بعد میں انہوں نے یہ واقعہ دیکھا ہوگا کہ کس طرح عکرمہؓ نے خطرناک حالات میں اپنی جان کی قربانی پیش کی۔ وہ پانی کے ایک قطرہ کے لیے تڑپتے ہوئے فوت ہو گئے لیکن پانی کو اس لیے نہیں چُھوا کہ جب تک میرے دوسرے مسلمان بھائی سیر نہ ہو جائیں میں پانی نہیں پیوں گا۔ تو ان کا ایمان کس طرح بڑھا ہوگا اور انہوں نے کہا ہوگا کہ اوّل تو عکرمہؓ کا اسلام لانا ہی ناممکن تھا۔ اور پھر اس کا اسلام لانے کے بعد اتنی بڑی قربانی کرنا ناممکن تھا مگر خدا تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو رؤیا دکھایا تھا اس نے وہ پورا کر کے دکھا دیا اور یہ واقعہ آیات بیّنات میں سے تھا جسے دیکھ کر مسلمانوں کے ایمان خدا تعالیٰ پر اور اسلام کی سچائی پر اَور زیادہ پختہ ہو گئے۔

چونکہ لوگ تاریخ کے واقعات نہیں پڑھتے اس لیے انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ ان میں سے بعض واقعات کو کیا اہمیت حاصل ہے۔ یہ تو بہتوں کو پتا ہے کہ کس طرح عکرمہؓ نے پیاس کی وجہ سے تڑپتے ہوئے جان دے دی اور کہا کہ جب تک اس کے ساتھی سیر نہ ہو لیں وہ پانی نہیں پی سکتے۔ پھر ابوجہل کے واقعات کا بھی ان کو علم ہے مگر اس بات کا بہت کم لوگوں کو علم ہے کہ خود عکرمہؓ کے دل میں ایمان لانے سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کتنا بُغض تھا اور ایمان لانے کے بعد وہ آپ کی محبت میں اس طرح بدلے کہ آپ کی ذات تو الگ رہی وہ آپ کے صحابہؓ کی خاطر قربانی کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

تاریخ میں آتا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو آپ

نے فرمایا مسلمانوں کے ان بڑے بڑے دشمنوں کو جو انہیں تکلیف دیتے تھے گرفتار کیا جائے اور قتل کیا جائے انہیں لوگوں میں عکرمہ بھی تھے۔ فتح مکہ کے بعد عکرمہ جان بچانے کے لئے حبشہ کی طرف بھاگ گئے۔ ان کی بیوی دل سے مسلمان ہو چکی تھی وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا یَارَسُولَ اللّٰہ! میرا خاوند عکرمہ جان کے خوف کے مارے اپنا ملک چھوڑ کر بھاگ گیا ہے اور حبشہ کی طرف چلا گیا ہے۔ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! کیا یہ اچھا ہے کہ آپ کے چچا کا بیٹا آپ کے ماتحت رہے یا یہ اچھا ہے کہ وہ غیروں کی حکومت میں رہے؟ آپؐ نے فرمایا وہ بھاگا کیوں ہے ہم نے تو اُسے ملک سے باہر نہیں نکالا۔ عکرمہ کی بیوی نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! وہ جانتا تھا کہ آپ نے چند ایسے لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے جو مسلمانوں کو دکھ دیا کرتے تھے اور چونکہ وہ بھی مسلمانوں کو دکھ دیا کرتا تھا اس لیے وہ جانتا تھا کہ اگر وہ یہاں رہا تو مارا جائے گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا تو کوئی ارادہ نہیں تھا کہ اُسے قتل کیا جائے۔ اُس نے مکہ سے بھاگ کر چلے جانے کی غلطی کی ہے۔ عکرمہ کی بیوی نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! اب اس کے واپس آنے کی اَور تو کوئی صورت نہیں یہی ہو سکتا ہے کہ میں بندرگاہ پر خود جاؤں اور اُس کو سمجھا کر واپس لاؤں۔ کیا آپ مجھے ایسا کرنے کی اجازت دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! میری طرف سے ایسا کرنے کی اجازت ہے۔ عکرمہؓ کی بیوی نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! آپ جانتے ہیں کہ وہ ابوجہل کا بیٹا ہے اور ابوجہل اپنی قوم کا سردار تھا، ابھی اسلام کی سچائی کا اسے علم نہیں اس نے صرف یہی نشان دیکھا ہے کہ آپؐ فاتح ہو گئے ہیں اور مکہ والوں پر غالب آ گئے ہیں جس کی وجہ سے وہ جان کے خوف کے مارے مکہ سے بھاگ گیا ہے۔ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میں بندرگاہ پر جا کر اُس کو واپس آنے کے لیے کہوں گی لیکن اگر اُس نے یہ کہا کہ میں نے اسلام کو کبھی بھی قبول نہیں کرنا۔ ہاں! اگر اس کی حقانیت میرے دل پر ظاہر ہو گئی تو میں اسے قبول کر لوں گا اس سے پہلے میں قبول نہیں کروں گا تو یَارَسُوْلَ اللّٰہ! پھر کیا بنے گا؟ آپؐ نے فرمایا

اسے کہہ دینا کہ اگر وہ اسلام قبول نہ بھی کرے پھر بھی ہم اُسے کچھ نہیں کہیں گے۔ وہ اپنی مرضی سے اسلام کو قبول کرے تو کرے ہم اُس پر کوئی جبر نہیں کریں گے۔ چنانچہ وہ بندرگاہ پر گئی۔ جہاز چلنے ہی والا تھا اور اس طرح عکرمہ عرب کو ہمیشہ کے لیے چھوڑنے کے لیے تیار تھے کہ پراگندہ سر اور پریشان بیوی اُن کے پاس پہنچی اور کہا اے میرے چچا کے بیٹے! (عرب عورتیں اپنے خاوندوں کو چچا کا بیٹا کہا کرتی تھیں) تُو مجھے یہ بتا کہ اپنی قوم کے آدمی کی غلامی میں رہنا اچھا ہوتا ہے یا کسی غیر کی غلامی میں؟ عکرمہ نے کہا اپنی قوم کے کسی شخص کی غلامی میں رہنا بہرحال بہتر ہے۔ اِس پر اُن کی بیوی نے کہا پھر تُو حبشہ کو چلا ہے۔ حبشہ والے تو غیر ہیں اور محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے قریبی رشتہ دار ہیں اور ہم قوم ہیں۔ پھر اگر محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے ہم مذہب نہیں تو حبشہ والوں کا مذہب بھی تو اَور ہے۔ تُو کیوں اپنے ملک میں واپس نہیں چلا جاتا؟ عکرمہ نے کہا بیوی! میں تو اس لیے بھاگا ہوں کہ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے مار ڈالنا تھا۔ بیوی نے کہا یہ بات غلط ہے اور تمہاری بدظنی ہے۔ میں خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مل کر آئی ہوں اور آپؐ نے کہا ہے کہ میرا عکرمہ کو مارنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ وہ بے شک اپنے ملک میں واپس آ جائے۔ پھر اُسے جو شبہ تھا وہی ہوا۔ عکرمہ نے کہا بیوی! میں واپس تو چلا جاؤں لیکن وہ مجھے مسلمان ہونے پر مجبور کریں گے اور میں نے اسلام قبول نہیں کرنا۔ ہاں! اسلام کی صداقت میرے دل پر واضح ہوگئی تو مجھے اس کے قبول کرنے میں کوئی عذر نہیں ہوگا۔ لیکن اُس وقت تک کہ اسلام کی صداقت مجھ پر واضح ہو جائے میں اپنے باپ دادا کے مذہب پر قائم رہوں گا۔ اگر وہ مجھے اس بات کی اجازت دے دیں تو میں واپس آ جاؤں گا ورنہ نہیں۔ بیوی نے کہا میں یہ بات بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کر آئی ہوں۔ انہوں نے کہا تھا کہ ہم اس پر کوئی جبر نہیں کریں گے وہ جس مذہب پر چاہے قائم رہے ہم اُسے ہرگز اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کریں گے اور یہ نہیں

کہیں گے کہ وہ اپنا مذہب ترک کر دے اور اس کے ساتھ محبت کا سلوک کریں گے۔ عکرمہ کو اپنی بیوی کی باتوں کی وجہ سے اطمینان ہو گیا اور وہ مکہ واپس آ گیا۔ مکہ واپس آ کر عکرمہ نے اپنی بیوی سے کہا مجھے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے چل۔ چنانچہ وہ انہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئی۔ جب وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو عرض کیا اے محمد! (ابھی رسول اللہ کہنے کی انہیں توفیق نہیں ملی تھی) میری بیوی میرے پاس گئی تھی اور کہتی تھی کہ آپ نے کہا ہے عکرمہ بے شک واپس آ جائے ہم اُسے قتل نہیں کریں گے اور نہ اس کے کسی قصور پر گرفت کریں گے۔ کیا یہ سچ ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! تمہاری بیوی سچ کہتی ہے۔ عکرمہ نے پھر کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں نے اسے کہا تھا کہ میں واپس تو چلا جاؤں مگر وہ مجھے مسلمان ہونے کے لیے مجبور کریں گے اور میں ابھی اسلام کی صداقت کا قائل نہیں اس لیے میں اسلام کے قبول کر لینے کے لیے تیار نہیں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا اور میں نے اسلام قبول نہ کیا تو پھر مجھے دوبارہ بھاگنا پڑے گا تو میری بیوی نے کہا تھا کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کر آئی ہوں۔ انہوں نے کہا ہے کہ وہ بے شک جس مذہب پر چاہے رہے ہم اسے کچھ نہیں کہیں گے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہاری بیوی ٹھیک کہتی ہے میں نے یہی کہا تھا۔ عکرمہ نے کہا پھر میں بے شک مشرک رہوں اور اپنے باپ دادا کے مذہب پر قائم رہوں آپ مجھے کچھ نہیں کہیں گے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں۔ تم بے شک اپنے باپ دادا کے مذہب پر قائم رہو ہم تمہیں مسلمان ہونے کے لیے مجبور نہیں کریں گے، تمہیں پوری آزادی دیں گے اور تمہارے ساتھ حُسنِ سلوک کریں گے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ عکرمہ کے دل میں اسلام کی صداقت آئی۔ جب اُس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حوصلہ دیکھا تو اس نے سمجھ لیا کہ خدا تعالیٰ کے رسول کے سوا ایسی بات کوئی نہیں کہہ سکتا اور بے اختیار ہو کر کہنے لگا

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور پھر شرم سے اپنا سر جھکا لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی حیا کی حالت کو دیکھ کر اُن کے دل کی تسلی کے لیے فرمایا۔ عکرمہ! ہم نے تمہیں صرف معاف ہی نہیں کیا بلکہ اس سے زائد یہ بات بھی ہے کہ ہم تمہیں بڑے بڑے انعامات دیں گے۔ عکرمہؓ نے کہا یَارَسُولَ اللّٰہ! مجھے انعاموں کی ضرورت نہیں۔ مجھے صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہ بخش دے۔ آپ خدا تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ میں نے جو آپؐ کی دشمنیاں کی ہیں وہ مجھے معاف کر دے۔ اس پر آپؐ نے اس کے لیے دعا فرمائی۔5

اب دیکھو! عکرمہؓ اتنا سخت بغیض دشمنِ اسلام تھا لیکن اس کے باوجود وہ اسلام لایا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے لیے نہیں، حضرت ابوبکرؓ کے لیے نہیں، حضرت عمرؓ کے لیے نہیں بلکہ معمولی مسلمانوں کے لیے جنہوں نے عیسائیوں کے مقابلہ میں شہادت حاصل کی تھی۔ اُس نے اتنی بڑی قربانی کی کہ وہ پیاس کی وجہ سے تڑپتے ہوئے مر گیا لیکن اُس نے یہ برداشت نہ کیا کہ اس کے منہ میں پانی کا قطرہ پڑ جائے اور اُس کے مسلمان بھائی پیاس کی وجہ سے تڑپتے رہیں۔ اب یہ کتنا بڑا نشان تھا اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کا رؤیا سنا تھا کہ ابوجہل کے لیے جنت سے انگوروں کا ایک خوشہ آیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا میں اُس وقت تو سخت گھبرا گیا کہ خدا تعالیٰ کا رسول اور اُس کا دشمن دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟ لیکن جب عکرمہؓ مسلمان ہوا تو اس رؤیا کی تعبیر سمجھ میں آ گئی اور معلوم ہوا کہ اس سے مراد عکرمہؓ تھا۔ درحقیقت عکرمہؓ اُس زمانہ میں اپنے دلی بغض کے لحاظ سے ابوجہل کا مثیل تھا اس لیے آپؐ نے جو یہ دیکھا کہ ابوجہل کے لیے جنت کے انگوروں کا خوشہ آیا ہے تو یہ ٹھیک تھا۔ عکرمہؓ ابوجہل کا مثیل تھا اس لیے رؤیا میں اسے ابوجہل

ہی کہا گیا۔ پھر وہ اسلام لایا اور اسلام کے لیے اِس قدر قربانیاں کیں کہ انسان انہیں دیکھ کر حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ اب جس شخص نے یہ نشان دیکھا اُس کے دل میں کتنی خوشی ہوئی ہو گی۔ انہی نشانات کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ۔ ہم نے قرآن کریم کے ذریعہ ایسے نشانات نازل کر دیئے ہیں جو خدا تعالیٰ کو ننگا کر کے انسان کے سامنے کھڑا کر دیتے ہیں۔ غیروں کے لیے تو خدا تعالیٰ ایک پوشیدہ چیز ہے مگر مسلمانوں کے لیے وہ پوشیدہ چیز نہیں کیونکہ وہ نشانات کے ذریعہ سے ان کے سامنے کھل کر آ جاتا ہے۔

دوسری مثال رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں حضرت عمروؓ بن عاص کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ ابتدائی صحابہؓ میں سے تھے اور اپنے باپ سے بہت پہلے مسلمان ہو گئے تھے۔ آپ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ آپ مسجد میں بیٹھے رہتے تھے تا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے باہر نکلیں اور کوئی بات کریں تو اُسے لکھ لیں۔ ان کو لکھنا آتا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث لکھا کرتے تھے مگر بعد میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا اور فرمایا میں قرآن کریم لکھواتا ہوں اس لیے ایسا نہ ہو کہ کوئی لکھی ہوئی چیز دیکھ کر لوگوں کو یہ شبہ پیدا ہو کہ وہ بھی قرآن کریم کا ہی حصہ ہے۔ جب ان کے والد عمروؓ بن عاص فوت ہونے لگے تو یہ ان کی خبر لینے کے لیے گئے۔ موت کے وقت اُن کی حالت کرب اور گھبراہٹ کی تھی۔ کبھی آپ اِدھر کروٹ بدلتے اور کبھی اُدھر کروٹ لیتے اور کہتے یا اللہ! مجھے معاف کر۔ مجھے معلوم نہیں میں نے کیا کیا گناہ کیے ہیں۔ عبداللہ بن عمروؓ نے کہا باپ! آپ گھبراتے کیوں ہیں؟ آپ کا انجام تو اچھا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کی توفیق دی اور اب تک اسلام پر قائم رکھا۔ پھر آپ کو فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ حضرت عمروؓ بن عاص کہنے لگے

میرے بیٹے! تم ٹھیک کہتے ہو خدا تعالیٰ نے فضل کیا اور مجھے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کی توفیق دی لیکن کاش! میں اُسی وقت مارا جاتا اور مجھے شہادت نصیب ہو جاتی۔ میرے بیٹے! رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ میں لڑائیاں ہوئیں اور میں ان میں حضرت معاویہؓ کی طرف سے حصہ لیتا رہا۔ مجھے پتا نہیں کہ ان لڑائیوں میں مجھ سے کیا کیا غلطیاں ہوئیں۔ اس خیال کے آنے پر مجھے گھبراہٹ ہوتی ہے کہ معلوم نہیں خدا تعالیٰ مجھے معاف بھی کرے گا یا نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا میرے بیٹے! جب میں اسلام کا دشمن تھا تو میری دشمنی کا یہ حال تھا کہ اگر مجھے پتا لگتا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سامنے گلی میں آ رہے ہیں تو میں اپنی آنکھیں بند کر لیتا تا مجھے **نَعُوْذُ بِاللّٰہِ** آپ کی منحوس شکل نظر نہ آئے۔ اور اگر کوئی مجھ سے پوچھتا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے رشتہ دار ہیں اُن کا حلیہ کیا ہے؟ تو میں آپ کا حلیہ نہیں بتا سکتا تھا کیونکہ جب ان کی شکل سامنے آتی تھی میں آنکھیں بند کر لیتا تھا۔ پھر جب میں ایمان لایا تو خدا تعالیٰ نے مجھے ایسا ایمان بخشا کہ آپؐ کی محبت اور رعب کی وجہ سے میں آپ کے چہرہ پر نظر نہیں ڈالتا تھا بلکہ آپؐ کے سامنے میں ہمیشہ اپنی آنکھیں بند رکھتا۔ میں خیال کرتا تھا کہ آپ اتنے معزز اور اتنے اعلیٰ مقام پر ہیں کہ میرے جیسے ذلیل آدمی کو آپؐ کا چہرہ دیکھنے کا کوئی حق نہیں۔ اے میرے بیٹے! کفر کی حالت میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے سامنے آئے اور ایمان کی حالت میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے سامنے آئے لیکن اگر اب بھی مجھ سے کوئی پوچھے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ کیا ہے تو میں نہیں بتا سکتا[6] کیونکہ کفر میں بغض کی وجہ سے میں نے آپؐ کی شکل نہیں دیکھی اور ایمان میں محبت اور رعب کی وجہ سے میں نے آپؐ کی شکل نہیں دیکھی۔

اب دیکھو! عاص جیسے شدید دشمنِ اسلام کا بیٹا جو ایمان لانے سے پہلے خود بھی

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سخت بُغض رکھتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو ایمان لانے کی سعادت بخشی اور اسے ایسا مقام دیا کہ اس نے اسلام کے لیے بڑی بڑی جنگیں لڑیں اور مصر کو اسلام کے لیے فتح کیا۔ حضرت عمروؓ بن عاص اُن لوگوں میں سے تھے جنہوں نے حضرت خالدؓ بن ولید سے مل کر جنگِ اُحد کے موقع پر مسلمانوں پر حملہ کیا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زخمی ہو کر دوسرے زخمیوں پر گر گئے تھے اور مسلمانوں کو شبہ ہو گیا تھا کہ آپؐ شہید ہو گئے ہیں۔ ایسے شدید دشمنِ اسلام کو خدا تعالیٰ نے ایمان نصیب کیا۔ تو یہ کتنی بڑی بات تھی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا تم دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو اُس کے کناروں سے سمیٹتے چلے آ رہے ہیں[7] یعنی ان بڑے بڑے کافروں کی اولادیں مسلمان ہو رہی ہیں۔ مسلمان جب پڑھتے ہوں گے کہ اسلام کے شدید دشمنوں ولید اور عاص کی اولاد اسلام کی گود میں آ گئی اور ان کے بیٹوں نے اسلام لانے کے بعد بڑی بڑی قربانیاں کیں تو ان کا ایمان کس قدر بڑھتا ہو گا۔

پھر میں نے ہندہ کا واقعہ سنایا تھا۔ اس کے بُغض کی یہ کیفیت تھی کہ اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ کا کلیجہ نکلوایا اور آپ کے کان کٹوائے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو آپؐ نے جن لوگوں کے گرفتار کرنے اور قتل کرنے کا حکم دیا تھا ان میں ہندہ بھی شامل تھی کیونکہ اُس نے بھی کئی مسلمانوں کو قتل کروایا تھا۔ آپؐ نے فرمایا ہندہ بھی پکڑی جائے اور قتل کی جائے۔ آپؐ نے سات آٹھ آدمی بتائے تھے کہ اُن سب کو پکڑ لیا جائے اور قتل کیا جائے۔ ان میں آپ نے ہندہ کا نام بھی لیا تھا۔ جب عورتوں کی بیعت کا وقت آیا اور آپ نے بیعت لینی شروع کی تو ہندہ بھی منہ چھپائے ان میں جا بیٹھی اور بیعت میں شامل ہو گئی۔ جب قرآنی ہدایت کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اقرار لیا کہ ہم چوری نہیں کریں گی، زنا نہیں کریں گی، جھوٹ نہیں بولیں گی،

شرک نہیں کریں گی تو اس آخری فقرہ پر کہ ہم شرک نہیں کریں گی ہندہ بول اٹھی کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! آپ کیا کہتے ہیں؟ کیا ہم اب بھی شرک کریں گی؟ ہم مکہ والے متحد ہوکر آپ کے مقابلہ پر آئے۔ سارا عرب ہمارے ساتھ تھا اور آپؐ اکیلے تھے۔ ہم نے آپ کے ساتھ لڑائی کی۔ آپؐ نے کہا خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہے اور وہ میری مدد کرے گا اور ہم نے کہا آپ کا خدا جھوٹا ہے وہ آپ کی مدد نہیں کرے گا۔ ہمارے بت آپ کے خدا سے زیادہ طاقتور ہیں وہ آپ کے خلاف ہماری مدد کریں گے۔ لیکن ہوا کیا؟ ہوا یہ کہ باوجود اس دعویٰ کے ہم ہار گئے اور آپ جیتے۔ اگر ہمارے بتوں میں کوئی طاقت ہوتی تو ہم جیت نہ جاتے۔ باوجود اِس کے کہ انسانی طاقت ہمارے ساتھ تھی، قوم ہمارے ساتھ تھی، عرب کے تمام سردار ہمارے ساتھ تھے، تجربہ کار جرنیل ہمارے ساتھ تھے، اگر ہمارے بت کمزور بھی ہوتے تب بھی ہمارے پاس اتنی طاقت تھی کہ ہم آپ کو شکست دے دیتے لیکن ہم ہارے۔ اس سے صرف یہی پتا نہیں لگتا کہ ہمارے بتوں میں کوئی طاقت نہیں تھی بلکہ یہ بھی پتا لگتا ہے کہ آپؐ کے خدا میں طاقت تھی اور اس نے ایک اکیلے اور کمزور آدمی کو ہمارے سروں پر لا کے بٹھا دیا۔ اب ہم شرک کیسے کر سکتے ہیں۔ اب تو یہ بات ہم پر واضح ہوگئی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ۔ ہم نے ایسے نشانات ظاہر کیے ہیں کہ جو حقیقتِ حال کو کھول کر بتا دیتے ہیں۔ اب دیکھو! فتح مکہ ہندہ جیسی ظالم عورت کی آنکھیں کھولنے کا موجب ہوگئی اور اس طرح اس کو نظر آ گیا کہ خدا تعالیٰ اور اسلام کی سچائی میں کوئی شبہ نہیں۔ جب ہندہ کی آواز رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنی تو آخر یہ لوگ آپؐ کے رشتہ دار تھے اور آپؐ اُن کی آوازیں پہچانتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا ہندہ! ہندہ دوپٹا اوڑھے عورتوں میں چُھپی ہوئی بیٹھی تھی اور سمجھتی تھی کہ مجھے کون دیکھتا ہے۔ جب آپؐ نے ہندہ کہا تو اس نے سمجھا اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے تو تمہارے متعلق اعلان کیا تھا کہ جہاں پکڑی جاؤ قتل کی جاؤ اب تُو یہاں بیٹھی ہے؟ اس

لیے اب تمہیں پکڑا جائے گا۔ وہ جھٹ بول پڑی کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میں اب آپ کی حکومت سے باہر نکل چکی ہوں، اب میں مسلمان ہوگئی ہوں اور مسلمان پر نہ آپ کا قبضہ ہے اور نہ کسی اَور کا قبضہ ہے بلکہ اس پر خدا تعالیٰ کا قبضہ ہے اور خدا تعالیٰ نے اسلام لانے پر میرے سارے گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ اب میں نے آپ کی بیعت کر لی ہے اور مسلمان ہوگئی ہوں اس لیے اب آپ مجھے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ آپ نے فرمایا ہندہ! تُو ٹھیک کہتی ہے۔ واقع میں اب میں تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ اسلام نے تمہارے سارے پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا ہے۔8

جیسے ہندہ کے لیے فتح مکہ آیاتِ مبیّنات میں سے تھی اِسی طرح اس کی یہ گفتگو ہمارے لیے آیاتِ مبیّنات میں سے ہے کہ ایسی شدید دشمنِ اسلام عورت کو خدا تعالیٰ نے ہدایت دے دی اور اُس کا دل کھل گیا۔ اور پھر ایسا دل کھلا کہ وہ بعد میں عیسائیوں کے مقابلہ میں لڑی جانے والی جنگوں میں شامل ہوئی۔ اس کا ایک لڑکا یزید 9 جو حضرت معاویہؓ سے بڑا تھا اور نہایت مخلص تھا اور اس کا خاوند ابوسفیان جو اسلام لانے سے پہلے اسلام کا شدید دشمن تھا دونوں عیسائیوں کے ساتھ لڑنے کے لیے ایک جنگ میں شامل ہوئے۔ عیسائیوں کا لشکر بہت بڑا تھا اور مسلمانوں کی تعداد اس کے مقابلہ میں بہت کم تھی۔ اس جنگ میں ایک موقع پر اسلامی لشکر پیچھے کو بھاگا۔ بھاگنے والوں میں ابوسفیان اور ان کے بیٹے یزید بھی تھے۔ پیچھے عورتیں کھڑی تھیں۔ اگر اُس وقت مسلمانوں کے قدم نہ جمتے تو مدینہ تک دشمن کے راستہ میں کوئی روک نہیں تھی۔ عیسائی لشکر آگے بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ ہندہ نے مسلمان سپاہیوں کو بھاگتے ہوئے دیکھا تو اس نے عورتوں کو جمع کیا اور کہا مردوں کے پاؤں اُکھڑ گئے ہیں۔ آؤ! اب ہم اسلام کے لیے لڑائی کریں۔ انہوں نے کہا ہم کیا کر سکتی ہیں؟ ہمارے پاس کیا سامان ہے؟ ہندہ نے کہا سامان تو نہیں ہے لیکن ایک چیز ہے۔ خیموں کی چوبیں اتار لو اور ہاتھ میں لے لو۔ مسلمان سپاہی جو دوڑتے ہوئے آ رہے ہیں اُن کے اونٹوں کو ان چوبوں سے مارو

اور کہو بے شرمو! تم کافروں سے بھاگ رہے ہو؟ چنانچہ عورتوں نے چوبیں اُتار لیں، ہندہ نے بھی ایک چوب اتار لی اور سب عورتوں کو ساتھ لے کر بھاگتے ہوئے اسلامی لشکر کے آگے کھڑی ہوگئی۔ سب سے آگے اُس کا خاوند ابوسفیان اور اُس کا بیٹا یزید تھے۔ عورتوں نے اُن کے اونٹوں کے مونہوں پر چوبیں ماریں اور کہا بے شرمو! تمہیں شرم نہیں آتی؟ تم کافروں کے مقابلہ میں شکست کھا کر پیچھے بھاگے چلے آ رہے ہو؟ اس موقع پر ہندہ نے ابوسفیان کو مخاطب کر کے کہا جب تُو کافر تھا تو بہادری کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو کر تُو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر پر حملہ کرنے جایا کرتا تھا۔ اب تُو مسلمان ہوگیا ہے اور اسلام کی خاطر تمہیں جنگ لڑنی پڑی ہے تو تُو عیسائیوں کو پیٹھ دکھا رہا ہے اور بھاگ رہا ہے۔ تمہیں ایسا کرتے ہوئے شرم نہیں آتی؟ اِس کا ابوسفیان پر ایسا اثر ہوا کہ اُس نے اپنے بیٹے کی طرف مڑ کر دیکھا اور کہا بیٹا! عورتوں کے سونٹے عیسائیوں کی تلواروں سے زیادہ خطرناک ہیں۔ چلو! واپس لَوٹو۔ اس کے نتیجہ میں چاہے ہم مر جائیں یا جیئیں اس کی پروا نہیں۔ بہرحال ہمیں ان عورتوں کے سونٹے کھانا مناسب نہیں۔ ہم ان کے طعنے نہیں برداشت کر سکتے۔ عیسائیوں کی تلواریں کھانا ان سے سہل امر ہے۔ چنانچہ وہ دونوں واپس لَوٹے۔ اِسی طرح اسلامی لشکر بھی واپس لوٹا اور بعد میں مسلمانوں کو عیسائیوں کے مقابلہ میں فتح حاصل ہوئی۔

یہ تھی وہ ہندہ جو ایک وقت میں اسلام کی اتنی شدید دشمن تھی کہ وہ شعر پڑھ پڑھ کر کفار کو مسلمانوں سے جنگ کے لیے اُکساتی تھی فتح مکہ کے بعد اس کے قتل کا فتویٰ جاری کیا گیا۔ لیکن قبل اس کے کہ اسے گرفتار کیا جاتا وہ عورتوں میں چھپ کر بیعت میں شامل ہوگئی۔ کیا اس کے متعلق اُس وقت کوئی انسان یہ خیال کرسکتا تھا کہ کسی وقت یہ عورت اسلام کے لیے قربانی کرے گی؟ لیکن وہی ہندہ جو اسلام کی شدید دشمن تھی اسلام لانے کے بعد اسلامی فتوحات میں حصہ دار بن گئی۔

غرض تاریخِ اسلامی کا ایک ایک واقعہ پڑھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ کے مطابق ایک ایسا نشان ہے جس نے حقیقتِ حال کو کھول کر سامنے رکھ دیا ہے اور بتایا ہے کہ اے مسلمانو! تم پر اسلام میں داخل ہونا کوئی بوجھ نہیں کیونکہ دوسرے لوگوں کے لیے ان کے مذہب غیب ہیں لیکن تمہارا مذہب وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی غیبی طاقتوں کو ظاہر کر دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی اور مذہب نہیں ٹھہر سکتا۔

پھر دیکھ لو! یہ نمونہ آج تک چلا آ رہا ہے۔ اسلام میں ہر زمانہ میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جو لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ کے ذریعہ اسلام کی روشنی کو ثابت کرتے رہے۔ ابتدائی زمانہ میں حضرت جنید بغدادیؒ تھے، سید عبدالقادر جیلانیؒ تھے، شبلیؒ تھے اور ابراہیم ادھمؒ تھے، ابن تیمیہؒ تھے، ابن قیمؒ تھے، امام غزالیؒ تھے اور ان کے علاوہ کئی اَور بزرگ تھے۔ پھر آخری زمانہ میں حضرت شاہ ولی اللہؒ ہوئے، خواجہ باقی باللہؒ ہوئے، معین الدین چشتیؒ ہوئے، نظام الدین اولیاءؒ ہوئے، قطب الدین بختیار کاکیؒ ہوئے، فرید الدین شکر گنجؒ پاک پٹن والے ہوئے۔ یہ سب لوگ خدا تعالیٰ کا قرب پا کر آیاتِ بینات کا مقام حاصل کر گئے تھے۔ ان میں سے ہر شخص کو دیکھ کر لوگ اپنا ایمان تازہ کرتے تھے۔ جب ان کا نور دُھندلا ہوا تو خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہمارے اندر پیدا کیا اور ان کا وجود ہمارے لیے آیاتِ بینات بن گیا۔‘‘

(الفضل 30 مارچ 1957ء صفحہ 1 تا 5)

1: النور: 47

2: السیرۃ النبویۃ لابن ھشام الجزء الثانی صفحہ 875، 876 زیرِ عنوان ’’حزن الرسول علی حمزۃ‘‘ مطبوعہ دمشق 2005ء

3: السیرۃ الحلبیۃ الجزء الثالث صفحہ 198 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولیٰ

4:الاستیعاب فی معرفة الاصحاب جلد3 صفحہ 191 مطبوعہ بیروت1995ء

5:السیرة الحلبیة الجزء الثالث صفحہ 198 مطبوعہ بیروت2012ء

6:مسلم کتاب الایمان باب کون الاسلام یهدم ماقبله صفحہ 64،65 حدیث نمبر321 مطبوعہ ریاض2000ء الطبعة الثانیة

7:اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّا نَاۡتِی الۡاَرۡضَ نَنۡقُصُهَا مِنۡ اَطۡرَافِهَا ؕ (الرعد:42)

جنگ احد کے تناظر میں رسول کریم ﷺ اور صحابہ کی سیرت

حضرت مصلح موعود نے 12 اپریل 1957ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

''جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگِ اُحد میں تشریف لے گئے تو ایک موقع پر مسلمانوں کی بعض غلطیوں کی وجہ سے دشمن کو اس طرح ضرب لگانے کا موقع مل گیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو کر اُن صحابہؓ کی لاشوں پر جا گرے جو آپ کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے اور پھر کچھ اَور لاشیں آپ کے اوپر بھی آ گریں۔ صحابہؓ نے اُس وقت گھبراہٹ میں یہ سمجھا کہ شاید آپ بھی شہید ہو گئے ہیں۔ چنانچہ یہ خبر فوراً مشہور ہو گئی۔ جب یہ خبر اپنوں اور بیگانوں میں پھیلی تو ابوسفیان نے بڑی خوشی منائی کہ چلو ہمارا یہ ایک ہی دشمن تھا جو مارا گیا ہے اور اس نے ایک بلند جگہ پر کھڑے ہو کر کہا کہ کہاں ہے محمد؟ اُس کا مطلب یہ تھا کہ ہم نے ان کو مار ڈالا ہے۔ اُس وقت تک صحابہؓ کوشش کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی سے خَود کا کیل نکال چکے تھے اور آپ کو ہوش آ چکی تھی اور انہیں یقین ہو چکا تھا کہ آپ زندہ ہیں اور وہ ابوسفیان کی بات کا جواب دے سکتے تھے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چپ رہو۔ آپ نے خیال فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ دشمن پھر حملہ کر دے۔ جب اسے کوئی جواب نہ ملا تو کہنے لگا کہاں ہے ابوبکر؟ حضرت ابوبکرؓ کو بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ سے فرمایا کہ خاموش رہو۔ چنانچہ آپ بھی خاموش رہے۔

پھر ابوسفیان اپنے اس جوش میں کہنے لگا کہاں ہے عمر؟ حضرت عمرؓ بڑے جوشیلے تھے وہ جھٹ کہنے لگے کہ میں تمہارا سر توڑنے کے لیے یہاں موجود ہوں لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمر! خاموش رہو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں خاموش رہے۔ اس پر ابوسفیان نے بلند آواز سے کہا لَنَا عُزّٰی وَلَاعُزّٰی لَکُمْ اے مسلمانو! دیکھو عُزّٰی بت ہمارے پاس ہے اور تمہارے پاس کوئی عُزّٰی نہیں۔ اب تمہیں کون بچا سکتا ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ بات سنی تو آپ نے فرمایا اب کیوں نہیں بولتے؟ چونکہ آپ صحابہؓ کو بار بار حکم دے چکے تھے کہ اس وقت ہم کمزور اور زخمی ہیں اس لیے خاموش رہو تا ایسا نہ ہو کہ کفار مسلمانوں پر دوبارہ حملہ کر دیں اس لیے وہ اس بات پر بھی خاموش رہے۔ لیکن جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب بولتے کیوں نہیں؟ تو صحابہؓ نے عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! ہم کیا جواب دیں؟ آپ نے فرمایا تم کہو لَنَا مَوْلٰی وَلَامَوْلٰی لَکُمْ ابوسفیان نے کہا ہمارے پاس عُزّٰی بت ہے مگر تمہارے پاس کوئی عُزّٰی نہیں۔ تم کہو ہمارے ساتھ ہمارا خدا ہے مگر تمہارے ساتھ کوئی خدا نہیں۔1

غرض مومن کسی حالت میں بھی نہیں گھبراتا اور وہ ہر حالت میں اپنے خدا پر بھروسہ رکھتا ہے۔ چنانچہ دیکھ لو جنگِ اُحد میں بظاہر مسلمانوں کو شکست ہوئی تھی اور کفار کو فتح ہوئی تھی لیکن نتیجہ کیا نکل آیا؟ مسلمان گھبرائے یا کفار گھبرائے؟ تاریخ اِس بات پر شاہد ہے کہ مکہ والے ایسے گھبرائے کہ ابوسفیان اپنا سارا لشکر لے کر مکہ جا پہنچا۔ اِدھر مسلمان جو زخمی ہوئے تھے اور ایک موقع پر انہیں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں اُن کی یہ حالت ہوئی کہ چونکہ اُحد مدینہ کے قریب تھا (اُحد اور مدینہ کے درمیان قریباً آٹھ میل کا فاصلہ تھا) اس لیے جب یہ خبر مدینہ والوں کو پہنچی تو مدینہ کی عورتیں اور بچے میدانِ جنگ کی طرف بھاگے۔ گویا کفار کا جرنیل ابوسفیان جو مرد تھا وہ تو ڈر کر اپنے لشکر سمیت مکہ کی طرف جو تین سو میل کے فاصلہ پر تھا

بھاگ گیا لیکن مسلمان عورتیں اور بچے میدانِ جنگ کی طرف دوڑ پڑے۔ یہ پتا لینے کے لیے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے۔ تو دیکھو! کتنا بڑا فرق ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ مسلمانوں کی شکست کی خبر سن کر مدینہ کا شہر خالی ہو جاتا اور لوگ وہاں سے بھاگ جاتے لیکن بھاگا ابوسفیان۔ وہ اپنے لشکر کو لے کر مکہ جا پہنچا۔ اور بھاگا بھی اس ڈر کے مارے کہ کہیں مسلمان اسے مار نہ دیں اور اس کے مقابلہ پر مسلمان عورتیں دلیری سے اپنے بچوں کو لے کر میدانِ جنگ میں جا پہنچیں۔ غرض مسلمانوں کے حوصلے دیکھو اور کفار کی بزدلی دیکھو۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ جو مسلمان نہیں تھے وہ تو یہ سمجھتے تھے کہ اس کا برا نتیجہ ہمارے لیے ہی نکلنا ہے لیکن مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ یہ جو بظاہر شکست ہوئی ہے اس کا نتیجہ ہمارے لیے اچھا ہی نکلے گا۔ چنانچہ ان کی عورتیں اپنے بچوں کو ساتھ لے کر میدانِ جنگ میں پہنچ گئیں۔

تاریخ میں آتا ہے کہ ایک عورت جب دوڑتی ہوئی میدانِ جنگ کی طرف آ رہی تھی تو رستہ میں اسے ایک آدمی ملا جو اس کا واقف تھا۔ اُس عورت نے اس سے دریافت کیا کہ بتاؤ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟ اس عورت کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زندہ ہونے کی خبر نہیں پہنچی تھی۔ لیکن وہ صحابیؓ میدانِ جنگ سے آ رہے تھے اور انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زندہ ہونے کا یقین تھا اس لیے انہوں نے بجائے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی بات کہنے کے اس عورت سے کہا کہ بی بی! مجھے بہت افسوس ہے کہ تیرا باپ اور تیرا خاوند اور تیرا بھائی تینوں اس جنگ میں شہید ہو گئے ہیں۔ اِس پر وہ کہنے لگی میں نے کب تجھ سے اپنے باپ کے متعلق پوچھا تھا یا میں نے کب تجھ سے اپنے بھائی کے متعلق سوال کیا تھا یا میں نے کب تجھ سے اپنے خاوند کے متعلق دریافت کیا تھا۔ میں نے تو تجھ سے یہ دریافت کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ مگر اس صحابیؓ نے پھر وہی جواب دیا۔ آخر اُس عورت نے کہا تجھے خدا تعالیٰ کی

قسم! تُو کوئی اَور بات نہ کر تُو میری اِس بات کا جواب دے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ اُس نے کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو خدا تعالیٰ کے فضل سے خیریت سے ہیں۔ یہ جواب سن کر اُس عورت نے کہا جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیریت سے ہیں تو باقی سب مصیبتیں اِس خوشی کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہیں۔2 پھر وہ کہنے لگی بھائی! مجھے یہ تو بتاؤ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں کہاں؟ آپ لشکر سے ذرا ایک طرف ہٹ کر کھڑے تھے۔ اس صحابیؓ نے اس طرف اشارہ کر کے کہا آپ اُدھر کھڑے ہیں۔ اس پر وہ عورت دوڑتی ہوئی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی اور محبت کے جوش میں آپ کے پاؤں میں گر گئی اور آپ کا دامن پکڑ کر اپنی آنکھوں سے لگا کر کہنے لگی کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! آپ بھی کیا کرتے ہیں؟ یہ فقرہ تو تھا مہمل اور بے معنٰی لیکن عورتیں غم کے موقع پر اس قسم کے فقرے بول لیا کرتی ہیں۔ اِس سے اُس کا مطلب یہ تھا کہ آپ کی وفات کی خبر جو مشہور ہوئی ہے یہ گویا آپ نے ہی مشہور کرائی تھی حالانکہ یہ حادثہ اتفاقی طور پر پیش آیا تھا۔ لیکن وہ اپنے غم میں سب کچھ بھول گئی اور کہنے لگی یَارَسُوْلَ اللّٰہ! آپ بھی کیا کرتے ہیں۔۔۔ ایک اور صحابی حضرت انسؓ بن نضر کی نسبت آتا ہے کہ جب مسلمانوں کو پہلے پہل جنگِ اُحد میں فتح نصیب ہوئی تو چونکہ انہوں نے رات سے کھانا نہیں کھایا تھا وہ ذرا پیچھے کی طرف ہٹ گئے۔ ان کے پاس دس بارہ کھجوریں تھیں انہوں نے خیال کیا کہ وہ ایک طرف ہو کر کھجوریں کھا لیں۔ چنانچہ وہ ٹہلتے بھی جاتے تھے اور کھجوریں بھی کھاتے جاتے تھے۔ وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ بعد میں دشمن نے مسلمانوں کی پشت پر سے حملہ کر کے ان کی فتح کو شکست میں تبدیل کر دیا ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ ان لوگوں میں سے تھے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچا رہے تھے اور آپؐ کے آگے کھڑے ہو کر لڑ رہے تھے۔ صرف 12 آدمی تھے جو اُس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھے اور اُن میں حضرت ابوبکرؓ اور

حضرت عمرؓ بھی شامل تھے۔جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نیچے گرے اور آپؐ کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی اِس صدمہ میں یہ خیال کر کے کہ شاید اس خبر کو سن کر مدینہ سے کچھ اَور لوگ پہنچیں اور ان کے ساتھ مل کر ہم آپ کا بدلہ لیں حضرت عمرؓ میدانِ جنگ سے باہر آ گئے اور ایک چٹان پر بیٹھ کر رونے لگ گئے۔حضرت انسؓ بن نضر اُس وقت ٹہلتے ٹہلتے کھجوریں کھا رہے تھے انہوں نے جب حضرت عمرؓ کو روتے دیکھا تو آگے بڑھ کر کہا عمر! اسلام کو فتح ہوئی ہے اور تم رو رہے ہو؟ یہ رونے کا کونسا موقع ہے؟ یہ تو خوشی کا موقع ہے۔حضرت عمرؓ کہنے لگے انس! شاید تمہیں پتا نہیں کہ بعد میں کیا ہوا؟ انسؓ نے کہا مجھے تو معلوم نہیں۔حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ دشمن نے پیچھے سے اچانک حملہ کر دیا اور اس حملہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی شہید ہو گئے ہیں۔حضرت انسؓ کے پاس اُس وقت صرف ایک ہی کھجور تھی جو منہ میں ڈالنے کے لیے تیار تھے مگر انہوں نے جب یہ بات سنی تو کہا عمر! اگر یہ واقعہ جو تم نے بیان کیا ہے درست ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شہید ہو گئے ہیں تب بھی یہ رونے کا کونسا وقت ہے۔جدھر ہمارا محبوب گیا ہے اُدھر ہی ہمیں بھی جانا چاہیے۔ اگر ہمارا محبوب اس دنیا میں نہیں تو ہم نے اس دنیا میں رہ کر کیا کرنا ہے؟ ہمارا محبوب اگلے جہان چلا گیا ہے تو ہم بھی وہیں جائیں گے اِس دنیا میں ہمارا کوئی کام نہیں۔پھر اُنہوں نے اس کھجور کو جو اُن کے ہاتھ میں تھی نیچے پھینکا اور کہنے لگے میرے اور جنت کے درمیان سوائے تیرے اَور کونسی روک ہے؟ اِس کے بعد انہوں نے تلوار سونت لی اور میدانِ جنگ میں چلے گئے۔کفار کا لشکر پیچھے ہٹ چکا تھا مگر ابھی میدانِ جنگ میں کھڑا تھا تا کہ موقع دیکھ کر دوبارہ حملہ آور ہو سکے۔انسؓ اُس لشکر پر جا پڑے۔وہ تین ہزار کا لشکر تھا اور یہ اکیلے تھے۔ انہوں نے غصہ میں انسؓ پر اتنی ضربیں لگائیں کہ جب خدا تعالیٰ نے دوبارہ مسلمانوں کو فتح دی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسلمانوں کو جمع کر کے کہا جاؤ اور انس کو تلاش کرو۔ چنانچہ کچھ لوگ تلاش کے لیے گئے لیکن انسؓ نہ ملے۔انہوں نے واپس آ کر کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ!

انسؓ نہیں ملے، اُن کا کوئی پتا نہیں چلتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھر جاؤ اور تلاش کرو۔ چنانچہ وہ پھر گئے اور انسؓ کو تمام میدانِ جنگ میں تلاش کیا مگر پھر بھی وہ نہ ملے۔ وہ واپس آ گئے اور انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یَارَسُولَ اللّٰہ! انسؓ کا کوئی پتا نہیں لگا۔ آپؐ نے فرمایا پھر جاؤ اور تلاش کرو۔ انسؓ کے جسم کے اُس وقت ستّر ٹکڑے ہو چکے تھے جو پہچانے نہیں جاتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اُن کے کسی قریبی رشتہ دار کو ساتھ لے جاؤ جو اُن کی لاش کو پہچان سکے۔ اِس ارشاد کی تعمیل میں صحابہؓ انسؓ کی بہن کو ساتھ لے گئے۔ ایک جگہ ایک انگلی کٹی پڑی تھی۔ اُن کی بہن نے اُسے پہچان لیا اور کہا یہ میرے بھائی کی انگلی ہے۔ آپ کی کٹی ہوئی انگلیاں بکھری پڑی تھیں، ٹانگیں الگ پڑی تھیں، ہاتھ الگ پڑے تھے اور دھڑ الگ کٹا پڑا تھا۔ آپ کی انگلی پر کوئی پرانا زخم تھا جس کی وجہ سے آپ کی بہن نے پہچان لیا کہ یہ میرے بھائی کی انگلی ہے۔ غرض لاش کے ٹکڑوں کو جمع کر لیا گیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دی گئی کہ انسؓ کی لاش مل گئی ہے۔'' 3 (الفضل 21 اپریل 1957ء صفحہ 2 تا 4)

1: بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ احد صفحہ 684، 685 حدیث نمبر 4043 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعۃ الثانیۃ میں ''اللّٰہ مولانا ولا مولٰی لکم'' کے الفاظ ہیں۔

2: السیرۃ النبویۃ لابن ھشام الجزء الثانی صفحہ 880 زیرعنوان ''شأن المرأۃ الدیناریۃ'' مطبوعہ دمشق 2005ء

3: السیرۃ النبویۃ لابن ھشام الجزء الثانی صفحہ 862 زیرعنوان ''شأن انس بن النضر'' مطبوعہ دمشق 2005ء

حقیقی عید رسول کریم ﷺ کا جھنڈا ہمیشہ کھڑا رکھنے میں ہے

حضرت مصلح موعود نے 2 مئی 1957 کو مسجد مبارک ربوہ میں خطبہ عیدالفطر دیتے ہوئے فرمایا:۔

میں دوستوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہماری عید دراصل وہی ہوسکتی ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کی عید ہو۔ اگر ہم تو عید منائیں لیکن محمد رسول اللہ ﷺ عید نہ منائیں تو ہماری عید قطعاً عید نہیں کہلاسکتی بلکہ وہ ماتم ہوگا۔ جیسے کسی گھر میں کوئی لاش پڑی ہو، ان کا کوئی بڑا آدمی فوت ہوگیا ہو تو لاکھ عید کا چاند نکلے ان کے لئے عید کا دن ماتم کا ہی دن ہوگا۔ اسی طرح ایک مسلمان کے لئے چاہے محمد رسول اللہ ﷺ کی وفات پر 1300 سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے اگر اس کی عید میں محمد رسول اللہ ﷺ شامل نہیں اور اگر وہ اس ظاہری عید پر مطمئن ہو جاتا ہے تو اس کی عید کسی کام کی نہیں۔ بے شک اس دن خدا تعالیٰ نے ہمیں خوش ہونے کا حکم دیا ہے اور ہم خوشی منانے پر مجبور ہوتے ہیں لیکن پھر بھی ہمارے دلوں کو چاہیے کہ وہ روتے رہیں کہ ابھی محمد رسول اللہ ﷺ اور اسلام کی عید نہیں آئی۔ محمد رسول اللہ ﷺ اور اسلام کی عید سویاں کھانے سے نہیں آتی نہ شیرخرما کھانے سے آتی ہے بلکہ ان کی عید قرآن اور اسلام کے پھیلنے سے آتی ہے۔ اگر قرآن اور اسلام پھیل جائیں تو ہماری عید میں محمد رسول اللہ ﷺ بھی شامل ہو جائیں گے اور آپؐ خوش ہوں گے کہ اگرچہ مجھے فوت ہوئے 1300 سال

سے زائد عرصہ گزر چکا ہے لیکن جس مشن کو لے کر میں دنیا میں آیا تھا ابھی تک میری امت نے اسے قائم رکھا ہوا ہے۔

پس کوشش یہی کرو کہ اسلام کی اشاعت ہو، قرآن کی اشاعت ہو تا کہ ہماری عید میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہوں۔ اگر آج کی عید محمد رسول اللہ ﷺ کی بھی عید ہے تو پھر سارے مسلمانوں کی عید ہے۔ لیکن اگر آج کی عید میں محمد رسول اللہ ﷺ شامل نہیں تو پھر آج سارے مسلمانوں کے لئے عید نہیں بلکہ ان کے لئے ماتم کا دن ہے۔

پس اس نکتہ کو یاد رکھو۔ بے شک ایک حد تک ہماری جماعت کو تبلیغ اسلام کا موقع ملا ہے مگر ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ چیز ہمارے اندر اس قدر گھر کر گئی ہے کہ ہماری اولادوں میں بھی سینکڑوں سال تک چلی جائے گی۔ ابھی ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ بعض لوگوں کی اولاد میں اگر چہ ان پر سینکڑوں سال نہیں گزرے ابھی سے اپنے باپ دادوں والا اخلاص نہیں پایا جاتا حالانکہ ہماری اصل عید تبھی ہوسکتی ہے جب قیامت تک محمد رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا کھڑا رکھا جائے۔ اگر ہمیں یہ نظر نہ آئے اور ہماری اولادوں میں اتنا جوش نہ ہو کہ ہمارے مرنے کے بعد بھی وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور اسلام کی تعلیم کو دنیا میں پھیلاتی رہیں گی تو پھر ہمیں ڈرہی رہنا چاہئے کہ اس وقت اگر عارضی طور پر ہمارے لئے عید ہے تو تھوڑے ہی عرصہ کے بعد کہیں خدانخواستہ ہمارے لئے ماتم نہ ہو جائے۔‘‘

(الفضل 8 مئی 1957ء صفحہ 3، 4)

رسول کریم ﷺ کی تائید و نصرت الٰہی کے نظارے

حضرت مصلح موعود نے 26 جولائی 1957ء کو مری میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''صبر کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ملتی ہے اور جب کوئی صبر سے کام لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اُس کے شاملِ حال ہو جاتی ہے۔ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ [1] میں یہی پیشگوئی کی گئی ہے کہ مخالفین کے متعلق غم نہ کر۔ اللہ تعالیٰ فیصلہ کر چکا ہے کہ ان کو تباہ کر دے۔ چنانچہ دیکھ لو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مخالفین نے کتنی شرارتیں کیں مگر آخر وہ خائب و خاسر ہو کر رہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی فتح یاب ہوئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ صفا پہاڑی پر بیٹھے کچھ سوچ رہے تھے کہ ابوجہل آ نکلا اور اس نے بغیر کوئی بات کہے آپؐ کے منہ پر زور سے تھپڑ مار دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اتنا فرمایا کہ میں نے آپ لوگوں کا کیا بگاڑا ہے؟ میں تو صرف یہی کہتا ہوں کہ خدا ایک ہے۔ حضرت حمزہؓ کی ایک لونڈی گھر کے دروازہ میں کھڑی یہ نظارہ دیکھ رہی تھی۔ وہ دل ہی دل میں کڑھتی اور پیچ و تاب کھاتی رہی۔ شام کو حضرت حمزہؓ شکار سے واپس آئے اور گھر میں داخل ہوئے تو لونڈی غصہ سے کہنے لگی تمہیں شرم نہیں آتی کہ آج تمہارے بھتیجے کے ساتھ کیا ہوا؟ وہ پتھر پر چپ کر کے بیٹھا تھا کہ ابوجہل نے اُس کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔ حمزہؓ اُسی وقت خانہ کعبہ میں پہنچے جہاں تمام رؤسائے مکہ بیٹھے تھے اور ابوجہل بھی اُن میں موجود تھا۔ انہوں نے جاتے ہی

زور سے ابوجہل کے منہ پر کمان ماری اور کہا تُو نے آج میرے بھتیجے کو تھپڑ مارا ہے اگر تجھ میں طاقت ہے تو میرا مقابلہ کر۔ ابوجہل پر ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ کہنے لگا بے شک میرا ہی قصور تھا کہ میں نے اسے بِلا وجہ مارا۔ اس کے بعد حمزہؓ سیدھے اُس مکان پر گئے جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور اسلام قبول کر لیا۔2 اب دیکھو! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صبر سے کام لیا تھا مگر خدا نے آپؐ کی طرف سے اُسی وقت بدلہ لے لیا۔

اِسی طرح بدر میں کفارِ مکہ کا جو حال ہوا وہ ظاہر ہے۔ ابوجہل نے دعا کی تھی کہ الٰہی! اگر محمد (رسول اللہ) سچا ہے تو ہم پر پتھر پڑیں۔ پھر ایسا ہی ہوا۔ ابوجہل مارا گیا اور اس کے ساتھیوں پر ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ شکست کھا کر بھاگ نکلے۔3

اسی طرح ایک دفعہ زمانہ نبوت میں ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور اس نے کہا ابوجہل نے میرا کچھ قرض دینا ہے مگر وہ دیتا نہیں۔ آپؐ حلف الفضول میں شامل تھے آپ مجھے قرض دلا دیں۔ آپؐ اُسی وقت اُس کے ساتھ چل پڑے اور ابوجہل سے جا کر بات کی۔ ابوجہل فوراً اندر گیا اور اس نے روپیہ لا کر دے دیا۔ بعد میں جب کفارِ مکہ نے اسے طعنہ دیا تو اس نے کہا کہ جب محمد رسول اللہؐ میرے پاس آئے تھے تو خدا کی قسم! میں نے دیکھا کہ دو مست اونٹ اس کے دائیں بائیں کھڑے ہیں اور اگر میں نے ذرا بھی انکار کیا تو وہ مجھے کھا جائیں گے۔ جس پر میں ڈر گیا اور میں نے روپیہ لا کر دے دیا۔4 یہ خدائی نشان تھا جس کے نتیجہ میں محمد رسول اللہؐ کی اس نے مدد کی اور دشمن کے دل میں اس نے رعب پیدا کر دیا۔

اسی طرح طائف سے واپسی پر چونکہ ملکی قانون کے مطابق آپ مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے تھے آپ نے اپنے ایک شدید مخالف کو پیغام بھیجا کہ میں مکہ میں آنا چاہتا ہوں کیا تم اپنی پناہ میں مجھے داخل کر سکتے ہو؟ اُس نے فوراً اپنے بیٹوں کو بلایا اور کہا کہ ننگی تلواریں لو اور اُن کے سایہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر پہنچاؤ۔ چنانچہ وہ ننگی تلواریں

لیے آپ کے آگے آگے آئے اور یہ کہتے آتے تھے کہ اگر کسی نے ذرا بھی سر اٹھایا تو اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ اس طرح خدا نے ایک شدید ترین دشمن سے آپ کی حفاظت کروائی اور آپ سلامتی سے اپنے گھر پہنچ گئے۔5

غرض ہر موقع پر خدائی تائید اور نصرت کے نظارے ہمیں آپ کی زندگی میں نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ایک مقام پر فرماتا ہے کہ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى6 یعنی اے محمد رسول اللہ! بدر کے موقع پر جو تُو نے کنکروں کی مٹھی پھینکی تھی وہ بظاہر تُو نے پھینکی تھی لیکن اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کا ہاتھ تھا کہ ایک ہزار کا لشکر اندھا ہو گیا اور اُس نے بھاگ کر مکہ میں جا کر سانس لیا۔

اسی طرح غزوہ خندق کے موقع پر جبکہ کئی ہزار کا لشکر مدینہ کے اردگرد ڈیرہ ڈالے پڑا تھا اللہ تعالیٰ نے رات کو ایسی تیز ہوا چلائی کہ دشمن کی آگیں بجھ گئیں۔ عرب لوگ آگ بجھنا منحوس خیال کیا کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام جرنیل بھاگ گئے۔ خود ابوسفیان اس قدر گھبرایا کہ اُسے اونٹ کا گُھٹنا کھولنا بھی یاد نہ رہا۔ وہ اسی حالت میں اُس پر سوار ہو گیا اور اُسے لاتیں مارنے لگ گیا۔ آخر کسی نے کہا کہ ہوش سے تو کام لو اونٹ کا تو گُھٹنا بندھا ہوا ہے۔7 غرض اللہ تعالیٰ نے مخالفوں کے دلوں میں رعب پیدا کر دیا کہ وہ ایک وہمہ کا شکار ہو کر میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔''

(الفضل 25 اکتوبر 1961ء صفحہ 2، 3)

1: النحل: 128

2: السیرۃ النبویۃ لابن ھشام الجزء الاوّل صفحہ 338، 339 زیر عنوان ''اسلام حمزۃ'' مطبوعہ دمشق 2005ء

3: بخاری کتاب التفسیر باب قولہ وما کان اللّٰہ لیعذبھم و انت فیھم صفحہ 797 حدیث نمبر 4649 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعۃ الثانیۃ

4: السیرۃ النبویۃ لابن ھشام الجزء الاوّل صفحہ 440 تا 442 زیر عنوان ''امر الاراشی الذی

باع اباجهل ابله" مطبوعہ دمشق 2005ء

5: طبقات ابن سعد جلد 1 صفحہ 212 مطبوعہ بیروت 1985ء

6: الانفال: 18

7: السیرۃ النبویۃ لابن ھشام الجزء الثانی صفحہ 1019 زیرعنوان "مناداۃ ابی سفیان فیھم بالرحیل" مطبوعہ دمشق 2005ء

خدائی کلام پر رسول کریم ﷺ کا ایمان

حضرت مصلح موعود نے 16/اگست 1957ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دفعہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میرے بھائی کو اسہال آ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ اُسے شہد پلاؤ۔ وہ گیا اور اس نے شہد پلایا مگر اسہال زیادہ ہو گئے۔ وہ پھر آپ کے پاس آیا اور اس کا ذکر کیا۔ آپ نے پھر یہی جواب دیا کہ جاؤ اور شہد پلاؤ۔ وہ پھر گیا اور اس نے شہد پلایا مگر اسہال پھر زیادہ ہو گئے۔ اس پر وہ تیسری دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے اور خدا کا کلام سچا ہے۔ جاؤ اور اُسے شہد پلاؤ۔ یعنی جب خدا نے شہد کے متعلق فرمایا ہے کہ اس میں شفا ہے تو خدا تعالیٰ کی بات کس طرح غلط ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس نے پھر شہد پلایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کے اندر سے ایک سخت سُدہ نکلا اور اُسے شفا ہو گئی۔1

(الفضل 30 اگست 1957ء صفحہ 3)

1: بخاری کتاب الطب باب الدواء بالعسل صفحہ 1006 حدیث نمبر 5684 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

رسول کریم ﷺ کا مقام محمود

حضرت مصلح موعود نے 23/ اگست 1957ء کے خطبہ جمعہ میں سورۃ بنی اسرائیل آیت 79، 80 (اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیۡلِ وَقُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ ؕ اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ کَانَ مَشۡہُوۡدًا ۔ وَ مِنَ الَّیۡلِ فَتَہَجَّدۡ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ ۫ عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا) کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:۔

''ان آیات میں اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی عبادت کی طرف توجہ دلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ عبادات ہی تیرا بڑا سہارا ہیں تو ان کی طرف توجہ کر۔ اگر تُو عبادات کی طرف توجہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ تجھے ایک ایسے مقام پر کھڑا کرے گا جس کا نام مقامِ محمود ہے۔

مسلمانوں میں عام طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ مقامِ محمود جنت میں ایک بہت بلند مقام ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا جائے گا۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت میں مقام سب سے اعلیٰ ہوگا لیکن سوال یہ ہے کہ غیر مذاہب والے اس کو کب مان سکتے ہیں۔ عیسائی اور ہندو اور یہودی وغیرہ اسے کب تسلیم کر سکتے ہیں۔ انگلستان، امریکہ، جرمنی اور روس کے دہریہ اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ وہ تو نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے قائل ہیں اور نہ مرنے کے بعد جینے کے قائل ہیں۔ اُن کو یہ کہنا کہ ہمارے رسولؐ سب انبیاء سے افضل ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ انہیں جنت میں ایک بڑا اعلیٰ مقام عطا کیا جائے گا جس کا نام مقامِ محمود ہوگا ایک عبث بات ہے۔ وہ تو کہیں گے کہ ہم تو ان باتوں کے

قائل ہی نہیں۔ ہم تو اس بات کے بھی قائل نہیں کہ تمہیں مرنے کے بعد ایک چمچہ گھی کا یا ایک چمچہ شکر کا بھی ملے گا۔ تم یہ کیا کہتے ہو کہ تمہارے رسول کو مقامِ محمود ملے گا۔

عیسائیوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں نسبتاً زیادہ ہوشیاری کی ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ آخری زمانہ میں ہمارا مسیح جسمانی طور پر آسمان سے اترے گا اور بادشاہت اس کی ہو جائے گی۔ اُن پر یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ دکھاؤ تمہارے مسیحؑ کی بادشاہت کہاں ہے؟ وہ کہیں گے ہم تو قیامت سے قریب اس بادشاہت کے قائل ہیں اِس وقت تو نہیں۔ پس وہ تو پھر بھی کچھ جواب دے سکتے ہیں مگر مسلمان اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ محمود کو جنت تک محدود رکھیں تو اُن کے اعتراض کا جواب نہیں دے سکتے۔ اگر ہم اُن سے کہیں کہ آؤ اور دکھاؤ کہ مسیحؑ کی بادشاہت کہاں ہے؟ تو وہ کہیں گے کہ تم پہلے قیامت کا دن دکھاؤ۔ ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ قیامت کے قریب اُس کی بادشاہت قائم ہوگی۔ اگر تم اُس کی بادشاہت دیکھنا چاہتے ہو تو قیامت کا دن بھی دکھاؤ۔ پھر دنیوی طور پر ہمیں وہ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم مسیحؑ کے ماننے والے ہیں اور ہماری حکومت اس وقت دنیا پر قائم ہے۔ مگر تم کہتے ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت میں مقامِ محمود ملے گا اور حالت یہ ہے کہ آج سب سے زیادہ گالیاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی مل رہی ہیں۔ ہندو ہیں، عیسائی ہیں، روس کے دہریہ ہیں، بدھ ہیں، ان میں سے جو بھی اسلام پر کوئی کتاب لکھتا ہے وہ سیدھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے لگ جاتا ہے۔ پس تمہارا جنت والا انعام تو ہمیں نظر نہیں آتا۔ اس دنیا میں تمہیں جو کچھ مل رہا ہے وہ تو ظاہر ہے کہ مقامِ محمود کے خلاف ہے۔

سو یاد رکھنا چاہیے کہ مقامِ محمود بے شک جنت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے گا مگر اس دنیا میں بھی آپ کو مقامِ محمود عطا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے اور عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا میں اسی مقامِ محمود کی طرف اشارہ

ہے جو دنیا میں آپ کو ملے گا اور پھر اس مقام کے حصول کا طریق بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیۡلِ وَقُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ ؕ اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ کَانَ مَشۡہُوۡدًا ۔ان آیات میں گو ضمیریں مفرد کی استعمال کی گئی ہیں اور بظاہر ان آیات کا خطاب محمد رسول اللہ ﷺ سے ہے مگر مراد آپ کی امت کے افراد ہیں۔ قرآن کریم میں ایسی بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں جہاں مخاطب رسول کریم ﷺ کو کیا جاتا ہے مگر مراد آپ کی امت کے افراد ہوتے ہیں۔ان آیات میں بھی اللہ تعالیٰ رسول کریم ﷺ کی امت کے ہر فرد کو مخاطب کرتا اور فرماتا ہے کہ اے رسول اللہ کے امتی! تُو نمازیں قائم کر۔خصوصاً سورج ڈھلنے کے وقت سے لے کر رات کے خوب تاریک ہو جانے کے وقت تک کی مختلف گھڑیوں میں۔ اور اِسی طرح فجر کے وقت قرآن کریم بھی پڑھا کر کیونکہ فجر کے وقت قرآن کریم کا پڑھنا ایک مقبول عمل ہے۔مفردات میں لکھا ہے کہ مَشۡہُوۡدًا کے یہ بھی معنے ہیں کہ ایسے آدمی کو شفا اور رحمت ملے گی۔ پس دوسرے معنے اِس کے یہ بھی ہیں کہ اُس کو دنیوی زندگی میں اعلیٰ مقام جو خوشی والا ہوگا ملے گا۔ فجر کا وقت وہ ہوتا ہے جب اندھیرا جا رہا ہوتا ہے اور سورج کی روشنی نمودار ہونے والی ہوتی ہے۔لیکن اس جگہ فجر سے یہ مراد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسلام کا نور پھیلنے کے سامان پیدا ہو رہے ہوں اور کفر و الحاد کی تاریکیاں دور ہونے کا وقت آ جائے تو اُس وقت قرآن کریم کو خوب پھیلاؤ اور اس کی دنیا میں اشاعت کرو۔

علماء کہتے ہیں کہ اِس آیت کا یہ مطلب ہے کہ اگر صبح کے وقت قرآن کریم کی تلاوت کی جائے تو اُس وقت فرشتے خدا تعالیٰ کا کلام سننے کے لئے آتے ہیں۔مگر یہاں پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرشتے کون دیکھتا ہے اور اُن کا آنا جانا کس طرح ثابت کیا جا سکتا ہے۔عیسائی تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ محض ڈھکوسلے ہیں لیکن میں نے جو معنے کیے ہیں اور جو لغتِ عربی کی کتابوں کے عین مطابق ہیں ان پر کوئی اعتراض نہیں

کیا جا سکتا۔ بلکہ ان معنوں کو ثابت کیا جا سکتا ہے۔ میں نے اس آیت کے یہ معنے کیے ہیں کہ جس وقت اللہ تعالیٰ اسلام کا نور پھیلانے کے سامان پیدا فرمائے تم قرآن کریم کی اشاعت کے لئے کھڑے ہو جایا کرو۔ تب تم کو خدا تعالیٰ کی طرف سے صحت اور رحمت ملے گی اور محمد رسول اللہ ﷺ کو مقامِ محمود ملے گا۔ چنانچہ دیکھ لو یہ نظارہ ایسا ہے جو اس دنیا میں نظر آ رہا ہے۔ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی فرمایا کہ

آ رہا ہے اس طرف احرارِ یورپ کا مزاج
نبض پھر چلنے لگی مُردوں کی ناگاہ زندہ وار

ہمیں نظر آتا ہے کہ وہ بڑے بڑے عیسائی جو عیسائیت پر جان دیا کرتے تھے اب اسلام کی تعریف میں کلمات کہہ رہے ہیں۔ اور وہی عیسائی مصنف جو رسول کریم ﷺ کی زندگی پر کئی قسم کے الزامات لگایا کرتے تھے اب ان کو غلط قرار دے کر ان کی تردید کر رہے ہیں۔‘‘ (الفضل 7 ستمبر 1957ء صفحہ 3، 4)

ایک حقیقی مومن رسول کریم ﷺ کے نقش قدم پر چل کر خدا تعالیٰ کا مقرب بن سکتا ہے

حضرت مصلح موعود نے 20 ستمبر 1957ء کو ربوہ میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دَنَا فَتَدَلّٰی ۔ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی 1 یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ سے ملنے کے لیے اس کے قریب ہوئے اور خدا تعالیٰ بھی آپ کی ملاقات کے لیے اوپر سے نیچے آ گیا۔ اس آیت میں ''تَدَلّٰی'' کا جو لفظ استعمال کیا گیا ہے یہ ''دلوٌ'' سے نکلا ہے جس کے معنے ڈول کے ہیں۔ عربی زبان میں بعض اوقات واؤ، یا سے بدل جاتی ہے اور لغت میں ''تَدَلّٰی'' کے معنے ''اَرْسَلَ الدَّلْوَ فِی الْبِئْرِ'' 2 کے لکھے ہیں۔ اُس نے ڈول کو کنویں میں لٹکایا۔ گویا اس لفظ سے اوپر سے نیچے جانے کے معنے نکلتے ہیں۔ اسی طرح تدلّٰی کے معنے لغت میں تواضع کے لکھے ہیں۔ 3 یعنی باوجود بلند شان ہونے کے دوسرے کے آگے جھک گیا۔ یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ اپنی مرضی کو اس کی مرضی کے تابع کر دیا۔ پس ''تَدَلّٰی'' کے معنے یہ ہوئے کہ خدا تعالیٰ بہت بلند اور اعلیٰ شان رکھنے کے باوجود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے نیچے کی طرف جھکا۔

اسی مضمون کو ایک اَور آیت بھی واضح کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ ۔ 4 یعنی جب کوئی شخص اعمال صالحہ بجا لاتا ہے تو وہ اس کو اونچا کر

دیتے ہیں۔ یعنی مومن عمل صالح کے ذریعہ خدا تعالیٰ کے قریب ہونے کی کوشش کرتا ہے جس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ عرش سے اُتر کر اُس کی طرف آ جاتا ہے۔ جیسے رمضان المبارک کے ذکر میں قرآن کریم کے ایک دوسرے مقام میں آتا ہے کہ وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۔[5] یعنی جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق سوال کریں تو تُو انہیں کہہ دے کہ میں اُن کے قریب ہوں اور میں ہر پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہوں۔ یہ وہی تَدَلّٰی ہے جس کا ''دَنَافَتَدَلّٰی'' میں ذکر آتا ہے۔ گویا خدا تعالیٰ تو عرش پر بیٹھا ہے لیکن جب کوئی انسان اُس سے ''دَنُوّ'' کرتا ہے اور اعمال صالحہ کے ساتھ خدا تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے اور اُس سے دعائیں کرتا ہے تو خدا تعالیٰ بھی اس کے نزدیک آ جاتا ہے اور اس طرح وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی رنگ میں شاگرد ہو جاتا ہے۔

غرض ''دَنَافَتَدَلّٰی'' نے ہمیں اس طرف توجہ دلائی ہے کہ ایک سچے مسلمان کے لیے یہ راستہ کھلا ہے کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چل کر خدا تعالیٰ کے قریب ہو اور پھر خدا تعالیٰ بھی اُس کے نزدیک آ جائے۔''

(الفضل 6 اکتوبر 1957ء صفحہ 3)

1: النجم: 9، 10

2: المنجد صفحہ 224 مطبوعہ بیروت 1973ء

3: لسان العرب جلد 3 باب الدال صفحہ 406 مطبوعہ قاھرۃ 2013ء

4: فاطر: 11

5: البقرۃ: 187

سورۃ الکوثر میں آنحضرت ﷺ کو روحانی اولاد عطا ہونے کی پیشگوئی

حضرت مصلح موعود نے 12 اکتوبر 1957ء کو لجنہ اماء اللہ ربوہ میں سورۃ الکوثر کی روشنی میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

ایک اعتراض کا جواب

''یہ سورۃ جس کی میں نے ابھی تلاوت کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اے محمد رسول اللہ! ہم نے یقیناً تجھے کوثر عطا فرمایا ہے۔ سوتُو اس عظیم الشان نعمت کے شکریہ کے طور پر اپنے رب کی کثرت سے عبادت کر اور ہر قسم کی قربانیوں کیلئے تیار رہ۔ اور یقین رکھ کہ تیرا دشمن ہی نرینہ اولاد سے محروم ثابت ہوگا۔ چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں نرینہ اولاد زندہ نہیں رہی اس لئے قریشِ مکہ آپ کی تحقیر کیلئے آپ کو ابتر کہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس سورۃ میں دشمنوں کے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ اُن کا یہ اعتراض بالکل غلط ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتر نہیں بلکہ ان کا دشمن ہی ابتر ثابت ہوگا اور وہی اولادِ نرینہ سے محروم رہے گا۔ اب جہاں تک جسمانی اولادِ نرینہ کا سوال ہے بیشک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کوئی نرینہ اولاد زندہ نہیں رہی جس سے آپ کی جسمانی نسل چلتی۔ مگر جہاں تک روحانی اولاد کا سوال ہے ہم دیکھتے ہیں کہ یہ اولاد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی اور اتنی کثرت کے ساتھ ملی کہ اس کی نظیر دنیا کے کسی نبی میں بھی

نظر نہیں آتی۔ اسی چیز کا ذکر آیت خاتم النبیین میں کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ گو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نرینہ اولاد نہیں جس کے آپ باپ کہلا سکیں مگر خدا تعالیٰ آپ کی روحانی اولاد کو قیامت تک جاری رکھے گا جو ہمیشہ آپ کے کام کو جاری رکھے گی اور آپ کے نام کو دنیا کے کناروں تک پہنچاتی رہے گی۔ جس کے مقابلہ میں صرف جسمانی اولاد کا میسر آجانا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ جسمانی اولاد بعض اوقات انسان کیلئے ہزاروں دقتوں اور مصیبتوں کا موجب ہوجاتی ہے اور بجائے اس کے کہ اس کی اولاد کی وجہ سے باپ کی عزت ہو اس کی ذلت اور رسوائی ہوتی ہے۔ پس صرف جسمانی اولاد کا میسر آجانا کوئی بڑی کامیابی نہیں۔ ہاں اگر کسی کو روحانی اولاد مل جائے اور وہ اس کے نام اور کام کو دنیا میں پھیلائے تو یہ اس کی بہت بڑی کامیابی کہلائے گی۔ اور ایسا شخص ہر عقلمند انسان کی نگاہ میں صاحبِ اولاد کہلائے گا۔ پس خدا تعالیٰ مشرکین کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اس سورۃ میں فرماتا ہے کہ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں نرینہ اولاد نہیں تو اس کی وجہ سے آپ ابتر نہیں کہلا سکتے کیونکہ جسمانی اولاد کے متعلق یہ ضروری نہیں ہوتا کہ وہ باپ کی عزت کا موجب ہو بلکہ بسا اوقات وہ ان کی ذلت کا موجب بھی ہوسکتی ہے۔ اس لئے ہم آپ کو روحانی بیٹے عطا کریں گے جو آپ کے نام کو روشن کرنے والے اور آپ کے کام کو جاری رکھنے کا باعث ہوں گے اور آپ کے مقابل پر آپ کا دشمن اس قسم کی اولاد سے ہمیشہ کیلئے محروم رہے گا۔

کفار کی اولاد کی قربانیاں

دشمن کے ہاں روحانی بیٹے نہ ہونے کا ثبوت تو اس بات سے مل جاتا ہے کہ روحانی بیٹا وہی ہوتا ہے جو اپنے باپ کے مذہب پر چلے۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے بڑے دشمنوں میں سے ابوجہل، عاص بن وائل اور ولید بن مغیرہ وغیرہ ہی تھے۔ یہ لوگ آپ کو دکھ دیا کرتے تھے۔ اسی طرح آپ کا ایک اور دشمن ابوسفیان تھا جو ایک

لمبا عرصہ آپ کے خلاف لڑتا رہا لیکن فتح مکہ کے بعد وہ مسلمان ہوگیا۔ان سب دشمنوں میں سے ابوسفیان کا تو یہ حال ہوا کہ وہ نہ صرف خود اپنی آخری عمر میں اسلام لے آیا بلکہ اس کا بیٹا معاویہ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اور نہ صرف ایمان لایا بلکہ اس نے حضرت علیؓ کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہونے کا بھی دعویٰ کیا۔اور جس شخص نے رسول کریم صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہونے کا دعویٰ کیا ہو اُس کی خلافت کے متعلق چاہے کتنے ہی شکوک ہوں بہرحال اس سے اتنا تو واضح ہوجاتا ہے کہ اس نے آپ کا روحانی فرزند ہونا تسلیم کیا ہے۔ پھر اسی معاویہؓ کی نسل نے گیارہ سو سال ☆ تک ہسپانیہ میں اسلام کی حکومت قائم رکھی۔اور یہ حکومت اتنی عظیم الشان تھی کہ ایک وقت سارا یورپ اس سے ڈرتا تھا۔گویا حضرت معاویہؓ نے نہ صرف خود اسلام کی خدمات بجالائیں بلکہ اس کی اولاد کے ذریعہ بھی اسلام کو عروج نصیب ہوا۔

ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ آپ کی بیوی اُمّ حبیبہؓ نے جو ابوسفیان کی بیٹی تھیں اپنے بھائی معاویہؓ کا سر اپنی گود میں رکھا ہوا ہے اور اسے پیار کر رہی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر آپ شرما گئیں اور انہوں نے حضرت معاویہؓ کو الگ کر دیا۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امّ حبیبہ! کیا تم معاویہ سے پیار کر رہی تھیں؟ انہوں نے عرض کیا ہاں یَارَسُوْلَ اللّٰہ! معاویہ میرا بھائی ہے۔آپ نے فرمایا جو تمہیں پیارا ہے وہ ہمیں بھی پیارا ہے۔1 اس طرح گویا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہؓ کو ایک رنگ میں اپنا بیٹا قرار دے دیا۔ یہ تو اسلام کے ایک دشمن کا حال ہوا۔یعنی ابوسفیان جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر وقت لڑتا رہتا تھا اُس کی ایک بیٹی رسول کریم صلی اللہ

☆ سہو کتابت یا بیان لگتا ہے۔ ہسپانیہ میں اموی حکومت تقریباً 320 سال چلی۔ تاہم یہ حکومت گیارہویں صدی یعنی 1031ء تک رہی۔(مرتب)

علیہ وسلم کے نکاح میں آئی اور اُس کے بیٹے معاویہؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رنگ میں اپنا بیٹا قرار دے دیا۔ پھر وہ آپ پر ایمان بھی لایا۔ اور نہ صرف آپ کی زندگی میں بلکہ بعد میں بھی اسلام کی بڑی خدمات بجالایا۔

پھر ابوجہل جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا شدید دشمن تھا اُس کی یہ حالت ہوئی کہ خود اُسی کی اولاد نے چاہا کہ وہ اپنی بہن حضرت علیؓ سے بیاہ دیں لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت نہ دی۔ آپ نے فرمایا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام دوسری شادی کی اجازت دیتا ہے لیکن میں پسند نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی بیٹی اور اس کے دشمن کی بیٹی ایک گھر میں اکٹھی ہوں۔ میں دوسری شادی میں روک نہیں بنتا۔ علی کو اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو میری بیٹی کو طلاق دے دے اور دوسری شادی کرلے اور چاہے تو ابوجہل کی بیٹی سے رشتہ کا خیال ترک کردے۔2 بہرحال ابوجہل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید ترین دشمن تھا اور اس کا بیٹا عکرمہؓ (جو بعد میں مسلمان ہوگیا تھا) مخالفت میں اتنا بڑھا ہوا تھا کہ جب مکہ فتح ہوا تو اس نے یہ برداشت نہ کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہ ہوں اور وہ آپ کی رعیت کہلائے۔ چنانچہ وہ حبشہ کی طرف بھاگ گیا۔ اُس کی بیوی زیادہ شریف تھی اور دل سے مسلمان تھی وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کیا کہ یارسولَ اللہ! کیا عکرمہ آپ کا رشتہ دار نہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں وہ میرا رشتہ دار ہے۔ اس نے کہا یارسولَ اللہ! کیا یہ بات آپ کو اچھی لگتی ہے کہ عکرمہ یہاں نہ رہے؟ جب غیر حاکم تھے تو وہ مکہ میں رہتا تھا لیکن اب آپ جو اس کے رشتہ دار ہیں حاکم بن گئے ہیں تو وہ بھاگ کر حبشہ چلا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ کیوں حبشہ چلا گیا ہے؟ عکرمہ کی بیوی نے جواب دیا اُسے خبر ملی تھی کہ آپ نے اس کے قتل کا حکم دے دیا ہے۔ یارسولَ اللہ! جہاں آپ نے اپنے باقی دشمنوں کو معاف کردیا ہے عکرمہ کو بھی معاف فرمادیں۔ آپ نے فرمایا ہم معاف کرتے ہیں۔ وہ واپس آجائے تو ہم اسے کچھ نہیں کہیں گے۔

عکرمہ کی بیوی نے کہا یا رسولَ اللہ! وہ بڑا باغیرت انسان ہے شاید اس کے واپس آجانے کے بعد آپ اُس سے امید رکھیں کہ وہ اسلام لے آئے وہ اسلام نہیں لائے گا۔ آپ نے فرمایا میری طرف سے اُسے اپنے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت ہے۔ وہ عورت بڑی ہمت والی تھی وہ اپنے خاوند کی تلاش میں گئی۔ عکرمہ مکہ سے بھاگ کر حبشہ 3 کی طرف جا رہا تھا۔ جب ساحلِ سمندر پر عرب کو ہمیشہ کیلئے چھوڑنے کی نیت سے بیٹھا ہوا تھا تو پراگندہ سر پریشان حال بیوی گھبرائی ہوئی وہاں پہنچی تو اس نے کہا میرے چچا کے بیٹے! (عرب عورتیں اپنے خاوند کو چچا کا بیٹا کہا کرتی تھیں) اتنے شریف اور رحم دل انسان چھوڑ کر تم کہاں جا رہے ہو؟ یہ جگہ جہاں سے حبشہ کو جہاز جاتے تھے مکہ سے 70 میل کے فاصلہ پر تھی۔ عکرمہ نے کہا تم میرے پیچھے بھاگ کر کیوں آ گئی ہو کیا تم سمجھتی ہو کہ میری ساری دشمنیوں کے باوجود محمد (رسول اللہ ﷺ) مجھے معاف کر دیں گے؟ بیوی نے کہا ہاں میں محمد (رسول اللہ ﷺ) سے مل کر آئی ہوں۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ میں نے عکرمہ کو معاف کر دیا ہے۔ وہ اگر چاہے تو مکہ واپس آجائے اور یہاں امن سے رہے اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ میں نے تو آپؐ سے یہ عہد بھی لے لیا ہے کہ تم اپنے دین پر قائم رہنا چاہو تو قائم رہو تمہیں اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ عکرمہ واپس آ گیا۔ اس کی بیوی اسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئی اور عرض کیا کہ یا رسولَ اللہ! آپ کا بھتیجا واپس آ گیا ہے۔ پھر عکرمہ نے اسے اشارہ کیا کہ اب مجھے بولنے دو۔ چنانچہ عکرمہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا میری بیوی میرے پیچھے گئی تھی اور اس نے مجھے بتایا ہے کہ آپ نے میری ساری دشمنیوں کے باوجود مجھے معاف کر دیا ہے اور اب آپ مجھے قتل نہیں کریں گے۔ کیا یہ سچ ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں تمہاری بیوی سچ کہتی ہے۔ پھر عکرمہ نے کہا اس نے مجھے یہ بھی بتایا ہے کہ آپ نے مجھے اجازت دے دی ہے کہ اگر چاہوں تو اپنے مذہب پر قائم رہوں مجھے اسلام قبول

کرنے کے لئے نہیں کہا جائے گا؟ آپ نے فرمایا تمہاری بیوی نے ٹھیک کہا ہے۔ اس پر عکرمہ نے بے اختیار کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عکرمہ! یہ کیا؟ اس نے کہا یارسولَ اللہ! میں نے اور میرے باپ نے جو دشمنیاں آپ سے کیں ان کے ہوتے ہوئے آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے اور جو شخص شدید دشمنوں کو معاف کر سکتا ہے اور پھر ان کو یہ اجازت بھی دیتا ہے کہ وہ اگر چاہیں تو اپنے مذہب پر قائم رہیں وہ نبی کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ یا رسولَ اللہ! میں تو سیاسی طور پر مکہ واپس آیا تھا لیکن جب آپ نے اپنے منہ سے فرما دیا کہ آپ مجھے نہ صرف قتل نہیں کریں گے بلکہ اپنے دین پر قائم رہنے کی بھی اجازت دیں گے تو مجھے یقین ہوگیا کہ آپ سچے ہیں اور خدا تعالیٰ کے رسول ہیں۔ یا رسولَ اللہ! آپ مجھے اپنا ہاتھ دیں کہ میں آپ کی بیعت کروں۔ چنانچہ عکرمہ نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور بیعت کر لی۔4

پھر بعد میں اس نے ایمان میں اتنی ترقی کی کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جنگ یرموک میں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی جانیں خطرہ میں تھیں اور مسلمان کثرت سے مارے جارہے تھے تو اسلامی کمانڈر اِنچیف حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ کچھ ایسے بہادر نکل آئیں جو تعداد میں اگرچہ تھوڑے ہوں لیکن وہ سر دھڑ کی بازی لگا کر رومی فوج پر رعب ڈال دیں۔ حضرت عکرمہؓ آگے نکلے اور انہوں نے حضرت ابوعبیدہؓ سے درخواست کی کہ مجھے اپنی مرضی کے مطابق کچھ آدمی چن لینے دیں میں ان آدمیوں کو ساتھ لے کر دشمن کے قلبِ لشکر پر حملہ کروں گا اور کوشش کروں گا کہ ان کے جرنیل کو ماردوں۔ اُس وقت رومی لشکر کا جرنیل خوب زور سے لڑ رہا تھا اور بادشاہ نے اُس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں فتح حاصل کرلے تو وہ اپنی لڑکی کی شادی اُس سے کردے گا اور اپنی آدھی مملکت اس کے سپرد کردے گا۔ اس لالچ کی وجہ سے وہ بڑے جوش میں تھا اور اپنی ذاتی اور شاہی فوج

لے کر میدان میں اترا ہوا تھا اور اس نے سپاہیوں سے بڑی رقوم کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ چنانچہ رومی سپاہی بھی جان توڑ کر لڑ رہے تھے۔ جب رومی لشکر نے مسلمانوں پر حملہ کیا تو وہ جرنیل لشکر کے قلب میں کھڑا تھا۔ حضرت عکرمہؓ نے قریباً چار سو آدمیوں کو لے کر لشکر کے قلب پر حملہ کیا اور ان کے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے اس جرنیل پر حملہ کر کے اُسے نیچے گرا دیا۔ مقابلہ میں لاکھوں کا لشکر تھا اور یہ صرف چار سو مسلمان تھے اس لئے مقابلہ آسان نہ تھا۔ اس جرنیل کو تو انہوں نے مار دیا اور اس کے مرجانے کی وجہ سے لشکر بھی تتر بتر ہو گیا۔ مگر دشمن اُن آدمیوں پر ٹوٹ پڑا اور سوائے چند ایک کے سارے کے سارے شہید ہو گئے 5 ان آدمیوں میں سے 12 شدید زخمی تھے۔ جب مسلمان لشکر کو فتح ہوئی تو ان لوگوں کی تلاش شروع ہوئی۔ ان 12 زخمیوں میں حضرت عکرمہؓ بھی شامل تھے۔ ایک مسلمان سپاہی آپ کے پاس آیا آپ کی حالت خراب تھی۔ اس نے کہا عکرمہ! میرے پاس پانی کی چھاگل ہے تم کچھ پانی پی لو۔ آپ نے منہ پھیر کر دیکھا تو پاس ہی حضرت عباسؓ کے بیٹے فضلؓ پڑے ہوئے تھے۔ وہ بھی بہت زخمی تھے۔ عکرمہؓ کہنے لگے میری غیرت یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ جن لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس وقت مدد کی جب میں آپ کا شدید مخالف تھا وہ اور ان کی اولاد تو پیاس کی وجہ سے مرجائے اور میں پانی پی کر زندہ رہوں پہلے انہیں پانی پلاؤ۔ اگر کچھ بچ جائے تو پھر میرے پاس لے آنا۔ چنانچہ وہ مسلمان فضلؓ کے پاس گیا۔ انہوں نے اگلے زخمی کی طرف اشارہ کیا اور کہا پہلے انہیں پلاؤ وہ مجھ سے زیادہ مستحق ہے۔ وہ اُس زخمی کے پاس گیا تو اُس نے اگلے زخمی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہ مجھ سے زیادہ مستحق ہے پہلے اسے پلاؤ۔ اس طرح وہ جس سپاہی کے پاس جاتا وہ اسے دوسرے کی طرف بھیج دیتا اور کوئی پانی نہ پیتا۔ جب وہ آخری زخمی کے پاس پہنچا تو وہ فوت ہو چکا تھا۔ جب عکرمہؓ کی طرف لَوٹا تو وہ بھی دم توڑ چکے تھے۔ اِسی طرح باقی زخمیوں کا حال ہوا۔ جس کے پاس بھی وہ گیا وہ فوت ہو چکا تھا۔ 6

اب دیکھو اس قسم کا اخلاص دکھانے والا لڑکا ابوجہل کا لڑکا نہیں ہوسکتا وہ یقیناً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی بیٹا تھا۔ پھر جس شخص کیلئے حضرت عکرمہؓ نے اخلاص دکھایا وہ ابوجہل کا لڑکا یا قریبی عزیز نہ تھا بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ دار اور عزیز تھا۔ پھر انہوں نے یہ قربانی کفار اور مشرکین کے لیے نہیں کی بلکہ انہوں نے یہ قربانی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کے لئے کی۔ غرض عکرمہؓ جو ابوجہل کی جسمانی نسل میں سے تھا ابوجہل کا بیٹا ثابت نہ ہوا بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لڑکا ثابت ہوا۔ اس نے آپ کی بیعت کر لی تھی اور اس کے بعد اس نے اسلام کیلئے غیر معمولی قربانیاں کیں۔ حدیث بھی اس بات پر گواہ ہے۔ چنانچہ حضرت عکرمہؓ کے ایمان لانے سے سالہا سال پہلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اسلام لانے کی پیشگوئی فرمائی تھی جو پوری ہوئی۔ احادیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ آ رہا ہے اور اس کے ہاتھ میں انگوروں کا ایک خوشہ ہے۔ میں نے پوچھا یہ خوشہ کس کے لئے ہے؟ اُس فرشتے نے کہا یہ خوشہ جنت کے انگوروں کا ہے اور آپ کے رب نے یہ خوشہ آپ کیلئے بھجوایا ہے۔ میں بہت خوش ہوا مگر میں نے دیکھا اُس فرشتے کے پاس ایک اَور خوشہ بھی ہے۔ میں نے دریافت کیا یہ خوشہ کس کیلئے ہے؟ اس نے کہا یہ ابوجہل کے لئے ہے۔ اس پر میں سخت حیران ہوا کہ یہ کیا بات ہے کہ جنت سے خدا تعالیٰ کے رسول کیلئے بھی انگوروں کا خوشہ آتا ہے اور اُس کے دشمن ابوجہل کے لئے بھی خوشہ آتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا رسول اور اس کا دشمن برابر کیسے ہوئے؟ لیکن جب عکرمہؓ ایمان لایا تو میں نے سمجھا کہ وہ خوشہ دراصل عکرمہؓ کے لئے تھا[7]۔ خدا تعالیٰ نے بیٹے کی جگہ باپ کا نام ظاہر کیا جیسا کے خوابوں کا طریق ہے۔ اس طرح بتا دیا کہ عکرمہؓ ایک دن اسلام قبول کر کے جنت کے انعامات کا مستحق ہو جائے گا۔ تو دشمن کہتا تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ ابتر ہیں، ان کی نرینہ اولاد نہیں۔

لیکن واقعات نے ثابت کر دیا کہ دراصل ابتر آپ کے دشمن ہی تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی جسمانی اولادوں کو اسلام میں داخل کر کے آپ کے قدموں میں ڈال دیا اور انہوں نے بعد میں آپ کے لائے ہوئے دین اور آپ کے نام کو بلند کرنے کیلئے عظیم الشان قربانیاں کیں۔

پھر دیکھو ولید آپ کا کس قدر دشمن تھا مگر اس کا بیٹا خالدؓ آپ پر ایمان لایا۔ پھر ساری عمر وہ آپ پر اور آپ کے لائے ہوئے دین پر اپنی جان نثار کرتا رہا۔ حضرت خالدؓ بھی ایک زمانہ میں اسلام کے شدید دشمن تھے لیکن بعد میں خدا تعالیٰ نے انہیں ہدایت دے دی اور انہوں نے اسلام کے لئے بڑی بھاری قربانیاں کیں۔ انہوں نے رومی سلطنت کو شکست دے کر شام کو اسلام کے لئے فتح کیا۔ حضرت عمرو بن عاصؓ جن کے دادا اوائلِ اسلام میں شدید دشمن تھے وہ بھی اسلام لائے اور انہوں نے مصر اور فلسطین کو اسلام کے لئے فتح کیا اور ایسا فتح کیا کہ لوگوں کو ماننا پڑا کہ مصر اسلام کا ایک مضبوط اڈا تھا۔ عتبہ اور شیبہ کی اولادوں کا نام مجھے یاد نہیں۔ لیکن بہرحال یہ بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی جسمانی اولادیں اُن سے چھین کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی تھیں اور وہ اولادیں بھی بجائے اپنے ماں باپ کا نام بلند کرنے کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی بلندی کا موجب بنیں۔ حالانکہ مشرکینِ مکہ کی مخالفت کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ ان کی تکالیف سے تنگ آ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ اب آپؐ طائف کی طرف جائیں گے اور وہاں کے لوگوں کو خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچائیں گے۔ چنانچہ آپ طائف تشریف لے گئے اور آپؐ کے غلام حضرت زید بن حارثہؓ آپ کے ہمراہ تھے لیکن اہلِ طائف نے خدا تعالیٰ کے پیغام کو ٹھکرا دیا اور آپؐ کے پیچھے کُتے لگا دیئے۔ لڑکوں کو اکسایا اور انہوں نے جھولیوں میں پتھر بھر کے آپ پر پتھراؤ کرنا شروع کر دیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہر سے نکال دیا[8]۔ چنانچہ آپ پھر مکہ کی طرف واپس لَوٹے لیکن عرب کے دستور کے مطابق

لڑائی کی وجہ سے مکہ چھوڑ دینے کے بعد آپ مکہ کے باشندے نہیں رہے تھے۔ اب مکہ والوں کا اختیار تھا کہ وہ آپ کو مکہ میں آنے دیتے یا نہ آنے دیتے۔ اس لئے مکہ میں آنے کے لئے ضروری تھا کہ وہاں کا کوئی رئیس آپ کو پناہ دے۔ آپ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو مکہ کے ایک رئیس مطعم بن عدی کے پاس بھیجا اور فرمایا تم اسے کہو کہ محمد (ﷺ) تم سے پناہ مانگتا ہے اور وہ مکہ کے دروازہ پر کھڑا ہے اگر تم پناہ دو گے تو وہ شہر میں داخل ہو سکے گا ورنہ وہ یہیں سے لَوٹ جائے گا۔ مطعم باوجود شدید دشمن ہونے کے ایک شریف الطبع انسان تھے اُس نے کہا مکہ کی اس سے زیادہ بدبختی اور کیا ہوگی کہ محمد (ﷺ) جیسا آدمی اسے چھوڑ کر باہر چلا جائے۔ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا میں اور میرے ساتوں بیٹے مارے جائیں گے لیکن محمد مکہ میں ہی رہے گا۔ پھر اس نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور انہیں کہا میرے بیٹو! محمد نے مجھ سے پناہ مانگی ہے اور وہ اس وقت شہر کے دروازے پر کھڑا ہے میں وہاں چلتا ہوں تم اپنی تلواریں سونت لو اور میرے ساتھ چلو اور شہر میں اعلان کرتے جاؤ کہ مطعم نے محمد کو پناہ دی ہے اگر کسی کو جرأت ہو تو وہ ہم سے لڑے۔ اگر محمد کو کوئی معمولی زخم بھی آیا تو تم میں سے کوئی فرد زندہ بچ رہا تو میں زندگی بھر اس کی شکل نہیں دیکھوں گا۔ چنانچہ وہ شہر کے دروازے پر گیا اور وہ رئیس تھا اور شہر والوں پر اُس کا رعب تھا پھر اُس کے ساتوں بیٹے تلواریں سونتے ہوئے اس کے ساتھ تھے اس لئے کسی شخص کو ان کی مخالفت کی جرأت نہ ہوئی اور وہ اپنی حفاظت میں محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو آپ کے گھر لے آئے۔ جب آپ اپنے مکان میں داخل ہو گئے تو مطعم بن عدی نے آپ سے دریافت کیا کہ آیا اسے اپنے گھر جانے کی اجازت ہے؟ آپ نے فرمایا آپ کا شکریہ اب آپ اپنے گھر جا سکتے ہیں[9] لیکن ایک دن آیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہی کفار کی اولادوں کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لا کے ڈال دیا۔ ولید کتنا سخت مخالف تھا لیکن اس کا بیٹا خالدؓ اسلام لے آیا اور اس نے فلسطین اور شام کو فتح کیا اور رومی لشکر کو شکست دی۔ پھر عاص کتنا سخت دشمن

تھا لیکن اس کا بیٹا عمروؓ آپ پر ایمان لے آیا اور اس نے اسلام کے لئے کئی لڑائیاں کیں اور مصر فتح کیا۔ پھر ابوجہل جو آپ کے متعلق سخت بُغض رکھتا تھا اُس کا بیٹا عکرمہؓ اسلام میں داخل ہوا اور اس نے اسلام اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی حفاظت کی خاطر اپنی جان کو قربان کر دیا۔

غرض اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ میں ایک نہایت زبردست پیشگوئی بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن کہتے ہیں کہ آپ کے ہاں نرینہ اولاد کوئی نہیں اس لئے آپ کا نام دنیا سے مٹ جائے گا مگر یہ جھوٹے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی اولادِ نرینہ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈال دے گا اور وہ ہمیشہ آپ کے نام کو بلند کرنے کا موجب رہے گی۔ گویا اس سورۃ میں اس بات کی پیشگوئی کی گئی تھی کہ آئندہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانی اولاد دی جائے گی۔''

(الازھار لذوات الخمار صفحہ 187 تا 195)

1: تاریخ مدینة دمشق جلد 56 صفحہ 89 زیرعنوان ''معاویه بن صخر ابی سفیان بن حرب'' مطبوعہ بیروت 1998ء الطبعة الاولٰی

2: بخاری کتاب النکاح باب ذب الرجل عن ابنته فی الغیرة والانصاف صفحہ 934 حدیث نمبر 5230 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانیة

3: السیرة الحلبیة الجزء الثالث صفحہ 198 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعة الاولٰی میں حبشہ کی بجائے یمن کی طرف جانے کا ذکر ہے۔

4: السیرة الحلبیة الجزء الثالث صفحہ 198 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعة الاولٰی (میں حبشہ کی بجائے یمن جانے کا ذکر ہے)۔

5: تاریخ ابن اثیر جلد 2 صفحہ 198، 199 مطبوعہ بیروت 2009ء

6: الاستیعاب فی معرفة الاصحاب جلد 3 صفحہ 191 مطبوعہ بیروت 1995ء

7:السیرۃ الحلبیۃ الجزء الثالث صفحہ 198 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولیٰ

8:السیرۃ الحلبیۃ الجزء الثانی صفحہ 53، 54 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولیٰ

9:السیرۃ الحلبیۃ الجزء الثانی صفحہ 63 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولیٰ

رسول کریم ﷺ کے دعویٰ کی عظمت

حضرت مصلح موعود نے 13/اکتوبر 1957ء کو خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے سالانہ اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

''یوں تو منہ سے انسان مومن کہلا سکتا ہے کیونکہ منہ سے مومن کہلانا کوئی مشکل امر نہیں بلکہ کہنے کو تو مسیلمہ کذاب بھی اپنے آپ کو نبی کہا کرتا تھا اور اَسود عنسی بھی اپنے آپ کو نبی کہا کرتا تھا۔ سجاح بھی اپنے آپ کو نبی کہا کرتی تھی مگر کُجا مسیلمہ کذاب کا اپنے آپ کو نبی کہنا، اسود عنسی اور سجاح کا اپنے آپ کو نبی کہنا اور کُجا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے آپ کو نبی کہنا دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مسیلمہ کذاب نے بھی اپنے آپ کو نبی کہا اسی طرح اسود عنسی اور سجاح نے بھی اپنے آپ کو نبی کہا مگر انسانی قلوب میں اتنا تغیر بھی پیدا نہ ہوا جتنا تغیر ایک تالاب میں چھوٹی سی کنکری پھینکنے سے پیدا ہوتا ہے۔ مگر جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا تو زمین ہل گئی۔ صرف عرب کی زمین ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کی زمین ہلی اور اس میں ایک ایسا زلزلہ پیدا ہوا جو آدمؑ سے لے کر اُس وقت تک نہیں آیا تھا۔ جیسا کہ انہی آیات (سورۃ النازعات:2-10) میں جو میں نے ابھی پڑھی ہیں اس زلزلہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ[1] تُو اُس دن کو یاد کر جس دن یہ زمین کانپ اٹھے گی اور پھر یہ زمین صرف یک دفعہ نہیں ہلے گی بلکہ بار بار ہلتی چلی جائے گی۔ چنانچہ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا[2] کی مصداق قوم عطا کی گئی اور اللہ تعالیٰ نے سرزمینِ عرب کو ہلانے

کا فیصلہ کیا تو بدر کی جنگ ہوئی، اُحد کی جنگ ہوئی، احزاب کی جنگ ہوئی اور ان کے درمیان اَور بیسیوں جنگیں لڑی گئیں اور آخر مکہ فتح ہو گیا۔ غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زمین ایک دفعہ نہیں ہلی بلکہ ہلتی چلی گئی کیونکہ وہ سمجھتی تھی کہ مجھ پر ایسا بوجھ لاد دیا گیا ہے جس کے اٹھانے کی مجھ میں طاقت نہیں۔ اس لئے وہ کانپتی تھی اور بار بار کانپتی تھی۔''

(الفضل جلسہ سالانہ نمبر 26 دسمبر 1957ء صفحہ 3)

1: النازعات: 7، 8

2: النازعات: 2

رسول کریم ﷺ کے مومنوں پر احسانات

حضرت مصلح موعود نے 25/اکتوبر 1957ء کے خطبہ جمعہ میں سورۃ توبہ آیت 128 لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:۔

''اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پہلے تو مسلمانوں کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ تمہارا اور عیسائیوں کا کوئی جوڑ نہیں۔ تمہاری طرف ایسا رسول بھیجا گیا ہے جو مِّنْ اَنْفُسِكُمْ 1 ہے۔ یعنی وہ تمہارے جیسا ہی ہے اس لیے تم کبھی اپنے دل میں یہ خیال بھی نہ لاؤ کہ ہم اس کی نقل نہیں کر سکتے۔ وہی جذبات اس کے دل میں ہیں جو تمہارے دلوں میں ہیں۔ وہی خواہشات اس کے دل میں ہیں جو تمہارے دلوں میں ہیں۔ اُسی قسم کے ارادے اور اُسی کام کرنے کی خواہش اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے جیسی تمہارے دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔ لیکن ایک عیسائی کے لیے قدم قدم پر مشکل ہے۔ جب اس سے کہا جائے کہ وہ مسیح علیہ السلام کی طرح کوئی نیک کام کرے تو وہ فوراً رُک جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تو یہ کر ہی نہیں سکتا کیونکہ جس کی نقل کرنے کے لیے مجھے کہا گیا ہے وہ خدا تعالیٰ کا بیٹا ہے اور میں بندہ ہوں۔ اور پھر میں ایک ایسے آدمی کی اولاد ہوں جس سے ورثہ میں مجھے گناہ ملا ہے۔ یعنی میرے عقیدہ کے مطابق آدم بھی گنہگار تھے، اُن کی اولاد بھی گنہگار ہے۔ پھر میں کیسے نیکی کر سکتا ہوں؟ تو دیکھو کتنا بڑا فرق ہے ایک مسلمان اور ایک عیسائی میں۔ ایک مسلمان تو ہر نیکی کے بعد خوش ہوتا ہے کہ میں نے نیکی کی اور وہ سمجھتا ہے کہ میں اس لیے بھی نیکی کے قابل ہوں کہ

خدا تعالیٰ نے پیدائش سے میری فطرت میں پاکیزگی رکھی ہے اور اس لیے بھی نیکی کے قابل ہوں کہ جس کی نقل کرنے کا مجھے حکم دیا گیا ہے وہ میرے جیسا ہی ایک انسان ہے۔ پس اپنے متبوع کے لحاظ سے بھی یعنی جس کی میں نے نقل کرنی ہے میں اِس قابل ہوں کہ اس کی نقل کرسکوں اور اِس لحاظ سے بھی میں قابل ہوں کہ میرے اندر ذاتی قابلیت پائی جاتی ہے۔ لیکن ایک عیسائی جانتا ہے کہ جہاں تک قابلیت کا سوال ہے میں نیکی کے نا قابل ہوں اور جہاں تک نقل کا سوال ہے میرے لیے یہ بھی ناممکن ہے کیونکہ جس کی نقل کرنے کے لیے مجھے کہا گیا ہے وہ خدا تعالیٰ کا بیٹا ہے۔ غرض وہ دونوں طرح نیکی سے محروم رہتا ہے اور مسلمان دونوں طرح نیکی سے محروم نہیں بلکہ نیکی کے قابل ہے اور اس پر قادر ہے۔

پھر اس آیت میں اللہ تعالیٰ اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ 2۔ تمہارا کسی تکلیف میں مبتلا ہونا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہایت شاق گزرتا ہے۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب انسان کو کسی کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ اس کی خاطر بہت تکلیف اٹھا رہا ہے تو وہ اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہے اور اس کی قدر اور عظمت اس کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اس کی مدد کے لیے انتہائی جوش کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہی کیفیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہمارے دلوں میں پیدا ہونی چاہیے اور آپ کی مدد کو ہمیں اپنا نصب العین بنا لینا چاہیے۔ جس کا صحیح طریق یہ ہے کہ آپ کے دین کی اشاعت کی جائے اور آپ جس پیغام کو دنیا تک پہنچانا چاہتے تھے اُسے دنیا کے کونے کونے تک پہنچایا جائے۔

اسی مضمون کو دوسری جگہ قرآن کریم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ 3 یعنی جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ خدا تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے تو انہیں اتنا درد ہوتا ہے کہ جیسے کسی کی گردن پر چُھری رکھ کر اسے دوسرے سرے تک لے جائیں یا جیسے کسی بکرے

کی گردن پر چُھری رکھ کر اسے اتنے زور سے چلائیں کہ اُس کی گردن کا پچھلا حصہ بھی کٹ جائے۔ یہی بَخَع کے معنے ہوتے ہیں۔ غرض فرماتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر تمہارا دکھ اتنا گراں گزرتا ہے کہ اس کی زندگی اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ اور جس شخص کی زندگی محض ہماری تکلیف کی وجہ سے حرام ہو جاتی ہو ہمیں کیوں نہ جوش آئے گا کہ ہم اس کی خاطر ہر قسم کی تکالیف برداشت کریں۔ پھر وہ کوئی بُری بات بتاتا تب بھی کوئی بات تھی۔ وہ تو ہمیں یہ کہتا ہے کہ دنیا میں سچائی پھیلاؤ۔ وہ تو ہمیں یہ کہتا ہے کہ امن اور راستی کے ساتھ دنیا کے ساتھ دنیا میں رہو۔ پس اُس کی خاطر تکلیف اٹھانا تو ایسی چیز ہے جو خود ہمیں فائدہ اٹھانے والی بات ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ہماری خاطر اتنی تکلیف اٹھاتا ہے کہ اپنی جان کو ہلاکت کے قریب پہنچا دیتا ہے تو ہمیں کیوں نہ احساس ہوگا کہ ایسے محسن اور محبت کرنے والے انسان کے لیے اَور زیادہ قربانی کریں یہاں تک کہ دنیا میں صداقت ہی صداقت پھیلتی چلی جائے۔ لیکن افسوس ہے کہ اکثر مسلمان اس بات سے غافل ہیں۔ بس اپنے کاموں میں لگے رہتے ہیں لیکن خدا کے کام کو کوئی نہیں کرتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی بات کو ایک جگہ یوں بیان فرمایا ہے کہ

بیکسے شد دینِ احمد ہیچ خویش و یار نیست
ہر کسے در کارِ خود با دینِ احمد کار نیست[4]

یعنی ہر شخص اپنے کام میں مشغول ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی اشاعت کا اسے کوئی فکر نہیں۔ اس شعر میں اسی آیت کا نقشہ کھینچا گیا ہے جس کی میں نے ابھی تلاوت کی ہے اور بتایا ہے کہ چاہیے تو یہ تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا خیر خواہ دیکھ کر کہ ہماری ذرا سی تکلیف پر بھی ان کی جان گھٹنے لگ جاتی ہے اور مرنے کے قریب پہنچ جاتے ہیں مسلمان اپنی ساری زندگی اُن کے دین کی اشاعت میں صَرف کر دیتے۔ لیکن بجائے اپنی ساری زندگی اس کام میں لگانے کے وہ ایسے

کاموں میں پڑ گئے ہیں جو سراسر دنیوی ہیں اور اُن کا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے کوئی واسطہ نہیں۔ حالانکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ہم پر احسانات ہیں اُن کے مقابلہ میں بادشاہوں کے احسانات بھی بے حقیقت ہیں۔''

(الفضل 12 نومبر 1957ء صفحہ 2، 3)

1، 2: التوبۃ: 128

3: الشعراء: 4

4: درثمین فارسی صفحہ 147 مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس ربوہ

رسول کریم ﷺ کی شجاعت اور آپؐ کے صحابہؓ کی قربانیاں

حضرت مصلح موعود نے 25/اکتوبر 1957ء کو ربوہ میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو دیکھیں تو وہ اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ جس کی مثال دنیا میں کہیں نظر نہیں آ سکتی۔ مثلاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک دفعہ مدینہ میں رات کو شور کی آواز سنائی دی۔ اُن دنوں مشہور تھا کہ قیصر اپنی فوجوں سمیت مدینہ پر حملہ کرنے والا ہے۔ قیصر کی بادشاہت اُن دنوں ایسی ہی تھی جیسے آجکل روس اور امریکہ کی ہے۔ صحابہؓ دوڑ کے مسجد میں جمع ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پتا لگا کہ کوئی سوار اُس طرف سے آ رہا ہے جدھر سے شور کی آواز آئی تھی۔ صحابہؓ باہر گئے تو دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار تشریف لا رہے ہیں۔ آپ ایک مخلص آدمی کا گھوڑا لے گئے تھے۔ جب آپ واپس آئے تو فرمایا تم لوگ یہاں کیوں جمع ہو؟ صحابہؓ کہنے لگے یَارَسُوْلَ اللّٰہ! ہم نے کھڑکے کی آواز سنی تھی۔ اِس پر کچھ لوگ تو اپنے گھروں میں چلے گئے اور کچھ مسجد میں جمع ہو گئے تا کہ اکٹھے ہو کر دشمن کا مقابلہ کر سکیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ مسجد میں جمع ہوئے ہیں انہوں نے درست کیا۔ ہمیشہ یہی طریق ہونا چاہیے کہ اگر کبھی خطرہ کا وقت ہو تو مسجد میں جمع ہو جایا کرو اور وہاں اکٹھے ہو کر دشمن کا مقابلہ کرنے کی تدبیر کیا کرو[1]۔

اب دیکھو! کہ سارے مسلمان مسجد میں اکٹھے ہو کر انتظار کر رہے تھے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے رات کو گئے اور واپس آئے تو فرمایا میں خبر لینے گیا تھا کہ کہیں قیصر کا لشکر تو نہیں آ رہا غرض آدھی رات کے وقت بیس ہزار آدمی کے مقابلہ کے لیے اکیلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے۔ محض اس لیے کہ اُن کی امت پر کوئی اچانک حملہ نہ کر دے۔ بھلا اس کے مقابلہ میں ایاز کی جو قربانی تھی وہ ہے ہی کیا چیز۔

اسی طرح غزوہ احزاب کے موقع پر لوگوں نے کہا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! یہودیوں نے کافروں سے معاہدہ کر کے ارادہ کر لیا ہے کہ مسلمان عورتوں پر حملہ کریں۔ آپ نے فرمایا ان عورتوں کو فوراً فلاں جگہ پر جمع کر دو۔ اُس وقت آپ کا لشکر کُل بارہ سو کا تھا۔ مگر آپ نے فرمایا سات سو آدمی میرے پاس رہنے دو اور پانچ سو آدمی عورتوں کی حفاظت کے لیے لے جاؤ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان کے ساتھ فتح دے دی۔ مگر اُس وقت جو آپؐ نے مسلمانوں کے لیے قربانی کی وہ بہت بڑی تھی کہ پانچ سو کا لشکر عورتوں کی حفاظت کے لیے بھیج دیا اور صرف سات سو کا لشکر اپنے پاس رہنے دیا۔ صحابہؓ نے کہا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! یہ لشکر تو بہت تھوڑا ہے۔ آپؐ نے فرمایا مسلمان دلیر ہوتے ہیں اس لیے وہ تھوڑے بھی زیادہ ہیں۔ تم عورتوں کی حفاظت کرو۔ چنانچہ صحابہؓ نے آپ کی اس محبت کو محسوس کیا اور غزوہ احزاب میں اِس دلیری سے مقابلہ کیا کہ دشمن کے اوسان خطا ہو گئے۔

میور جو بڑا بھاری عیسائی مصنف ہے اور کسی زمانہ میں یو۔ پی کا گورنر بھی رہ چکا ہے اُس نے اسلام پر ایک کتاب لکھی ہے۔ اس نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ لوگ حیران ہوتے ہیں کہ جنگ احزاب میں کفار کا لشکر تو چودہ ہزار تھا اور مسلمانوں کا لشکر صرف بارہ سو تھا۔ پھر بات کیا ہوئی کہ کافر ہار گئے اور مسلمان جیت گئے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے اس پر غور کیا تو یہ بات میری سمجھ میں آ گئی۔ اس نے لکھا ہے کہ غزوہ

احزاب کے موقع پر کفار کے بڑے سے بڑے سردار لوگوں کو جوش دلانے کے لیے کہتے تھے کہ جو لوگ خندق پار کر کے حملہ کریں گے ہم انہیں اپنی بیٹی دے دیں گے، اپنا گھوڑا دے دیں گے، اپنی تلواریں دے دیں گے۔ چنانچہ کئی دفعہ دشمن کے سردار خندق کو پار کرنے میں کامیاب بھی ہو گئے مگر اُن سے غلطی یہ ہوئی کہ جب خندق میں رستہ بن جاتا اور کافر سردار کُود کر دوسری طرف چلے جاتے تو وہ سیدھے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی طرف چلے جاتے۔ اگر وہ یہ غلطی نہ کرتے تو ضرور جیت جاتے۔ کیونکہ جب وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی طرف جاتے تھے تو مسلمان پاگلوں کی طرح خیمہ کے گرد اکٹھے ہو جاتے تھے اور ایسی دلیری سے لڑتے تھے کہ بعض دفعہ کفار ڈر کے مارے خندق میں کُود گئے اور اُن کی گردنیں ٹوٹ گئیں۔ وہ گئے تو مسلمانوں سے لڑنے کے لیے تھے لیکن جب خندق کے پاس لَوٹ کر آئے تو اتنے گھبرائے کہ انہوں نے خندق میں چھلانگیں مار دیں اور وہ مارے گئے۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ کا عشق ہی تھا جس کی وجہ سے کفار کو شکست ہوئی۔ اگر ان کے دلوں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق نہ ہوتا تو وہ کبھی کامیاب نہ ہو سکتے۔

اب دیکھو! صحابہؓ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت کو سمجھ لیا۔ مگر افسوس ہے کہ باوجود اس کے کہ اب ظاہری لڑائیاں نہیں ہیں صرف روحانی لڑائیاں لڑنی پڑتی ہیں پھر بھی ہم کمزوری دکھاتے ہیں اور ہمارے بھائی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی اشاعت سے جن میں ان کے اپنے بچوں کی زندگی ہے، ان کی بیویوں کی زندگی ہے، ان کے پوتوں پڑپوتوں کی زندگی ہے بلکہ ان کی اپنی زندگی ہے غفلت کر جاتے ہیں۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہؓ نے یہ قربانی کی کہ انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے اپنی جانیں تک لڑا دیں اور کہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیاری چیز اور کوئی نہیں۔ ہم دشمن کو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ تک نہیں جانے دیں گے۔ تو دیکھو! یہ قربانی ہے جو صحابہؓ نے کی۔ مگر اس کے مقابلہ میں اب روحانی تبلیغ کا کام ہے۔ اس میں نہ اپنی جان جاتی ہے نہ بیوی کی جان جاتی ہے اور نہ بیٹوں کی جان جاتی ہے پھر بھی ہم سستی کر جاتے ہیں۔ اس غفلت کی ہم کو اصلاح کرنی چاہیے اور ایسا رویہ اختیار کرنا چاہیے کہ ہم صحابہؓ کا نمونہ بن جائیں اور ان کی نقل میں خدا تعالیٰ ہمیں اس ثواب میں شریک کر لے جو اُس نے صحابہؓ کو دیا ہے۔''

(الفضل 12 نومبر 1957ء صفحہ 3، 4)

1: بخاری کتاب الجهاد باب اذا فَزِعُوْا بِالَّيْلِ صفحہ 502 حدیث نمبر 3040 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

رسول کریم ﷺ کے ضعف اور طاقت دونوں اَدوار میں اللہ تعالیٰ کی غیر معمولی تائید و نصرت

حضرت مصلح موعود نے یکم نومبر 1957ء کے خطبہ جمعہ میں سورۃ النصر کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:۔

’’اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ ۔ وَ رَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ۔ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَاسۡتَغۡفِرۡہُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ۔[1]

یہ قرآن کریم کی ایک مختصر سی سورۃ ہے اور بظاہر یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے لیکن چونکہ آپ کے اتباع بھی قرآن کریم کے احکام کے مطابق آپ کے ماتحت ہیں اس لیے اس سے آپ کے تمام اَتباع اور آپ سے محبت رکھنے والے چاہے وہ احمدی ہوں یا غیر احمدی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس سورۃ سے ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دو زمانے آئے ہیں۔ ایک تو وہ زمانہ تھا جب نصر اللہ اور فتح نہیں آئی تھی اور ایک اُس زمانہ کے آنے کی پیشگوئی کی گئی ہے جب نصر اللہ اور فتح آئے گی۔ اور وہ نصر اللہ اور فتح اِس طرح آئے گی کہ رَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا تُو دیکھے گا کہ لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ گویا یہ چیز علامت ہو گی نصر اللہ اور فتح کی۔ جب لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے شروع ہو جائیں گے تو تجھے نظر آ جائے گا کہ نصر اللہ اور فتح آ گئی ہے۔

دوسری بات اس سورۃ میں یہ بتائی گئی ہے کہ ایسے وقت میں تجھے خدا تعالیٰ کی

بہت تسبیح کرنی چاہیے اور استغفار سے کام لینا چاہیے۔ اور اللہ تعالیٰ سے بخشش اور اُس کی مدد طلب کرنی چاہیے کیونکہ تیرا خدا بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ دنیا میں اگر ہم کسی سے یہ کہیں کہ فلاں شخص بڑا مالدار ہے تو اس میں یہ اشارہ مخفی ہوتا ہے کہ اگر کسی وقت تمہیں مدد کی ضرورت ہو تو اس سے مدد مانگو۔ یا اگر کہا جائے کہ فلاں شخص شہر کا بڑا رئیس ہے تو اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ اگر شہر میں فساد ہو جائے تو اس کے پاس جاؤ اور اس سے مدد طلب کرو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو توّاب کہہ کر اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ تمہارا خدا اپنے بندوں کی طرف بار بار فضل کے ساتھ رجوع کرنے والا ہے اس لیے جب بھی تمہیں مشکلات پیش آئیں تمہارا کام یہ ہونا چاہیے کہ تم خدا تعالیٰ کی طرف جھکو اور اُس سے مدد چاہو۔ وہ اپنے فضل سے تمہاری ہر قسم کی خرابیوں اور نقائص کی اصلاح کے سامان پیدا فرما دے گا۔

غرض ان آیات میں اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ تجھ پر پہلے وہ زمانہ گزرا ہے کہ جب فتح اور نصرت تیرے پاس نہیں آئی تھی۔ لیکن اب میں تجھے وہ زمانہ دکھاؤں گا جس میں تجھے نصرت اور فتح میسر آ جائے گی اور تُو دیکھے گا کہ لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ گویا نصرت اور فتح کا ظاہری نمونہ اشاعتِ مذہب ہو گا۔ اور استغفار اور حمد کی قبولیت کا ظاہری نمونہ خدا تعالیٰ کی رحمت کا ظہور ہو گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غربت اور کمزوری کی حالت تو ان واقعات سے ظاہر ہے جو آپ کے دعوٰی نبوت کے ابتدائی سالوں میں آپ سے پیش آئے۔ ایک دفعہ آپ خانہ کعبہ کے قریب صفا پہاڑی پر بیٹھے ہوئے تھے اور کسی فکر میں تھے۔ شاید آپ اس فکر میں ہوں کہ خدا تعالیٰ نے میرے سپرد اتنا بڑا کام کیا ہے اسے مَیں کس طرح انجام دوں گا۔ آپ نے اپنا سر جھکایا ہوا تھا کہ اتنے میں آپ کے پاس سے ابوجہل گزرا اور اُس نے آپ کو گندی گالیاں دینی شروع کر دیں۔ اور پھر اُس نے یہیں تک بس نہ کی بلکہ اس بدبخت نے اپنے پاؤں سے آپ کے کندھے پر ٹھوکر

ماری اور اس طرح آپ کو جسمانی رنگ میں بھی سخت اذیت پہنچائی مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے اٹھ کر اپنے گھر چلے گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کی ایک پرانی بڑھیا لونڈی تھی جس نے گھر کے کئی بچوں کو پالا تھا جو اَب بڑی عمر کے ہو چکے تھے وہ لونڈی دروازہ میں کھڑی یہ سب نظارہ دیکھ رہی تھی۔ حضرت حمزہؓ اُس وقت شکار کو گئے ہوئے تھے۔ جب وہ واپس آئے تو وہ لونڈی بڑے غصہ سے کہنے لگی کہ تم بڑے بہادر بنے پھرتے ہو اور ہر وقت اسلحہ سے مسلّح رہتے ہو تمہیں شرم نہیں آتی کہ ابھی میں نے دیکھا کہ تیرا بھتیجا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سامنے پتھر پر بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ابوجہل آیا اور اُس نے اُسے گندی گالیاں دینی شروع کر دیں اور اپنے پاؤں سے اُسے ٹھوکر ماری اور خدا کی قسم! جب اُس نے اُسے گالیاں دیں اور ٹھوکر ماری اُس وقت میں سامنے کھڑی تھی۔ اُس نے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا اور خاموشی سے اُس کی گالیاں سنتا رہا اور تکلیف برداشت کرتا رہا۔ حضرت حمزہؓ کو یہ سن کر غیرت آئی۔ وہ وہیں سے اُلٹے پاؤں لوٹے اور خانہ کعبہ میں گئے۔ وہاں اتفاقاً رؤسائے مکہ کے سامنے بیٹھا ابوجہل بڑا فخر کر رہا تھا کہ میں نے آج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گالیاں دیں اور وہ بالکل ڈر گیا اور آگے سے بول بھی نہیں سکا۔ اتنے میں حضرت حمزہؓ وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے اپنی کمان زور سے اُس کے سر پر مار کر کہا کمبخت! اگر تجھے بہادری کا دعویٰ ہے تو آ اور میرے ساتھ لڑ۔ ورنہ شرم کر کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تو تجھے کچھ نہیں کہا مگر پھر بھی تُو نے اُسے گالیاں دیں اور بُرا بھلا کہا۔ میں نے اب سارے مکہ والوں کے سامنے تجھے مارا ہے۔ اگر تجھ میں ہمت ہے تو میرا مقابلہ کر۔ مکہ کے رؤسا جوش میں اٹھے اور انہوں نے مقابلہ کرنا چاہا مگر ابوجہل ایسا گھبرایا کہ وہ کہنے لگا تم حمزہ سے کچھ نہ کہو۔ مجھ سے ہی آج زیادتی ہوگئی ہے اور قصور میرا ہی ہے۔2

اب دیکھ لو! ایک زمانہ وہ تھا کہ ایک شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور خدا اُسے یہ کہتا ہے کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) جا اور دنیا میں میرا نام پھیلا۔ لیکن اُس کا حال یہ ہے کہ ایک شخص خود اُس کے گھر کے سامنے اُسے گالیاں دیتا ہے اور وہ اِتنا بھی

نہیں کرسکتا کہ اسے کوئی جواب دے۔ مگر حکم یہ ہے کہ ساری دنیا میں جا کر خدا تعالیٰ کا نام پھیلا۔ دیکھو! عُہدہ کتنا بڑا دیا گیا ہے اور آپ کی حیثیت کتنی کمزور اور قابلِ رحم تھی۔ تو اِس سورۃ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تجھ پر وہ زمانہ بھی گزرا ہے جب تُو بالکل فقیر، غریب اور یتیم تھا اور دنیا کی مدد کا محتاج تھا لیکن اب تجھ پر وہ زمانہ آنے والا ہے جب ہزاروں ہزار لوگ تیری بیعت کریں گے اور تیرے قدموں پر اپنی جانیں قربان کریں گے۔ تُو اُس زمانہ کو بھی دیکھ اور اِس زمانہ کو بھی دیکھ جب تیری پیشگوئیاں پوری ہو رہی ہیں۔ تجھے بتایا گیا تھا کہ ایک دن تیری تبلیغ کے رستے کھل جائیں گے چنانچہ اب وہ رستے کھل گئے ہیں۔ اب تُو سمجھ لے کہ تیرا خدا کتنا زبردست ہے۔ جب تُو کچھ بھی نہیں تھا اُس وقت بھی اُس نے تیری مدد کی اور اب جو تُو طاقتور ہو گیا ہے اور ساری دنیا میں تیری تبلیغ کے رستے کھل گئے ہیں تب بھی وہ خدا تیری مدد کو آئے گا اور تیری تائید کرے گا۔

دوسرا واقعہ آپ کی کمزوری کا تاریخوں میں یہ آتا ہے کہ ہجرت کے قریب آپ اپنے ایک غلام کو ساتھ لے کر خدائے واحد کا نام پھیلانے کے لیے طائف تشریف لے گئے۔ مکہ کا قانون یہ تھا کہ جب تک کوئی شخص مکہ میں رہے اُس وقت تک وہ مکہ کی پناہ میں ہوتا تھا لیکن اگر وہ وہاں سے چلا جائے تو وہ دوبارہ مکہ میں داخل نہیں ہوسکتا تھا۔ کیونکہ یہ سمجھ لیا جاتا تھا کہ وہ مکہ کا شہری نہیں رہا اور پھر جب تک مکہ کا کوئی بڑا رئیس اسے پناہ نہ دے وہ شہر میں داخل نہیں ہوسکتا تھا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس تشریف لا رہے تھے تو آپ کے غلام نے آپ سے کہا کہ آپ ایک دفعہ مکہ سے باہر چلے گئے تھے اور مکہ کے قانون کے مطابق اب آپ اس شہر کے نہیں رہے۔ اس لیے آپ مکہ میں اُس وقت داخل ہو سکتے ہیں جب وہاں کا کوئی رئیس آپ کو پناہ دے۔ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے کہا کہ میں مکہ والوں میں سے مطعم بن عدی کو جانتا ہوں کہ وہ شریف الطبع انسان ہے تم اُس

کے پاس جاؤ اور اُس سے جا کر کہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ کے دروازہ پر کھڑا ہے اور وہ کہتا ہے کہ تم مجھے پناہ دو۔ میں خانہ کعبہ میں خدا تعالیٰ کی پرستش کرنا چاہتا ہوں اور اس غرض سے آیا ہوں کہ تم مجھے پناہ دینے کے لیے تیار ہو۔ وہ مطعم بن عدی کے پاس گیا اور اُسے آپ کا پیغام دیا۔ مطعم بن عدی نے اُسی وقت اپنے بیٹوں کو بلایا اور کہا اپنی تلواریں سونت لو۔ شہر کے دروازہ پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کھڑا ہے اور وہ شہر میں آنا چاہتا ہے اور اُس کے شہر میں آنے کی غرض محض خدا تعالیٰ کی عبادت ہے اور یہ ایسا مقدس کام ہے کہ اس کے لیے اگر ہم اپنی جانیں بھی لڑا دیں تو کم ہے۔ چنانچہ اُس کے بیٹے اُس کے ساتھ چل پڑے اور وہ دروازہ پر آیا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں کھڑے تھے۔ مطعم بن عدی نے کہا آیئے اور ہمارے آگے آگے چلیے۔ ہم آپ کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔ اور اگر کسی نے آپ کو ذرا بھی چھیڑا تو ہم اُس کی گردن اڑا دیں گے۔ چنانچہ وہ آپ کو اپنے بیٹوں کی حفاظت میں آپ کے گھر چھوڑ آیا۔3

غرض یہ بھی ایک تنگی کا وقت تھا کہ آپ مکہ کے قانون کے مطابق شہر بدر کر دیئے گئے تھے اور آپ سوائے اس کے کہ کوئی کافر رئیس آپ کو پناہ دے مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔

پھر تیسرا واقعہ آپ کے ضعف کا وہ آتا ہے جب کہ ہجرت کا وقت آیا اور کفار نے مشورہ کیا کہ آپ رات کو گھر میں لیٹے ہوئے ہوں تو آپ کو قتل کر دیا جائے۔ اُس وقت بھی آپ میں کوئی طاقت نہیں تھی۔ اگر دشمن چاہتے تو آپ کو بڑی آسانی سے قتل کر سکتے تھے۔ یہ خدا تعالیٰ کا ہی نشان تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑی دلیری سے گھر سے باہر نکلے۔ آپ نے دیکھا کہ کافر چاروں طرف کھڑے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ایسا تصرف کیا کہ آپ ان کے درمیان سے نکل گئے اور وہ آپ کو دیکھ نہ سکے۔ اُن کی خود اپنی روایت ہے کہ ہمیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نظر ہی نہیں آیا۔ اگر وہ

ہمیں نظر آتا تو ہم اُسے مار نہ ڈالتے ؟ آپ سیدھے حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے گئے اور اُن کو ساتھ لے کر غارِ ثور کی طرف چلے گئے۔ پھر تاریخوں میں آتا ہے کہ کفار نے آپ کا پیچھا کیا اور وہ غارِ ثور کے منہ تک پہنچ گئے اور جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کو دیکھ کر گھبرائے تو آپ نے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا4۔ ابوبکر! ڈرو نہیں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ مکہ والوں نے اعلان کیا تھا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زندہ یا مردہ واپس لائے ہم اُسے سَو اونٹ انعام دیں گے۔ اس لالچ میں ہر طرف آپ کی تلاش شروع ہوگئی اور جب آپ مدینہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے تو ایک شخص سراقہ نامی انعام کے لالچ میں آپ کے پیچھے پیچھے آیا اور جب اُس نے آپ کو دیکھ لیا تو آپ پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ اب دیکھو! یہ کتنی بے دست و پائی کی بات ہے کہ ایک کافر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھتا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانے والا کوئی نہیں۔ مگر خدا تعالیٰ نے آپ کو اس موقع پر بھی بچا لیا۔ چنانچہ جب وہ حملہ کی نیت سے آپ کے پاس پہنچا تو اُس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ اُس نے بہت کوشش کی مگر اُس کے پاؤں نہ نکلے۔ اس بات کا اُس کی طبیعت پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے سمجھ لیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور سچے ہیں۔ چنانچہ وہ آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں آپ کو پکڑنے کی نیت سے آیا تھا مگر اب میں سمجھتا ہوں کہ آپ واقع میں خدا تعالیٰ کے رسول ہیں اور وہ آپ کو ایک دن سارے عرب پر قبضہ بخشے گا۔ آپ مہربانی فرما کر مجھے ایک پروانہ لکھ دیں کہ جب خدا تعالیٰ آپ کو بادشاہ بنائے گا تو مجھے امن دیا جائے گا۔ چنانچہ آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ سے فرمایا کہ اسے میری طرف سے یہ تحریر دے دو۔5 وہ بعد میں ہمیشہ یہ تحریر لوگوں کو دکھاتا تھا اور بڑے فخر کے ساتھ کہا کرتا تھا کہ میں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہی معافی حاصل کی ہوئی ہے۔ گویا اُس شخص نے محسوس کر لیا کہ جس شخص کی حفاظت اس صورت میں ہوئی ہے کہ جب میں حملہ

کرنے لگا تو میرے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے وہ جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ضعف اور کمزوری کے ایسے زمانے گزرے ہیں جن کی مثال دنیا میں اور کہیں نہیں مل سکتی۔

ایک دفعہ آپ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ کفار نے اونٹ کی اوجھڑی لا کر آپ کی گردن پر رکھ دی اور اس کا بوجھ اتنا زیادہ تھا کہ آپ اس کی وجہ سے سجدہ سے سر نہیں اٹھا سکتے تھے۔ جب زیادہ دیر ہوگئی تو کسی نے حضرت فاطمہؓ کو اطلاع دے دی۔ وہ دوڑتی ہوئی آئیں اور بڑا زور لگا کر انہوں نے اُس اوجھڑی کو آپ کی گردن سے اتارا۔6

پھر ایک دفعہ لوگوں نے آپ کے گلے میں پٹکا ڈال کر کھینچنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ آپ کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ کو خبر ہوگئی۔ وہ وہاں آئے اور انہوں نے آپ کو چھڑایا اور کہا اے ظالمو! تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم اس شخص پر محض اس لیے ظلم کر رہے ہو کہ یہ کہتا ہے کہ میرا خدا ایک ہے۔ آخر اس نے کوئی چوری کی ہو، ڈاکا مارا ہو یا قتل کیا ہو تو کوئی بات بھی تھی لیکن خانہ کعبہ میں جو امن کی جگہ ہے تم نے اس شخص پر ظلم کیا ہے اور تم اس کے گلے میں پٹکا ڈال کر کھینچ رہے ہو۔7

اب تم سمجھ سکتے ہو کہ خانہ کعبہ میں جو کفار کے نزدیک بھی امن کی جگہ تھی ایک شخص کے سر پر جبکہ وہ عبادت کر رہا ہو اونٹ کی اوجھڑی لا کر رکھ دینا اور اس کے گلے میں پٹکا ڈالنا اُسی وقت ہوسکتا ہے جب یہ سمجھا جائے کہ یہ شخص بالکل بے حیثیت ہے۔ ورنہ اگر وہ کسی کا رشتہ دار نہ بھی ہوتا تب بھی مکہ کے لوگ تلواریں لے کر آ جاتے اور کہتے کہ خانہ کعبہ کو امن حاصل ہے تم کون ہوتے ہو کہ خانہ کعبہ میں آ کر اس طرح ظلم کرتے ہو۔

پھر آپؐ کی کمزوری کی ایک مثال یہ ملتی ہے کہ آپؐ کی ایک بیٹی مکہ میں تھی جسے آپ نے مدینہ بلوایا۔ جب وہ مدینہ جا رہی تھیں تو ایک شریر شخص نے ان کی اونٹنی کا

تنگ توڑ دیا۔ پھر وہ شخص خانہ کعبہ میں گیا اور اُس نے خوب قہقہہ لگا کر رؤسا کے سامنے کہا جا کے دیکھو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی کا کیا حال ہے؟ وہ مدینہ جا رہی تھی کہ میں نے اس کے اونٹ کا تنگ کاٹ دیا اور وہ زمین پر گر گئی۔ اُس وقت ہندہ بھی وہاں موجود تھی۔ یہ وہی ہندہ تھی جس نے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ نکلوا دیا تھا اور جنگ بدر اور دوسری لڑائیوں میں کفار کو مسلمانوں کے خلاف اُکسایا کرتی تھی اور کہتی تھی جاؤ اور لڑو، ورنہ ہم عورتیں تمہارے قبضہ میں نہیں آئیں گی۔ ہم تمہارے پاس تبھی آئیں گی جب تم مسلمانوں سے لڑو گے اور انہیں قتل کرو گے۔ وہ فوراً کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی مکہ والو! تم کو شرم نہیں آتی! تم وہ لوگ ہو جن کے باپ دادے اپنی بہادری پر فخر کیا کرتے تھے اور اب تمہاری یہ حالت ہے کہ تم نے ایک ایسی عورت کے اونٹ کا تنگ کاٹ دیا جس کا باپ کئی سو میل کے فاصلہ پر تھا اور اُس کو نیچے گرا دیا۔ تمہیں اس حرکت پر شرم کرنی چاہیے۔

اب اس واقعہ کا ہونا بھی آپؐ کی کمزوری کی وجہ سے ہی تھا ورنہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے جب آپؐ کو طاقت دی تو آپ کے متبعین نے قیصر و کسریٰ کی حکومتوں تک کو پاش پاش کر دیا اور قیصر و کسریٰ کے مقابلہ میں مکہ والوں کی اتنی حیثیت بھی نہ تھی جتنی ایک نمبردار کے سامنے کسی چوڑھے کی ہوتی ہے۔ پس ان کا مکہ میں ایسی حرکت کرنا یعنی آپ کی بیٹی کی سواری کا تنگ کاٹ کر اسے نیچے گرا دینا بتاتا ہے کہ وہ اُس وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی بے کس اور بے بس سمجھتے تھے۔

غرض تاریخ میں کثرت سے ایسے واقعات آتے ہیں جن سے پتا لگتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک وقت ایسا آیا جو آپؐ کی نہایت درجہ کمزوری اور بے بسی پر دلالت کرتا تھا۔ مگر اس کے بعد پھر وہ زمانہ آیا جب نصر اللہ اور فتح آ گئی اور لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ اُس زمانہ کی تاریخ کو جب ہم پڑھتے ہیں تو پھر ہمیں اَور رنگ کے واقعات دکھائی دیتے ہیں۔ چنانچہ نصر اللہ

اور فتح کا زمانہ آیا تو ہمیں یہ نظارہ نظر آتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد جب مکہ والوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ''خزاعہ'' پر حملہ کر دیا تو انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ مسلمان اپنے حلیف قبیلہ کی مدد کے لیے کہیں مکہ پر حملہ نہ کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے ابوسفیان کو مدینہ روانہ کیا تا کہ وہ کسی طرح مسلمانوں کو حملہ سے باز رکھے۔ جب حدیبیہ کی صلح ہوئی ہے اُس وقت ابوسفیان مکہ میں نہیں تھا۔ انہوں نے ابوسفیان سے کہا تُو اب مدینہ میں جا اور مسلمانوں سے کہہ کہ اُس معاہدہ کے وقت چونکہ میں مکہ میں موجود نہیں تھا اس لیے وہ معاہدہ میری تصدیق کے ساتھ اب شروع ہوگا۔ اور پھر دس سال کی میعاد بھی تھوڑی ہے اسے بھی بڑھا دیا جائے۔ وہ مدینہ پہنچا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ملا اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے بھی ملا۔ مگر کسی نے اُس کی طرف توجہ نہ کی۔ آخر وہ حضرت علیؓ کے پاس گیا اور اُن سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت علیؓ نے مذاقاً کہا کہ تم مسجد میں جا کر یہ اعلان کر دو کہ میں چونکہ اپنی قوم کا سردار ہوں اور معاہدہ پر میرے دستخط نہیں اس لیے آج سے وہ معاہدہ کیا جاتا ہے اور اس کی اتنی مدت بھی بڑھائی جاتی ہے۔ اُس نے اس مذاق کو مان لیا اور مسجد میں سب کے سامنے کھڑے ہو کر اعلان کر دیا کہ مدینہ والو! تم نے ایسے لوگوں سے معاہدہ کر لیا تھا جن کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ ذمہ داری میری ہے اور میں اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے چاہتا ہوں کہ معاہدہ کی مدت بھی بڑھ جائے اور میرے دستخط بھی ہو جائیں۔ سو وہ معاہدہ آج سے شروع ہوتا ہے کیونکہ اب اس پر میری تصدیق ہے اور معاہدہ کی مدت بھی اتنی بڑھا دی گئی ہے۔ اس اعلان پر سب صحابہؓ اس کی حماقت کی وجہ سے ہنس پڑے اور اس کو سخت ذلّت محسوس ہوئی۔ بعد میں وہ بڑے غصہ میں حضرت علیؓ کو مخاطب کر کے کہنے لگا تم نے جان بوجھ کر مجھے ذلیل کروایا ہے اور تم لوگ ہمیشہ ہمارے دشمن رہے ہو۔[8] اس کے بعد وہ ناکام واپس چلا آیا۔

اس سفر میں اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان کو ایک اَور زک بھی پہنچائی۔ اُس کی ایک

لڑکی اُمِّ حبیبہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی تھیں۔ ابوسفیان کو خیال آیا کہ مدینہ آیا ہوں تو اپنی لڑکی سے بھی مل لوں۔ چنانچہ ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر گیا۔ حضرت اُمِّ حبیبہؓ نے بستر پر ایک چادر بچھائی ہوئی تھی۔ ابوسفیان اُس پر بیٹھنے لگا تو حضرت اُمِّ حبیبہؓ نے وہ چادر جلدی سے اُس کے نیچے سے کھینچ لی۔ ابوسفیان یہ دیکھ کر کہنے لگا کہ بیٹی! کیا بات ہے؟ کیا یہ چادر اس قابل نہیں کہ تیرا باپ اس پر بیٹھ سکے یا میں اس قابل نہیں ہوں کہ میں اس پر بیٹھوں؟ حضرت اُمِّ حبیبہؓ نے کہا تم ہی اس قابل نہیں ہو کہ اس چادر پر بیٹھو۔ ابوسفیان نے کہا بیٹی! تم نے یہ کیا کہا؟ کیا میں تیرا باپ نہیں ہوں؟ حضرت اُمِّ حبیبہؓ نے کہا یہ ٹھیک ہے کہ تم میرے باپ ہو لیکن اس کے باوجود میں یہ پسند نہیں کرتی کہ جس چادر پر خدا کا رسول بیٹھتا ہے اُس پر تم جو خدا اور اُس کے رسول کے دشمن ہو بیٹھو۔9

اب دیکھو! جب نصر اللہ اور فتح کا زمانہ آیا تو کس طرح ابوسفیان کو خود اس کی لڑکی نے ذلیل کیا۔ اُس کی لڑکی کی نظر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی عزت اور عظمت تھی کہ اس نے یہ بھی پسند نہ کیا کہ جس چادر پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھتے تھے اس پر ابوسفیان بیٹھے۔ پھر وہ دن بھی آ گیا جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ والوں پر کامل فتح عطا فرمائی۔

ابوسفیان جب اپنے مشن میں کامیاب نہ ہوا بلکہ اُلٹا ذلیل ہوا تو وہ مکہ کی طرف دوڑا تا کہ مکہ والوں کو صورتِ حال سے باخبر کر دے۔ مکہ والوں نے پھر آپس میں مشورہ کیا اور ابوسفیان سے کہا کہ وہ مکہ سے باہر نکل کر پتا تو لے کہ مسلمان کیا کرنا چاہتے ہیں۔ ابوسفیان ایک منزل ہی باہر گیا تھا کہ اس نے سارا جنگل روشن پایا۔ یہ آگ جو تمام خیموں کے آگے جلائی گئی تھی ایک ہیبت ناک نظارہ پیش کر رہی تھی۔ حضرت عباسؓ کی ابوسفیان سے پرانی دوستی تھی۔ انہوں نے ابوسفیان کو دیکھ لیا اور اُسے آواز دے کر کہا سامنے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر خیمہ ڈالے پڑا ہے

جلدی سے میرے پیچھے سواری پر بیٹھ جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلو کیونکہ حضرت عباسؓ ڈرتے تھے کہ حضرت عمرؓ پہرہ پر مقرر ہیں انہوں نے اسے دیکھ لیا تو وہ کہیں اسے قتل نہ کر دیں۔ چنانچہ ابوسفیان حضرت عباسؓ کے پیچھے بیٹھ گیا اور وہ سواری کو ایڑ لگا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جا پہنچے اور ابوسفیان کو دھکّا دے کر آگے کیا اور کہا کم بخت! آگے بڑھ اور بیعت کر لے۔ اُس وقت دہشت اور خوف کی وجہ سے ابوسفیان سخت مبہوت ہو چکا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا عباس! ابوسفیان کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور رات کو اپنے پاس رکھو اور صبح میرے پاس لانا10۔ جب صبح وہ حضرت عباسؓ کے ساتھ باہر نکلا تو نماز کا وقت تھا۔ اُس نے دیکھا کہ ہزاروں مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہاتھ باندھے صف میں کھڑے ہیں۔ جب آپؐ رکوع کرتے ہیں تو وہ سب کے سب رکوع کرتے ہیں، جب آپ سجدہ کرتے ہیں تو وہ سب کے سب آپ کے ساتھ سجدہ میں چلے جاتے ہیں۔ پھر آپ سجدے سے سر اٹھاتے ہیں تو وہ بھی آپ کے ساتھ سر اٹھا لیتے ہیں۔ پھر آپ سجدہ میں جاتے ہیں تو تمام لوگ آپ کے ساتھ سجدہ میں چلے جاتے ہیں۔ پھر تشہّد میں بیٹھتے ہیں تو تمام لوگ آپ کے ساتھ تشہّد میں بیٹھ جاتے ہیں۔ ابوسفیان نے یہ نظارہ دیکھا تو اُس نے خیال کیا کہ یہ سب کچھ اس کے مارنے کے لیے کیا جا رہا ہے۔ اُس نے حضرت عباسؓ سے ڈرتے ڈرتے پوچھا کہ عباس! یہ کیا ہو رہا ہے؟ کہیں میرے قتل کی تدبیر تو نہیں ہو رہی؟ حضرت عباسؓ نے کہا کہ ابوسفیان! تیری کیا حیثیت ہے کہ دس ہزار مسلمان تیرے لیے سازش کریں۔ یہ تو نماز ہو رہی ہے۔ ابوسفیان کہنے لگا عباس! میں نے کسریٰ کا دربار بھی دیکھا ہے اور قیصر کا دربار بھی دیکھا ہے لیکن میں نے اُن کی رعیت کو بھی اس قسم کی اطاعت کرتے نہیں دیکھا جس قسم کی اطاعت یہ لوگ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی کر رہے ہیں11۔ یہ لوگ تو مکے والوں کو کھا جائیں گے۔ تم مجھے اجازت دو کہ میں واپس جا کر

مکے والوں کو بتا دوں کہ کیا کچھ ہونے والا ہے تا کہ وہ اپنے بچاؤ کی کوئی صورت کر لیں۔ پھر حضرت عباسؓ اُسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ ابوسفیان آپؐ سے کہنے لگا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا یہ ہوسکتا ہے کہ کسی طرح مکہ والے بچ جائیں؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! جو شخص خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے گا وہ بچ جائے گا۔ ابوسفیان نے کہا خانہ کعبہ تو بہت چھوٹی جگہ ہے وہاں مکے والے تو نہیں آ سکیں گے۔ آپ نے فرمایا اچھا جو لوگ تیرے گھر میں داخل ہو جائیں گے وہ بھی بچائے جائیں گے۔ ابوسفیان نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میرا گھر بھی تو چھوٹا سا ہے وہاں بھی ہر شخص پناہ نہیں لے سکے گا۔ آپؐ نے فرمایا جو شخص اپنے گھر کے دروازے بند کر لے گا اُسے بھی کچھ نہیں کہا جائے گا12۔ ابوسفیان نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! اگر مکہ والوں کو وقت پر یہ خبر نہ مل سکی تو وہ اپنے اپنے گھروں میں کیسے پہنچ سکیں گے؟ اس کے علاوہ بھی کوئی رعایت ہونی چاہیے۔ آپؐ نے ایک چادر منگوائی اور اُس کا ایک جھنڈا بنوایا اور فرمایا یہ بلالؓ کا جھنڈا ہے۔ آپؐ نے وہ جھنڈا حضرت بلالؓ کے ایک انصاری بھائی کو دیا اور فرمایا جو شخص بلالؓ کے جھنڈے کے نیچے آ جائے گا اُسے بھی پناہ دی جائے گی۔13

آپ کے اس حکم میں بھی ایک لطیف حکمت تھی۔ مکہ والے حضرت بلالؓ کے پاؤں میں رسّی ڈال کر انہیں گلیوں میں گھسیٹا کرتے تھے۔ وہ سخت تیز گرمی میں گرم ریت پر لِٹا کر جُوتوں سمیت اُن کے سینہ پر ناچتے اور گرم پتھروں پر انہیں گھسیٹتے ہوئے کہتے تھے کہ کہو ایک خدا نہیں بلکہ بُت بھی خدا ہیں۔ اس پر وہ کہتے اَسْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَسْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔14 رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ آج بلالؓ کا دل انتقام کی طرف بار بار مائل ہوتا ہوگا۔ اگر میں نے انہیں معاف کر دیا تو وہ کہے گا کہ ماریں تو میں کھاتا رہا لیکن جب میرے انتقام کا وقت آیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے والوں کو معاف کر دیا۔ اس خیال کے آنے

پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کے نام کا ایک جھنڈا بنا کر کہا کہ آج جو شخص بلال کے جھنڈے کے نیچے کھڑا ہوگا اُسے بھی پناہ دی جائے گی۔ اس طرح مکہ والے اکثر محفوظ رہے۔ صرف اُس طرف کچھ لوگ مارے گئے جس طرف سے حضرت خالدؓ نے حملہ کیا تھا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اُن لوگوں کو صحیح اطلاع نہیں پہنچ سکی تھی اور انہوں نے حضرت خالدؓ کا مقابلہ شروع کر دیا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی تو آپؐ نے فرمایا اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں۔ تم لوگوں نے ہی اپنے آدمیوں کو خبر نہیں پہنچائی تھی ورنہ وہ مقابلہ کر کے موت کے منہ میں نہ جاتے۔'' 15

(الفضل 22 نومبر 1957ء صفحہ 2 تا 5)

1: النصر :2تا4

2: السیرة النبویة لابن هشام الجزء الاوّل صفحہ 339، 340 زیر عنوان ''اسلام حمزة'' مطبوعہ دمشق 2005ء

3: السیرة الحلبیة الجزء الثانی صفحہ 63 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعة الاولٰی

4: کنز العمال جلد 16 صفحہ 661 تا 664 حدیث نمبر 46279 تا 46286 مطبوعہ دمشق 2012ء

5: السیرة النبویة لابن هشام الجزء الثانی صفحہ 546، 547 زیر عنوان ''سراقة ابن مالک ورکوبه فی اثر الرسول ﷺ''، مطبوعہ دمشق 2005ء

6: بخاری کتاب الصلوٰة باب المرأة تطرح عن المصلی شیئًا من الاَذٰی صفحہ 88 حدیث نمبر 520 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانیة

7: بخاری کتاب فضائل اَصحاب النبی ﷺ باب قول النبی ﷺ لو کنت متخذًا خلِیْلًا صفحہ 618 حدیث نمبر 3678 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانیة

8: السیرة النبویة لابن هشام الجزء الثانی صفحہ 1188 تا 1190 مطبوعہ دمشق 2005ء

9: السیرة النبویة لابن هشام الجزء الثانی صفحہ 1189 مطبوعہ دمشق 2005ء

10: السیرة النبویة لابن هشام الجزء الثانی صفحہ 1195، 1196 زیر عنوان ''قصة اسلام

ابی سفیان علی ید العباس" مطبوعہ دمشق 2005ء

11: السیرۃ الحلبیۃ الجزء الثالث صفحہ 177 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولیٰ

12: السیرۃ النبویۃ لابن ھشام الجزء الثانی صفحہ 1197 مطبوعہ دمشق 2005ء

13: السیرۃ الحلبیۃ الجزء الثالث صفحہ 179 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولیٰ

14: السیرۃ النبویۃ لابن ھشام الجزء الاوّل صفحہ 366 مطبوعہ دمشق 2005ء

15: السیرۃ الحلبیۃ الجزء الثالث صفحہ 183، 184 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولیٰ

رسول کریم ﷺ کی سیرت کے متفرق پہلو

حضرت مصلح موعود نے 28 دسمبر 1957ء کو جلسہ سالانہ ربوہ میں ''عالم روحانی کے لنگر خانہ'' کے عنوان سے سیر روحانی پر گیارھویں تقریر فرمائی۔ اس تقریر میں سورۃ الکوثر کی روشنی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے درج ذیل پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی:۔

''قرآنی لنگر کے ہمیشہ جاری رہنے کی پیشگوئی

جسمانی اور روحانی لنگر کا مقابلہ کرتے ہوئے مَیں نے یہ بھی دیکھا کہ جسمانی لنگر تو کب کے خاموش ہو چکے ہیں لیکن قرآنی لنگر کے ہمیشہ زندہ رہنے کی پیشگوئی قرآن کریم میں مذکور ہے۔ چنانچہ اُس نے فرمایا ہے اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ۔ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ[1] اے محمدؐ رسول اللہ! ہم تجھے ایک ایسے روحانی بیٹے کی بشارت دیتے ہیں جو بڑا ہی سخی ہوگا۔ پس چاہئے کہ تُو اُس کے پیدا ہونے کی خوشی میں اپنے ربّ کے فضل کی وجہ سے اُس آنے والے روحانی بچہ کے لئے بہت دعائیں کرتا رہ اور کثرت سے اُس کی پیدائش کی خوشی میں قربانیاں کر تا کہ ایک وسیع لنگر جاری ہوجائے اور لاکھوں کروڑوں آدمی اُس سے فائدہ اٹھائیں اور یقین رکھ کہ تیرا دشمن ہمیشہ نرینہ اولاد سے محروم رہے گا۔

عربوں میں رواج تھا کہ وہ بچہ کی پیدائش پر بہت قربانیاں کرتے تھے۔ لڑکی کو تو وہ زندہ دفن کر دیتے تھے۔ اس پر قربانیاں کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا،

صرف نرینہ اولاد پر وہ قربانیاں کیا کرتے تھے۔ پس فرمایا کہ تیرے ہاں ایک زمانہ میں ایک ایسا بیٹا پیدا ہوگا جو امتی نبی ہوگا اور نر ہوگا کیونکہ عورت نبی نہیں ہوتی۔ اس کی خوشی میں تُو قربانیاں کر یعنی دنیوی لنگر بھی جاری کر اور اُس کی تسبیح وتحمید بھی کر۔ یعنی روحانی لنگر بھی جاری کر۔ اور یقین رکھ کہ تیرا دشمن ہمیشہ اس دنیا میں بے اولاد رہے گا۔

حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت پر مرد کو یہ فضیلت ہے کہ مردوں میں سے تو کامل مومن ہو سکتے ہیں جو دوسروں پر حکومت کرنے کے اہل ہوں لیکن عورتوں میں سے کوئی ایسی عورت نہیں ہوسکتی جو تمام مردوں پر حکومت کرنے کی قابلیت رکھتی ہو۔ آجکل مساوات پر بڑا زور دیا جاتا ہے لیکن یہ دعویٰ کبھی کسی عیسائی پادری نے نہیں کیا کہ عورت تمام مردوں پر حکومت کرسکتی ہے۔ مثلاً ملکہ کو ہی لے لو، اُس کو گھر میں خاوند کے ماتحت چلنا پڑتا ہے اور چاہے اُسے تخت پر ہی لا کر بٹھائیں گھر میں وہ خاوند کے ماتحت ہوتی ہے۔ بے شک بعض عورتیں ایسی بھی ہوئی ہیں جنہوں نے شادی نہیں کی لیکن شادی نہ کرنے سے اُن کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ڈرتی تھیں کہ مرد آ گیا تو ہم پر حکومت کرے گا۔ مثلاً رضیہ سلطانہ نے جو غلام خاندان میں سے تھی ابتدا میں شادی نہیں کی مگر آخر وہ بے شادی کے نہ رہ سکی۔ اِسی طرح یورپ میں بعض حکومتیں ہیں جن کی شہزادیوں نے شادی نہیں کی مگر اُن کا شادی نہ کرنا صاف بتاتا ہے کہ وہ ڈرتی تھیں کہ اگر شادی کی تو مرد کے تابع رہنا پڑے گا۔ ملکہ وکٹوریہ کی شادی البرٹ وکٹر سے ہوئی تھی اور مَیں نے ملکہ کی ہسٹری میں پڑھا ہے کہ وہ روٹھ جاتا تھا تو دروازے بند کر لیتا تھا اور ملکہ معظّمہ ساری دنیا کی بادشاہ ہوکر اُس کی منتیں کیا کرتی تھی اور کہتی تھی کہ دروازہ کھول دو تم جو کچھ کہو مَیں وہی کروں گی۔

اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ کی پیشگوئی کا ظہور

غرض یہ جو پیشگوئی تھی کہ محمدؐ رسول اللہ کا دشمن ہمیشہ اَبْتَر یعنی بے اولاد رہے گا اس کے پورا ہونے کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن ابوجہل تھا اور ابوجہل کا بیٹا عکرمہؓ تھا۔ ابوجہل کمبخت وہ تھا کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ نبوت کیا تو ایک دفعہ آپ صفا پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اُس نے زور سے آپ کے منہ پر تھپڑ مارا۔ امیر حمزہؓ جو آپؐ کے چچا تھے اُس وقت باہر شکار کے لئے گئے ہوئے تھے۔ جب وہ شکار سے واپس آئے تو اُن کے گھر کی ایک لونڈی جس نے پردہ کے پیچھے سے یہ تمام نظارہ دیکھا تھا بڑے غصہ سے اُن کو دیکھ کر کہنے لگی تجھ کو شرم نہیں آتی کہ تُو تیر کمان لٹکائے فوجی بنا پھرتا ہے اور ظاہر کرتا ہے کہ بڑا بہادر ہے، مَیں نے دیکھا کہ آج تیرے بھتیجا کے منہ پر ابوجہل نے بڑے زور سے تھپڑ مارا اور وہ سر ڈالے بیٹھا تھا۔ خدا کی قسم! اُس نے ابوجہل کو کوئی لفظ نہیں کہا تھا اور اُس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ سر جُھکائے چپ کر کے بیٹھا تھا اور اپنے خیالات میں مگن تھا کہ وہ آیا اور اُس نے تھپڑ مارا اور پھر بعد میں بھی محمدؐ نے کچھ نہیں کہا۔ وہ دایہ تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتی تھی۔ اُس نے کہا کہ محمدؐ نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے چلا گیا۔ اگر تم میں غیرت اور شرم ہے تو جاؤ اور جا کر بدلہ لو۔ حضرت حمزہؓ یہ سنتے ہی سیدھے خانہ کعبہ میں گئے کیونکہ اُن لوگوں میں رواج تھا کہ شام کے وقت سارے رؤسا وہاں اکٹھے ہو جاتے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ابوجہل جو سردارانِ مکہ میں سے سمجھا جاتا تھا وہ مسند پر بیٹھا ہؤا ہے اور اُس کے اردگرد مکہ کے تمام رؤسا بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت حمزہؓ جب وہاں پہنچے تو انہوں نے کمان اٹھا کر زور سے اُس کے منہ پر ماری اور کہا کہ مجھے پتا لگا ہے کہ تُو نے آج محمدؐ کے منہ پر تھپڑ مارا ہے اور اُس نے نہ پہلے کچھ کہا تھا اور نہ بعد میں کچھ کہا۔ اب اگر تم میں کچھ ہمت ہے اور کوئی بہادری تم میں پائی جاتی ہے تو آ اور میرے ساتھ لڑ کر دکھا پھر تجھے پتا لگے گا۔ محمدؐ جو کسی پر ہاتھ نہیں اٹھاتا تیری ساری بہادری اُسی پر چلتی ہے۔ جو مقابلہ کرنے والے اور سپاہی لوگ ہیں اُن سے تُو لڑ کے دکھا پھر ہم مانیں گے کہ تُو بہادر ہے۔ اس پر سارے رؤسا کھڑے ہو گئے اور انہوں

نے حضرت حمزہؓ کو پکڑ لیا اور مارنے لگے کہ اس نے ہمارے لیڈر کو مارا ہے۔ مگر اُس وقت خدا تعالیٰ نے ابوجہل کے دل پر ایسا رعب ڈالا کہ وہ اُن سے کہنے لگا نہیں نہیں! اِسے کچھ نہ کہو اصل میں آج مجھ سے ہی کچھ زیادتی ہوگئی تھی اور غلطی میری ہی تھی۔ میں نے محمدؐ پر بلا وجہ ظلم کر دیا، اُس نے مجھے کچھ نہیں کہا تھا۔ نہ پہلے نہ بعد میں۔ اس لئے حمزہ اپنے بھتیجے کی تائید میں جو کچھ کہتا ہے سچ کہتا ہے اِسے مت مارو۔2 چنانچہ وہ لوگ رُک گئے۔ تو ابوجہل اپنی قوم کا سردار تھا اور ہمیشہ لوگوں سے کہتا رہتا تھا کہ محمدؐ (رسول اللہ) اگر کوئی بات کہا کریں تو کبھی نہ مانا کرو۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مظلوم اور ستم رسیدہ انسان سے حُسنِ سلوک

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعویٰ نبوت سے پہلے ایک دفعہ حِلف الفضول میں شامل ہو گئے تھے۔ یہ ایک مجلس تھی جو فضل نامی تین چار آدمیوں نے قائم کی اور انہوں نے ایک دوسرے سے قسمیں لی تھیں کہ جب کوئی مظلوم مکہ میں آئے اور وہ ہم سے مدد مانگے تو ہم اُس کی ضرور مدد کریں گے۔ جب یہ مجلس قائم ہوئی تو انہوں نے آپؐ کو بھی اُس میں شامل ہونے کی دعوت دی، آپ بڑے شوق سے شامل ہوگئے۔ اس کے بعد دعویٰ نبوت کے زمانہ میں ایک شخص باہر سے آیا اور کہنے لگا ابوجہل نے مجھ سے مدت ہوئی قرض لیا تھا مگر اب وہ دیتا نہیں۔ آپ حِلف الفضول میں شامل رہ چکے ہیں آپؐ مجھ کو میرا قرض دلائیں۔ آپؐ نے فرمایا اچھا میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ چنانچہ آپؐ گئے، ابوجہل کا دروازہ بند تھا، آپ نے دستک دی۔ ابوجہل آیا اور اُس نے دروازہ کھولا اور آپؐ کو دیکھ کر ذرا پیچھے ہٹ گیا اِس خیال سے کہ میں اس کا اتنا بڑا دشمن ہوں اس کو میرے دروازہ پر آنے کی جرأت کس طرح ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا تم نے اس کا کچھ قرض دینا ہے؟ وہ انکار نہ کرسکا اور کہنے لگا ہاں مَیں نے اس سے قرض لیا ہؤا ہے مگر اب تک مجھے اُس کے ادا کرنے کا موقع نہیں ملا۔

آپؐ نے فرمایا کہ موقع کا سوال نہیں تم مالدار آدمی ہو فوراً اس کا قرض ادا کر دو۔ وہ اندر گیا اور جتنا روپیہ قرضہ تھا اُتنا ہی روپیہ اُسے لا کر دے دیا۔3

ابوجہل کیلئے ایک خدائی نشان

جب وہ اپنے معمول کے مطابق کعبہ میں آیا تو سب مکہ کے لوگوں نے اُسے کہا کہ تم بڑے ذلیل آدمی ہو۔ ہمیں تو یہ کہا کرتے تھے کہ اس کی بات نہ مانو اور آج کسی غیر جگہ نہیں بلکہ اپنے گھر پر جب اُس نے تم کو کہا کہ اس کا قرضہ ادا کر دو تو تم نے فوراً اس کا قرضہ ادا کر دیا اور ڈر گئے۔ اس سے پتا لگتا ہے کہ تم ہم کو غلط راستہ پر چلاتے ہو ورنہ خود تم میں کوئی ہمت نہیں۔ اُس نے کہا خدا کی قسم! اگر تم میری جگہ ہوتے تو تم بھی اُسی طرح قرضہ ادا کر دیتے۔ انہوں نے پوچھا کیا ہوا تھا؟ وہ کہنے لگا جب میں نے دروازہ کھولا اور مجھے پتا لگا کہ محمدؐ (رسول اللہ) ہیں تو میں نے دیکھا کہ ایک وحشی اونٹ آپؐ کے دائیں بازو پر کھڑا ہے اور ایک وحشی اونٹ آپؐ کے بائیں بازو پر کھڑا ہے اور دونوں نے اپنے سر آگے کئے ہوئے ہیں اور وہ مجھے کاٹنا چاہتے ہیں۔ میں اُن وحشی اونٹوں کو دیکھ کر اتنا ڈرا کہ اُسی وقت روپیہ لا کر اُس کے حوالے کر دیا۔4 اب یہ ایک خدائی معجزہ تھا مگر اس سے پتا لگ سکتا ہے کہ ابوجہل کتنا خبیث دشمن تھا۔ ایسے دشمن کے گھر میں عکرمہ پیدا ہؤا مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں باوجود یہ کہنے کے کہ تُو اَبْتَر نہیں تیرا دشمن اَبْتَر ہے اُس زمانہ تک کوئی لڑکا پیدا نہیں ہؤا۔ بعد میں ایک لڑکا پیدا ہؤا جو فوت بھی ہو گیا۔ مگر جب یہ بات ہو رہی تھی آپؐ کے ہاں کوئی بیٹا نہیں تھا۔

فتح مکہ پر عکرمہ کا فرار

جب عکرمہ بڑا ہوا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو عکرمہ بھاگ کے سمندر کے اُس کنارہ کی طرف چلا گیا جہاں سے کشتیاں حبشہ کو جاتی تھیں۔ اُس کی بیوی تین چار مہینے انتظار کرتی رہی کہ وہ آ جائے تو میں کوشش کر کے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے معافی لے دوں کیونکہ وہ اُن لوگوں میں سے تھا جو مسلمانوں پر سخت ظلم کیا کرتے تھے اور اُن کو مروایا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایسے لوگ خواہ بیتُ اللہ میں بھی پناہ لیں ان کو نہ بخشا جائے۔ عکرمہ بھی ڈر کے بھاگ گیا تھا کہ شاید مجھے بھی قتل کیا جائے گا۔

عکرمہ کی بیوی کا رسول کریم ﷺ سے معافی حاصل کرنا

جب تین چار مہینے ہو گئے اور وہ واپس نہ آیا تو اُس کی بیوی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ آخر خاوند کی محبت ہوتی ہے اور آ کر عرض کیا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! کیا یہ اچھا ہے کہ آپ کا رشتہ دار بھائی آپ کے ماتحت آپ کے اپنے ملک میں زندگی گزارے یا یہ اچھا ہے کہ آپ کا رشتہ دار بھائی بھاگ کر کسی غیر ملک میں چلا جائے اور غیر ملکیوں کی پناہ میں اپنی عمر گزارے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں اگر ہمارا بھائی ہے تو پھر ہماری پناہ میں وہ اپنی عمر گزارے تو یہ زیادہ اچھا ہے۔ وہ کہنے لگی کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں جا کر اُسے لے آؤں؟ آپؐ نے فرمایا جاؤ۔ وہ کہنے لگی میں جاتی تو ہوں مگر آپ جانتے ہیں عکرمہ بڑا غیرت مند ہے اگر اُسے یہ پتا لگا کہ آپ اُس کا دین بدلوائیں گے تو پھر اُس نے نہیں آنا۔ یہ بھی وعدہ کیجیے کہ وہ بت پرست رہ کر آپ کے پاس آئے گا اور یہاں مکہ میں رہے گا اور پھر اُسے مارنا نہیں اور دوسرے اُسے مجبور نہیں کرنا کہ وہ بت پرستی چھوڑ دے۔ آپؐ نے فرمایا مجھے منظور ہے۔ چنانچہ وہ عکرمہ کو واپس بلانے کے لئے چلی گئی۔ عکرمہ اپنی بیوی کو دیکھ کر کہنے لگا تم کہاں؟ وہ کہنے لگی تُو جو آ گیا تھا میں کیا کرتی۔ وہ کہنے لگا تُو جانتی نہیں میں آنے پر مجبور تھا۔ اگر میں وہاں رہتا تو محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے مروا دینا تھا۔ عربوں میں رواج تھا کہ عورتیں اپنے خاوند کو چچا کا بیٹا کہا کرتی تھیں۔ اس دستور کے مطابق اُس نے کہا اے میرے چچا کے بیٹے! تجھے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھنے میں غلطی لگی ہے محمدؐ رسول اللہ

بڑی شان کا آدمی ہے تیرے بھاگنے کے بعد میں اُن کے پاس گئی تھی اور مَیں نے اُن سے پوچھا تھا کہ عکرمہ اگر واپس آ جائے اور آپ اُسے چھوڑ دیں تو یہ زیادہ اچھا ہے یا یہ اچھا ہے کہ وہ کسی غیر ملک میں جا کر دوسروں کی پناہ میں رہے؟ اس پر محمدؐ رسول اللہ نے مجھے کہا کہ نہیں اگر وہ میرے پاس آ کر رہے تو یہ زیادہ اچھا ہے۔ میں اُس کے ساتھ حسنِ سلوک کروں گا۔ عکرمہ کہنے لگا خدا کی قسم! اپنے باپ دادا کے مذہب کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ اُس نے کہا میں یہ بات بھی پوچھ چکی ہوں۔ میں نے خود کہا تھا کہ وہ بڑا غیرت مند ہے اپنے باپ دادا کے مذہب کو کبھی نہیں چھوڑے گا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ وہ بے شک بت پرستی پر قائم رہے میں اُسے کچھ نہیں کہوں گا۔ کہنے لگا یہ اتنی بڑی بات ہے کہ مجھے اس پر یقین نہیں آ سکتا۔ میں تیرے کہنے پر مکہ میں تو واپس چلا جاتا ہوں مگر میں خود اس بارہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھوں گا۔ اگر انہوں نے تصدیق کی تو پھر میں کہوں گا کہ بات ٹھیک ہے۔

عکرمہ محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی میں

چنانچہ وہ مکہ میں واپس آیا اور اپنی بیوی کو ساتھ لے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا۔ آپؐ کو اطلاع ہوئی تو آپؐ نے اُسے بلا لیا۔ جب وہ پہنچا تو کہنے لگا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے اپنی بیوی سے سنا ہے کہ آپ نے یہ کہا تھا کہ اگر عکرمہ واپس آ جائے تو اُسے کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔ آپؐ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ کہنے لگا جناب میں نے اپنی بیوی سے یہ بھی سنا ہے کہ اگر میں اپنے دین پر قائم رہنا چاہوں اور آپ کو نہ مانوں تو پھر بھی مجھے کچھ نہیں کہا جائے گا۔ آپؐ نے فرمایا اُس نے ٹھیک کہا ہے۔ یہ بھی میں نے اُسے کہا تھا۔ یہ بات سنتے ہی اُس کی آنکھیں کھل گئیں اور کہنے لگا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْکَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا عکرمہ! تُو نے تو میرے بڑے بڑے معجزات دیکھے تھے مگر پھر بھی تُو ایمان نہ لایا آج تُو نے کیا دیکھا ہے جس کی وجہ سے تُو نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا ہے اور کفر چھوڑ دیا ہے؟ وہ کہنے لگا اتنی بڑی مہربانی جو آپ نے مجھ پر کی ہے یہ نبی کے سِوا اور کوئی کر ہی نہیں کر سکتا۔ پس اس مہربانی اور امن کے بعد یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ میں آپ کو جھوٹا کہتا اور اپنے باپ دادا کے دین پر قائم رہتا اس لئے میں آپ پر ایمان لے آیا ہوں۔5

اب دیکھو! عکرمہؓ ابوجہل کا بیٹا تھا اور اُس کی نرینہ اولاد تھی بلکہ کہتے ہیں کہ اُس کی پیدائش پر کئی سو اونٹ ذبح کئے گئے تھے اور وہ اپنے وجود سے ظاہر کرتا تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹے ہیں اور میرا باپ سچا ہے کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی اور ابوجہل کے تھی۔ لیکن آخر وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا۔ اور جب وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا تو قرآن کریم کی یہ پیشگوئی پوری ہوگئی کہ اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ یعنی اے محمدؐ رسول اللہ! ہم نے تجھے خیرِ کثیر بخشی ہے یعنی بڑی امت بھی بخشی ہے جو ہمیشہ تیری اطاعت گزار اور فرمانبردار رہے گی اور تیری روحانی اولاد میں سے ایک ایسا انسان بھی کھڑا کیا جائے گا جو اپنے اندر خیرِ کثیر رکھتا ہوگا۔

الکوثر میں مسیح موعود کے علاوہ اُمتِ محمدیہ کے تمام مخلص افراد بھی شامل ہیں

دراصل کوثر کے معنے خیرِ کثیر کے ہیں اور جہاں اس میں مسیح موعود کی پیشگوئی کی گئی ہے وہاں تمام امتِ مُسلمہ کو بھی آپؐ کے بیٹوں میں شمار کیا گیا ہے۔ آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی تو فرمایا ہے کہ سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَیْتِ6 کہ سلمان بھی میرے اہل بیت میں سے ہیں۔ اور سلمان آپؐ کے اہل بیت میں شامل ہو سکتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ جو شخص آج

خاص طور پر نیکی کرے وہ آپؐ کی اولاد میں شامل نہ سمجھا جائے۔ وہ بھی شامل ہے۔ ہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ ایک خاص فضیلت حاصل ہے کہ آپ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ موعود بیٹے ہیں جن کی پیشگوئی پہلے نبیوں نے بھی کی ہوئی ہے ورنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں جتنے مسلمان ہیں اگر وہ اخلاص کے ساتھ کام کریں تو وہ بھی آپؐ کے بیٹے ہیں۔

غرض عکرمہؓ کے بیعت کر لینے کی وجہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو صاحبِ اولادِ نرینہ ہو گئے مگر ابوجہل بے اولاد رہ گیا۔

حضرت عمروؓ بن العاص کی مثال

اِسی قسم کی اور بھی بہت سی مثالیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً عمروؓ بن العاص بن وائل نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی حالانکہ عاص بھی بڑا دشمن تھا اور وائل بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا دشمن تھا۔ مگر باوجود اس کے کہ باپ اور دادا دونوں مخالف تھے عمروؓ بن العاص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور پھر اتنے دشمن گھرانے میں سے ہوتے ہوئے عمروؓ نے اسلام کے لئے مصر فتح کیا۔ اور پھر مصر پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ اسلامی حکومت کو مدینہ سے نکال کر افریقہ تک پہنچا دیا۔ عمروؓ بن العاص کی زندگی میں ہی اسلامی مبلغ سپین کی سرحدوں تک پہنچ گئے تھے۔ گویا انہوں نے اسلام کو مدینہ سے نکالا اور یورپ کی سرحدوں تک جا پہنچایا۔ آج ہم فخر کرتے ہیں کہ ہمارے مبلغ باہر گئے ہوئے ہیں لیکن ہمارے مبلغ اِس زمانہ میں گئے ہیں جب ہوائی جہاز چل رہے ہیں اور عمروؓ بن العاص نے اُس زمانہ میں اسلام کو مدینہ سے ہسپانیہ تک پہنچا دیا تھا جبکہ اونٹوں کا سفر ہوتا تھا اور راستہ میں پانی بھی نہیں ملتا تھا۔

حضرت خالدؓ بن ولید کی مثال

تیسری مثال خالدؓ بن ولید کی ہے۔ اِن کے باپ دادا بھی اسلام کے سخت مخالف

تھے۔لیکن انہوں نے اسلام قبول کیا اور سارے عرب اور ایران وفلسطین اور شام میں اسلام کو پھیلا یا اور اس طرح اپنے وجود سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحبِ اولادِنرینہ بنادیا۔لیکن اپنے باپ دادوں کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے اولادِ نرینہ سے محروم کردیا کیونکہ وہ اُن کے مسلک سے باہر ہو گئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مسلک کے تابع ہو گئے۔

غرض ایسی ہزاروں مثالیں ملتی ہیں جن کے ذریعہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں روحانی اولاد چلتی چلی جاتی ہے اور معنوی طور پر اُن کے عقیقے ہوتے رہتے ہیں یعنی اسلام خوشیاں مناتا ہے اور قرآنی لنگر سے دنیا فائدہ اٹھاتی رہتی ہے۔

رؤسائے مکہ کے بیٹوں پر حضرت عمرؓ کا غلام صحابہؓ کو ترجیح دینا

اس کی ایک اور شاندار مثال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک حج کا واقعہ ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوگئے اور آپ حج کے لئے تشریف لے گئے تو آپ کو حج کی مبارکباد دینے کیلئے بعد میں کچھ لوگ آئے جن میں مکہ کے رؤسا کے لڑکے بھی شامل تھے۔حضرت عمرؓ نے ان کا مناسب اعزاز کیا اور ان کو اپنے خیمہ میں جگہ دی اور اپنے قرب میں بٹھایا۔مگر تھوڑی دیر کے بعد ہی ایک غلام صحابیؓ آپ کی ملاقات کے لئے آ گیا۔آپ نے اُن رؤسا کے لڑکوں سے فرمایا کہ ذرا پیچھے ہو جاؤ اور غلام صحابیؓ سے کہا کہ آگے آ کر بیٹھ جاؤ۔اس کے بعد دوسرا غلام صحابیؓ آ گیا تو آپ نے اُن سے پھر کہا کہ اَور پرے ہٹ جاؤ اور اس غلام کو آگے بٹھا لیا۔پھر ایک اَور غلام آ گیا تو پھر آپ نے اُن سے کہا کہ پیچھے ہٹ جاؤ اور اُس غلام کو کہا کہ آگے آ جاؤ۔انہوں نے یہ نظارہ دیکھا تو وہ وہاں سے اٹھے اور باہر چلے گئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ دیکھ لیا تم نے آج عمرؓ نے ہماری کیسی ذلّت کی ہے۔اُن میں سے ایک بڑا سنجیدہ اور سمجھدار نوجوان تھا اُس نے کہا عمرؓ نے ہماری ہتک نہیں کی، ہمارے باپ دادوں نے ہماری ہتک کی

ہے۔ جس وقت ہمارے باپ دادا تلواریں لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون بہانے کے لئے آگے بڑھ رہے تھے اُس وقت اِن غلاموں نے اپنے سینے اُن تلواروں کے آگے کر دیئے اور اپنی جانیں قربان کر کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچالیا۔ آج عمرؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہے اگر وہ اس طرح نہ کرتا تو پھر وہ اس کا خلیفہ بھی نہ رہتا۔ پس جو کچھ اُس نے کیا ہے وہ عین وفا شعاری اور وفاداری کا طریق تھا۔7

پس دیکھ لو کہ خدا تعالیٰ نے کس طرح قرآنی لنگر کو روحانی طور پر بھی اور جسمانی طور پر بھی ظاہر کیا۔ آخر انہوں نے کہا کہ اس ذلّت کا کوئی علاج بھی ہے یا نہیں؟ اُس نے کہا کہ اس کا علاج عمرؓ ہی بتا سکتے ہیں چلو عمرؓ کے پاس چلیں اور اُن سے پوچھیں کہ جو ہو گیا سو ہو گیا، ہمارے باپ دادوں نے شرارتیں کیں اور وہ ختم ہو گئیں، اب ہم ان کو بدل نہیں سکتے مگر آپ ہمیں بتائیں کہ ہم سے اس ذلّت کا داغ کس طرح دور ہو سکتا ہے۔ چنانچہ وہ واپس گئے حضرت عمرؓ اُن کو دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ وہ کیوں آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اے بچو! میں تمہارے باپ دادا کو جانتا ہوں۔ وہ مکہ کے رئیس تھے اور مکہ اُن کے قدموں کے پیچھے چلتا تھا۔ مجھے پتا ہے کہ جو کچھ آج میں نے تمہارے ساتھ سلوک کیا ہے اس سے تمہارے دلوں کو زخم پہنچا ہو گا مگر میں مجبور تھا میرا آقا بھی ان غلاموں کو دوسروں پر فضیلت دیا کرتا تھا اور ان کو آگے بٹھاتا تھا اس لئے میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہو کر اس کی خلاف ورزی کس طرح کر سکتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ یہ سب باتیں درست ہیں ہم تو صرف یہ دریافت کرنے آئے ہیں کہ آخر اس ذلّت کا کوئی علاج بھی ہے یا نہیں؟ ان کا یہ سوال سن کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور آپ نے شام کی طرف ہاتھ اٹھا دیا جس میں اس طرف اشارہ تھا کہ شام چلے جاؤ اور اُس جہاد میں شامل ہو جاؤ جو روم کے بادشاہ کے خلاف مسلمان کر رہے ہیں۔ اس پر وہ لڑکے فوراً اٹھ کر باہر آ گئے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر شام کی

طرف چلے گئے اور تاریخ بتاتی ہے کہ وہ سب کے سب اسلام کی تائید میں لڑتے ہوئے وہیں مارے گئے اور اُن میں سے کوئی بھی زندہ واپس نہ آیا۔8

اب دیکھو قرآن کریم کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے کیسے کیسے دشمنوں کے بیٹے چھین کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے اور آپ کا لنگر جاری کر دیا۔ جس وقت یہ لوگ عیسائیوں کو مارتے ہوں گے تو ہر عیسائی کے مرنے پر جہاں اُن کو فتح نصیب ہوتی تھی وہاں محمدؐ رسول اللہ کا لنگر بھی جاری ہوتا تھا اور آپ کی برکات ساری دنیا پر پھیلتی جاتی تھیں۔

آنحضرت ﷺ کے لنگر کا شاندار منظر

پھر قرآنی لنگر کی ایک اَور مثال سورۃ الذّٰریٰت سے ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس میں کامل مومنوں یعنی اَتباعِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتا ہے کہ وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۔9 یعنی اِن کے مالوں میں ایسے لوگوں کا بھی حق ہے جو مانگ سکتے ہیں اور اُن کا بھی حق ہے جو نہیں مانگ سکتے۔ یعنی یا تو وہ گونگے ہیں یا ان کو مانگتے ہوئے شرم آتی ہے کہ ہمارا اس سے غریب ہونا ظاہر ہوتا ہے اور یا جانور ہیں کہ وہ مانگنے اور بولنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے۔ گویا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لنگر اتنا وسیع ہے کہ سائل اور غیر سائل سب اس سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ بادشاہوں کے لنگر تو ایسے تھے کہ لوگ اُن لنگروں میں جا کر روٹی مانگتے تھے تو پھر انہیں روٹی ملتی تھی اور اگر کوئی پرے کھڑا ہو جاتا تو اس کو کوئی پوچھتا بھی نہیں تھا۔ مگر یہاں محمدؐ رسول اللہ کے لنگر کے متعلق فرماتا ہے کہ آپؐ کے متبعین کے ذریعہ سے جو لنگر جاری کیا گیا ہے اُس میں اُن لوگوں کا بھی حق رکھا گیا ہے جو کہ بول سکتے ہیں اور اُن لوگوں کا بھی حق رکھا گیا ہے جو بول نہیں سکتے۔ یعنی بولنے سے بالکل محروم ہیں یا شرم کے مارے نہیں بولتے کہ ہماری کمزوری اور غربت لوگوں پر ظاہر ہو گی۔ اور جانوروں کا بھی حق رکھا گیا ہے۔ اب دیکھو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لنگر

کتنا وسیع ہے اور بادشاہوں کا لنگر کتنا محدود ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اور آپ کے تمام اتباع کے اموال میں خدا تعالیٰ نے سائل اور محروم سب کا حق رکھا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مسلمان آجکل اپنی عملی کمزوری کی وجہ سے اس آیت پر عمل نہ کریں مگر قرآن نے اس کی ہدایت دے دی ہے اور جو سچا مسلمان ہوگا وہ ضرور اس پر عمل کرے گا۔ جھوٹے کا تو سوال ہی نہیں، جھوٹا تو خود ہی اپنی عاقبت خراب کرتا ہے۔

منشی اروڑے خان صاحب کے اخلاص کی ایک درد انگیز مثال

مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد ایک دن میاں اروڑے خان صاحب جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بہت ہی مقرب صحابی تھے اور نائب تحصیلدار تھے قادیان آئے۔ اُس زمانہ میں آپ کپورتھلہ میں تھے اور تنخواہیں بہت کم ملا کرتی تھیں۔ شروع میں نائب تحصیلدار کی پندرہ روپے تنخواہ ہوتی تھی مگر اس کے باوجود وہ ہمیشہ ہر اتوار کو قادیان آتے اور روپیہ دو روپے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نذرانہ دیتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد جب وہ آئے تو اُس وقت وہ تحصیلدار ہو چکے تھے اور تنخواہیں بھی زیادہ ہوگئی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ تین یا چار اشرفیاں انہوں نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھیں۔ انہوں نے وہ اشرفیاں میرے ہاتھ پر رکھیں اور پھر چیخیں مار کر رونے لگ گئے۔ میں حیران ہؤا کہ یہ روتے کیوں ہیں۔ مگر جب روتے روتے ذرا ہوش آئی تو کہنے لگے کہ

''ساری عمر خواہش رہی کہ میں اونہاں دے ہتھ وچ سوناں رکھاں پر کدی توفیق نہ ملی۔ جدوں کچھ پیسے جمع ہوندے سن میں پیدل چل کے کپورتھلہ توں اونہاں نوں ویکھن آ جاندا ساں۔ یاں ریل وچ آندا ساں تاں کرایہ لگدا سی۔ پر جدوں سونا مِلیا ہے تے اوہ ہُن نہیں . . . .''

اُن کا یہ فقرہ ایسا دردناک تھا کہ مجھ پر بھی رقت آ گئی۔ میں نے اُن کو چپ کرانے کیلئے انہیں تسلّی دینے کی کوشش کی مگر اُن کی جو مذبوح حرکت تھی اُس کو دیکھتے ہوئے درحقیقت میری کوشش بالکل بے کار اور بے سُود تھی۔ یہ فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ کا ایک نظارہ تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اُن لوگوں میں سے تھے جو لوگوں سے مانگتے نہیں تھے اور ایسے لوگ بھی محروم ہی ہوتے ہیں۔ مگر انہیں ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں نذرانہ پیش کریں اور خواہش بھی یہ تھی کہ سونا دیں مگر کہنے لگے۔

''جدوں جیندے سَن تے سونا نہیں ہتھ آیا۔ سونا ہتھ آیا تے اوہ ہن نہیں۔ ہُن میں کی کراں۔''

یعنی جب آپؑ زندہ تھے تو مجھے سونا میسر نہ آیا اور جب سونا ملا تو آپؑ فوت ہو چکے ہیں۔ اب میں کروں تو کیا کروں۔

جانوروں کے لئے رحمت

پھر میں نے بتایا ہے کہ یہ لنگر انسانوں سے لے کر جانوروں تک کے کام آتا ہے۔ بادشاہی لنگر تو بمشکل انسانوں کو کھانا دے سکتے ہیں مگر یہ لنگر انسانوں اور پرندوں سب کو نفع پہنچا رہا ہے اور قیامت تک نفع پہنچائے گا۔ قیامت تک نفع پہنچانے کی ایک مثال یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ دیکھا کہ کسی صحابیؓ نے فاختہ کا ایک بچہ پکڑ لیا ہے اور وہ فاختہ بیقراری سے اِدھر اُدھر اُڑ رہی ہے۔ آپؐ نے اُسے فرمایا یاد رکھو! کبھی کسی جانور کو اُس کے بچہ کے ذریعہ سے دکھ نہ دو۔ جس طرح انسان کی ماں کو دکھ پہنچتا ہے اُسی طرح جانور کی ماں کو بھی دکھ پہنچتا ہے۔ پس کسی جانور کو اُس کے بچے کی وجہ سے دکھ نہ دو۔10 تو دیکھو وہ جو حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ فرمایا تھا خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی تصدیق کر دی اور قیامت تک کے لئے حکم دے دیا کہ جانوروں سے بھی حسنِ سلوک کرو۔ اب جو اس کی خلاف ورزی کرے گا وہ محمدؐ رسول اللہ

کا مخالف ہو کر کرے گا۔ ورنہ محمدؐ رسول اللہ کا کامل متبع کبھی ایسا نہیں کرے گا کہ کسی فاختہ یا کبوتر کا انڈہ یا بچہ لے کر چلا جائے اور وہ پرندہ تڑپتا پھرے کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی بچے کے ذریعہ سے اُس کی ماں کو دکھ نہ پہنچاؤ، اب یہ قیامت تک کیلئے احسان ہے۔ کیونکہ محمد رسول اللہ کی امت کے متعلق خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ وہ قیامت تک زندہ رہے گی۔ اور جب وہ قیامت تک زندہ رہے گی تو جانوروں پر احسان یا شرم وحیا کی وجہ سے سوال نہ کرنے والوں پر جو احسان کرنے کا حکم ہے یہ بھی قیامت تک چلے گا۔ غرض دنیا کے بادشاہوں کے لنگر تو ختم ہو گئے۔ کوئی دوسو سال تک رہا، کوئی سو سال رہا، کوئی پچاس سال رہا، کوئی بیس سال رہا مگر محمدؐ رسول اللہ کا لنگر ساڑھے تیرہ سو سال سے چل رہا ہے اور قرآن کہتا ہے کہ قیامت تک چلے گا پس اس لنگر کی مثال دنیا میں اور کہیں نہیں مل سکتی۔

مسیح موعودؑ کا لنگر بھی ہمیشہ جاری رہے گا

اسی طرح سورۃ الکوثر میں جس لنگر کی خبر دی گئی تھی اُس میں کوثر سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل متبع مسیح موعود مراد تھا۔ چنانچہ اس کا لنگر دیکھ لو آج تک جاری ہے۔ اس جلسہ پر آنے والے بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں اور سارا سال بھی لنگر جاری رہتا ہے۔ پس مبارک ہو کہ آپ سب لوگوں کو اس موعود لنگر سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا ہے۔ مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت میں جب پرانے صحابی آیا کرتے تھے تو لنگر سے روٹیاں لے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ان میں بڑی برکت ہے ہم تو سارا سال کوئی بیماری ہو اپنے بچوں اور بیویوں کو یہی روٹیاں پانی میں گھول کر پلا دیتے ہیں اور وہ بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔ اگر احمدی اپنے ایمان پر قائم رہے تو یہ لنگر بھی ہمیشہ قائم رہے گا اور کبھی نہیں مٹے گا کیونکہ اس کی بنیاد خدا کے مسیح موعودؑ نے قائم کی ہے جس کو خدا تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے

کہ تین سو سال کے اندر تیری جماعت ساری دنیا پر غالب آ جائے گی 11 اور تین سو سال میں یہ لنگر ربوہ میں نہیں رہے گا بلکہ تین سو سال کے بعد ایک لنگر امریکہ میں بھی ہو گا، ایک انڈیا میں بھی ہو گا، ایک جرمنی میں بھی ہوگا، ایک روس میں بھی ہوگا، ایک چین میں بھی ہوگا، ایک انڈونیشیا میں بھی ہوگا، ایک سیلون میں بھی ہو گا، ایک برما میں بھی ہو گا، ایک شام میں بھی ہوگا، ایک لبنان میں بھی ہو گا، ایک ہالینڈ میں بھی ہوگا، غرض دنیا کے ہر بڑے ملک میں یہ لنگر ہوگا۔

محمدؐ رسول اللہ کی برکت سے عربوں اور سیدوں کا اعزاز

قرآنی لنگر کی ایک اور مثال پاکستانیوں اور ہندوستانیوں کے سامنے ہر سال آتی رہتی ہے اور وہ اس طرح کہ عرب جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وطن تھا وہاں سے سینکڑوں لوگ پاکستان یا ہندوستان آئے ہیں اور مسلمان صرف اُن کے عرب ہونے کی وجہ سے اُن کی خوب خاطریں کرتے اور کھانے کھلاتے ہیں۔ یہ بھی محمدی لنگر ہے جو آج تک آپؐ کی قوم کے لئے جاری چلا آ رہا ہے اور سارا سال کھلا رہتا ہے۔ بیشک یہ لنگر لوگوں کے گھروں میں کھلتا ہے مگر کھلتا محمدؐ رسول اللہ کی وجہ سے ہے۔ آخر عربوں کو جو لوگ عزت دیتے ہیں کیوں دیتے ہیں؟ ہمیں تو یاد ہے کہ پرانے زمانہ میں عرب اور سیّد یہ دونوں اپنے عرب اور سیّد ہونے پر بڑا فخر کیا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے ایک دن حضرت اماں جان چارپائی پر بیٹھی تھیں کہ ایک سیّدانی مانگنے کو آ گئی اور کہنے لگی میں سیّدانی ہوں میری مدد کرو۔ پھر کہنے لگی مجھے پیاس لگی ہے کسی کو کہو کہ مجھے پانی پلا دے۔ آپ نے کسی خادمہ کو کہا کہ اِسے پانی پلا دو۔ اُس نے کٹورہ لیا اور کھنگال کے پانی بھر کے دے دیا۔ وہ بڑے غصہ سے کٹورہ پھینک کر کہنے لگی ''تینوں نہیں پتا میں سیّدانی ہوں۔ سیّدانی نوں امتی دے کٹورے وچہ پانی پلانی ایں۔'' خیر اُس نوکرانی نے ہنس کر کہا کہ ''ایہہ امتی نہیں ایہہ بھی سیّدانی ہیں۔'' اب یہ سیّد کی عزت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ہی تھی ورنہ انہیں کون پوچھتا تھا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لنگر تھا کہ

جس نے آپؐ سے تعلق قائم کیا وہ معزز ہوگیا۔ دیکھ لو حضرت امام حسنؓ اور حسینؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے تھے۔ حضرت امام حسینؓ کوفہ کے پاس جنگ میں مارے گئے تو زیاد نے حکم دیا کہ ان کا سر کاٹ کر یزید کے پاس بھیجا جائے۔ اُس نے سمجھا کہ مجھے انعام ملے گا۔ جب یزید کے دربار میں اُن کا سر گیا تو یزید کے دل میں جیسا کہ اُس کی بعض باتوں سے پتا لگتا ہے اہلِ بیت کا کچھ نہ کچھ ادب تھا مگر اُس وقت اپنی فاتحانہ شان کو دیکھ کر کہ میری فوجیں فاتح ہوئی ہیں اُس نے سوٹی لمبی کی اور اُن کے دانتوں پر دو تین دفعہ ماری۔ مرنے کے بعد عام طور پر انسان کے ہونٹ کھنچ جاتے ہیں۔ اُس وقت ایک صحابیؓ بھی اُس مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے وہ غصہ سے کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے ''او بے شرم! ہٹا لے اپنی سوٹی۔ میں نے محمدؐ رسول اللہ کو ان ہونٹوں پر بوسہ دیتے دیکھا ہے اور جن ہونٹوں کو محمدؐ رسول اللہ نے بوسہ دیا تھا تیرے جیسے خبیث کی کیا حیثیت ہے کہ اس کو سوٹی مارے۔''12 پھر دیکھ لو خدا تعالیٰ نے اِس کا کس طرح انتقام لیا۔''

(سیر روحانی جلد سوم صفحہ 114 تا 127 ناشر الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ)

1: الکوثر: 2 تا 4

2: السیرۃ النبویۃ لابن ھشام الجزء الاوّل صفحہ 339، 340 زیر عنوان ''اسلام حمزۃ'' مطبوعہ دمشق 2005ء

3، 4: السیرۃ النبویۃ لابن ھشام الجزء الاوّل صفحہ 440 تا 442 زیر عنوان ''امر الاراشی الذی باع اباجھل ابلہ'' مطبوعہ دمشق 2005ء

5: السیرۃ الحلبیۃ الجزء الثالث صفحہ 198 مطبوعہ بیروت 2012ء میں حبشہ کی بجائے یمن جانے کا ذکر ملتا ہے۔

6: تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 91، 92 مطبوعہ بیروت 2012ء

7، 8: اسد الغابۃ جلد 2 صفحہ 364 زیر عنوان ''سھیل بن عمرو'' مطبوعہ بیروت 2006ء

9: الذّٰریٰت: 20

10:ابو داؤد کتاب الجهاد باب فی کراهیةحرق العدو بالنار صفحہ 386 حدیث نمبر 2675 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الاولٰی

11: تذکرۃ الشہادتین، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 66، 67 ایڈیشن 2008ء

12:الکامل فی التاریخ لابن اثیر جلد 4 صفحہ 45 مطبوعہ بیروت 2009ء (مفہوماً)

صحابہ رسول ﷺ کی بے مثال قربانیاں

حضرت مصلح موعود نے 10 جنوری 1958ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

''صحابہؓ کو دیکھ لو وہ تلواروں سے لڑتے تھے اور میدانِ جنگ میں ان کی گردنیں کٹتی تھیں مگر وہ اس سے ذرا بھی نہیں گھبراتے تھے۔ جنگِ اُحد کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کے متعلق ہدایت فرمائی کہ اُسے تلاش کرو وہ کہاں ہے۔ صحابہؓ نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی لاش دوسری لاشوں کے نیچے کہیں دبی پڑی ہے اس لیے وہ کہیں ملی نہیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور پھر تلاش کرو۔ چنانچہ بہت تلاش کے بعد وہ صحابی ملے۔ وہ زخمی تھے اور پیٹ پھٹا ہوا تھا۔ تلاش کرنے والے صحابی نے کہا اپنے رشتہ داروں کو کوئی پیغام پہنچانا ہے تو دے دو ہم پہنچا دیں گے۔ وہ کہنے لگے اَور تو کوئی پیغام نہیں میرے عزیزوں تک صرف اِتنا پیغام پہنچا دینا کہ جب تک ہم زندہ رہے ہم نے اپنی جانیں قربان کر کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی۔ اب یہ فرض تم پر ہے۔ اور میری آخری خواہش یہ ہے کہ میرے خاندان کے سارے افراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے ہوئے اپنی جانیں قربان کر دیں۔ اگر تم ایسا کرو تو میری یہ موت خوشی کی موت ہوگی1۔''

(الفضل 16 جنوری 1958ء صفحہ 3، 4)

1: السیرۃ النبویۃ لابن ھشام الجزء الثانی صفحہ 875 زیرعنوان ''امر القتلٰی بأحد'' مطبوعہ دمشق 2005ء

آنحضرت ﷺ کی آخری بیماری اور نماز کی تڑپ

حضرت مصلح موعود نے 21 مارچ 1958ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو آپؐ کا دماغ کام کر رہا تھا لیکن جسم کمزور ہو چکا تھا۔ آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو مسجد میں پیغام بھیجا کہ نماز پڑھا دیں۔ پہلے آپؐ بیماری میں بھی باہر آتے رہتے تھے۔ اس لیے جب صحابہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھتا دیکھا تو انہوں نے خیال کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ تکلیف ہے۔ ایک دن آپ آہستہ آہستہ اُس کھڑکی تک آئے جو مسجد میں کھلتی تھی تا کہ آپ اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کو دیکھ سکیں۔ جب آپ نے پردہ اُٹھا کر مسجد میں جھانکا تو صحابہؓ نے خیال کیا کہ شاید آپؐ نماز پڑھانے کے لیے تشریف لا رہے ہیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑکی کا پردہ گرا دیا اور چارپائی پر جا کر لیٹ گئے۔ اس کے بعد پھر آپ کو اُٹھنا نصیب نہیں ہوا یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی[1]۔

تو دیکھو آپ کا دماغ وفات تک کام کر رہا تھا مگر آپ کی فعّال زندگی اُس وقت تک ہی رہی جب آپ نے آخری حج کیا۔ حجۃ الوداع تک آپؐ کو فعّال زندگی ملی مگر اس کے بعد آپؐ کو فعّال زندگی نصیب نہیں ہوئی۔ ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ آپ کی وفات نمونیا (PNEUMONIA) سے ہوئی ہے۔ تو دیکھو آپ کا دماغ بیماری کی حالت میں بھی کام کر رہا تھا۔ اس لیے آپ کمرہ سے باہر آ گئے اور کھڑکی کا پردہ اُٹھا کر مسجد کے اندر جھانکا مگر جب آپ نے دیکھا کہ لوگ آپؐ کے لیے بیتاب ہو رہے ہیں

تو آپ نے خیال فرمایا کہ مجھے دیکھ کر ان کو اَور صدمہ ہوگا اس لیے آپ اندر تشریف لے گئے اور واپس جا کر چارپائی پر لیٹ گئے۔ بعد میں آپ کو چارپائی سے اُٹھنے کی توفیق نصیب نہیں ہوئی۔ آپ بیماری میں بات بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ہاں! اشاروں سے کام لے سکتے تھے۔ اِس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا دماغ اُس وقت تک کام کر رہا تھا۔ چنانچہ حدیثوں میں آتا ہے کہ حضرت عبدالرحمان بن ابی بکرؓ ایک دن مسواک لیے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ کر ایسا اشارہ کیا جس سے حضرت عائشہؓ نے سمجھا کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے مسواک لی۔ پھر آپ نے اشارہ کیا کہ میرے دانت چبا نہیں سکتے تم اپنے دانتوں سے چبا کر دو۔ چنانچہ انہوں نے مسواک چبا کر آپ کی خدمت میں پیش کی2۔

غرض وفات تک آپ کا دماغ کام کرتا رہا مگر آپ کی فعّال زندگی کا ثبوت جس میں آپ کے ہاتھ اور پاؤں بھی کام کرتے رہے حجۃ الوداع تک ملتا ہے۔ آپ خود سب لوگوں کو ساتھ لے کر گئے اور انہیں حج کروایا۔ بلکہ ایک موقع پر ایسا ہوا کہ آپ کی سواری نے ٹھوکر کھائی اور آپ گر گئے اور مستورات بھی جو آپ کے ساتھ سوار تھیں گر گئیں۔ ایک انصاریؓ نے اونٹ پر سے چھلانگ لگا دی اور وہ آپ کی طرف دوڑے اور کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں! خدا تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے! آپ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو۔ عورتیں کمزور ہوتی ہیں اُن کی طرف جاؤ اور اُن کو اُٹھانے کی کوشش کرو3۔ یہ فعّال زندگی تھی جس میں آپ سمجھتے تھے کہ گو میں گر گیا ہوں مگر اب بھی میں طاقت رکھتا ہوں کہ کھڑا ہو جاؤں۔ ضرورت عورتوں کی مدد کی ہے جو آپ کھڑی نہیں ہو سکتیں۔'' (الفضل یکم اپریل 1958ء صفحہ 3، 4)

1: بخاری کتاب الاذان باب اهل العلم والفضل احق بالامامة صفحہ 111 حدیث نمبر 681 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

2:بخاری کتاب المغازی باب مرض النبی ﷺ وَوَفَاتِهٖ صفحہ 756 حدیث نمبر 4449 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

3:بخاری کتاب الجهاد والسير باب ما يقول اذا رجع من الغزو صفحہ 510 حدیث نمبر 3085 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

رسول کریم ﷺ اللہ کے شکر گزار بندے

حضرت مصلح موعود نے 28 مارچ 1958ء کے خطبہ جمعہ کے دوران فرمایا:۔

’’رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام نیک کام کرنے والوں کے سردار تھے آپ نے ایک دفعہ زیادہ شدت کی عبادت کی تو آپ کی ایک بیوی نے پوچھا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! آپ کو اِس قدر عبادت کی کیا ضرورت ہے۔ آپ کے تو سب اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا میں اُس خدا کا شکریہ ادا نہ کروں جس نے مجھے معاف کیا ہے۔ اُس نے تو مجھے اپنے فضل سے معاف کر دیا لیکن میرا بھی تو یہ کام ہے کہ اُس کا شکریہ ادا کروں اور اُس کے احکام کی زیادہ سے زیادہ فرمانبرداری کروں1۔ یہ گویا توکّل کی ایک تشریح تھی جو آپ نے فرمائی۔ اِسی طرح ایک دوسرے موقع پر آپ نے فرمایا کہ میں بھی اپنے اعمال سے نہیں بخشا جاؤں گا بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے بخشا جاؤں گا2 اِسی کا نام توکّل ہے۔ یعنی انسان یہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ بھی کرنا ہے خدا نے ہی کرنا ہے اس لیے مجھے اپنا سارا کام اُسی کے سپرد کر دینا چاہیے۔‘‘ (الفضل 12 اپریل 1958ء صفحہ 2)

1: بخاری کتاب التفسیر. تفسیر سورۃ الفتح باب قولہ لِیغفرلک اللّٰہ ما تقدم صفحہ 856 حدیث نمبر 4837 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعۃ الثانیۃ

2: بخاری کتاب الرقاق باب القصد والمداومۃ علی العمل صفحہ 1121 حدیث نمبر 6463 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعۃ الثانیۃ

آنحضور ﷺ کا صبر اور حضرت حمزہؓ کا قبول اسلام

حضرت مصلح موعود نے 18 اپریل 1958ء کو لاہور میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے کی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اُن تکالیف کو دیکھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی جا رہی تھیں اور پھر اُس سنجیدگی کو دیکھا جس سے آپ اُن کو برداشت کرتے جا رہے تھے اور اِس طرف بھی اُن کو ایک غلام اور جاہل عورت نے متوجہ کیا۔ آپ نے کوئی دلائل نہیں سنے کہ کوئی خدا ہے یا نہیں، اور کوئی الہام نازل ہوتا ہے یا نہیں، صرف اِس بات کو دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سنجیدگی کے ساتھ اپنی بات پر قائم ہیں اور سمجھتے ہیں کہ دنیا کا غم مجھ ہی کو ہے۔ اِس چیز نے اُن کا دل بدل دیا اور وہ ایمان لے آئے۔ احادیث میں آتا ہے کہ حضرت حمزہؓ ایک دن شکار کے لیے باہر گئے ہوئے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوجہل نے مارا اور گالیاں بھی دیں۔ آپؐ اُس وقت پتھر کی ایک چٹان پر بیٹھے کچھ سوچ رہے تھے کہ ابوجہل آگے بڑھا اور اُس نے آپ کو گالیاں دینی شروع کر دیں اور پھر زور سے ایک تھپڑ آپ کے منہ پر مار دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے کچھ نہیں کہا۔ آپ خاموشی سے اُٹھے اور گھر تشریف لے گئے۔ حضرت حمزہؓ کی ایک لونڈی یہ نظارہ دیکھ رہی تھی۔ وہ عورت ذات تھی خود تو کچھ نہ کر سکتی تھی منہ میں بڑبڑاتی ہوئی رہ گئی اور شام تک غصہ میں بھری رہی۔ شام کو حضرت حمزہؓ کمان اور ترکش لٹکائے ہوئے گھر آئے، ہاتھ میں شکار پکڑا ہوا تھا اور اِس انداز سے چلے آ رہے تھے کہ گویا کوئی بڑا کارنامہ

سرانجام دے کر آئے ہیں۔ جب گھر کے اندر داخل ہوئے تو وہ لونڈی جو مسلمان نہ تھی مگر اِس قربانی کا نظارہ دیکھ چکی تھی کہ لوگ مارتے ہیں صرف اِس وجہ سے کہ آپ خدا کا نام لیتے ہیں اُس نے حضرت حمزہؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ بڑے سپاہی بنے پھرتے ہو کیا کام کر کے آئے ہو؟ تمہارے بھتیجے کو آج ابوجہل نے مارا صرف اس وجہ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نام لیتا تھا۔ تم کس برتے پر بہادر بنے پھرتے ہو؟ حضرت حمزہؓ نے شکار کے شوق میں کبھی یہ نظارہ دیکھا ہی نہ تھا کہ مکہ میں کیا فساد برپا ہے۔ آپ نے لونڈی سے پوچھا کہ کیا ہوا؟ اُس نے کہا کہ اِس طرح وہ اکیلا بیٹھا ہوا تھا کہ ابوجہل نے اُسے مارا۔ یہ سُن کر آپ نے شکار کا سامان نہیں اُتارا اُسی طرح کمان ہاتھ میں پکڑے گئے اور جا کر وہی کمان ابوجہل کے منہ پر ماری اور کہا کہ بڑے بہادر بنے پھرتے ہو! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مارتے ہو! اگر جرأت ہے تو آؤ مجھے مارو۔ یہ دیکھ کر لوگ اُٹھے کہ ہیں ہیں یہ کیا؟ وہ تو دین میں تغیر کرتا ہے۔ اِس پر حضرت حمزہؓ نے کہا کہ اچھا! اگر وہ دین میں تغیر کرتا ہے تو سُن رکھو کہ میرا بھی وہی دین ہے۔ آؤ! اگر لڑنا چاہتے ہو تو مجھ سے لڑ لو[1]۔

تو یہ سنجیدگی ہی تھی جس کا یہ اثر تھا اور خشیت تھی جو لونڈی نے پیدا کر دی تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ آخر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قصور کیا ہے۔ وہ کسی کی زمین پر قبضہ نہیں کرتے، کسی کا مال نہیں چھینتے، کسی شخص کو اُس کے کسی حق سے محروم نہیں کرتے صرف خدا کا نام لیتے ہیں اور یہ لوگ محض اِس غرور میں کہ یہ طاقتور ہیں آپ کو مارتے ہیں۔ اُن کے اِس مارنے نے حضرت حمزہؓ کی شرافت کو گھائل کر دیا اور انہوں نے کہا کہ اگر انسانیت اِس قدر گر گئی ہے تو جو شخص خدا تعالیٰ کے لیے تکلیف اُٹھا رہا ہے یقیناً وہی سچا ہے اور میں بھی اُس کے ساتھ ہوں۔ انہوں نے کوئی دلیل نہیں سنی، کوئی مسائل نہیں سمجھے۔ اِس سے قبل وہ خدا تعالیٰ کی توحید کے دلائل بھی سنتے ہوں گے اور نبوت کے ثبوت بھی مگر ایک کان سے سُن کر دوسرے کان سے نکال دیتے ہوں گے۔ وہ فرشتوں

کا ذکر بھی سنتے ہوں گے اور قیامت کا بھی مگر کسی کی پروا اُن کو نہ تھی اور نہ اُن میں سے کوئی چیز اُن پر اَثر انداز ہوتی تھی۔ مگر جب اُن کو یہ خیال ہوا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم تو معلوم نہیں اچھی ہے یا بُری۔ مگر وہ سنجیدگی سے اس پر قائم ہیں اور دنیا کی مخالفت کی اُن کو کوئی پروا نہیں تو حمزہؓ کی شرافت نے جوش مارا اور انہوں نے کہا کہ یہ شخص اصول کے لیے قربانی کر رہا ہے اور بے ضرر ہونے کے باوجود دنیا کی مخالفت کا شکار بنا ہوا ہے۔ اس کے پاس ضرور کوئی ایسی چیز ہے جس سے دنیا ڈرتی ہے اور وہ ہدایت کی طرف آ گئے۔ اِسی طرح ہزاروں لاکھوں انسان ایسے ہوں گے جن کی شرافتِ طبعی اُن کو اسلام کی طرف لے آئی۔ انہوں نے دیکھا کہ علماء جب دلائل سے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو پھر دُکھ دینے لگتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں آپ کی قربانی کو دیکھ کر وہ اسلام کی صداقت کے قائل ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں یہ بات رکھی ہے کہ سنجیدگی سے وہ ضرور متأثر ہوتا ہے۔ اور جب کوئی شخص سنجیدگی سے کسی بات پر قائم ہو جائے تو لوگ ضرور اُس کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ لیکن اگر کہا کچھ جائے اور کیا کچھ جائے تو پھر کوئی پروا نہیں کرتا۔''

(الفضل 18 مئی 1960ء صفحہ 4، 5)

1: السیرۃ النبویۃ لابن ھشام الجزء الاوّل صفحہ 339، 340 زیر عنوان ''اسلام حمزۃ'' مطبوعہ دمشق 2005ء

فتح مکہ اور آنحضور ﷺ کا خلق عظیم

حضرت مصلح موعود نے 25 اپریل 1958ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

''دیکھ لو اسلام پر ایک ایسا زمانہ بھی آیا تھا جبکہ منافق مسلمانوں سے کہتے تھے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جاؤ، اب تمہاری خیر نہیں۔ احادیث میں آتا ہے کہ منافق کھلے بندوں کہتے پھرتے تھے کہ اب تو مسلمان عورتوں کو باہر پاخانہ پھرنے کو بھی جگہ نہیں ملتی اور یہ لوگ مکہ فتح کرنے کے دعوے کرتے ہیں[1] مگر دیکھ لو ابھی چند سال بھی نہیں گزرے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار صحابہؓ کے ساتھ مکہ میں داخل ہو گئے۔ اُس وقت مکہ والے ایسے گھبرائے ہوئے تھے کہ انہوں نے فتح مکہ سے چند دن پہلے ابوسفیان کو مدینہ بھیجا تا کہ صلح حدیبیہ والے معاہدہ کی ابتدا اُس دن سے شمار کی جائے جب ابوسفیان اس کی توثیق کر دے اور وہ مسلمانوں کو مکہ پر حملہ کرنے سے باز رکھے۔ ان لوگوں کو یہ تشویش اس لیے پیدا ہوئی کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر یہ فیصلہ ہوا تھا کہ عرب قبائل میں سے جو چاہیں مکہ والوں سے مل جائیں اور جو چاہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل جائیں اور یہ کہ دس سال تک دونوں فریق کو ایک دوسرے کے خلاف لڑنے کی اجازت نہیں ہوگی سوائے اِس کے کہ ایک فریق دوسرے فریق پر حملہ کر کے معاہدہ کو توڑ دے۔ اس معاہدہ کے ماتحت عرب کا قبیلہ بنوبکر مکہ والوں کے ساتھ مل گیا تھا اور خزاعہ قبیلہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل گیا تھا۔ صلح حدیبیہ پر کچھ عرصہ گزرنے کے بعد بنوبکر نے قریشِ مکہ کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے معاہد قبیلہ خزاعہ پر حملہ کر دیا اور اُن کے کئی آدمی مار ڈالے۔ وہ

جانتے تھے کہ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس واقعہ کا علم ہوا اور آپ کو اس کا یقیناً علم ہو گا تو آپ معاہدہ کی حرمت کو قائم رکھنے کی خاطر مکہ والوں پر حملہ کر دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے چاہا کہ پیشتر اِس کے کہ مدینہ میں اس معاہدہ شکنی کی خبر پہنچے ابوسفیان وہاں جائے اور اس بارے میں کوشش کرے۔ مگر پیشتر اِس کے کہ قریشِ مکہ کی اس عہد شکنی کی مدینہ میں اطلاع پہنچتی حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات تہجد کے وقت جب وضو کرنے کے لیے اُٹھے تو میں نے سنا کہ آپ بلند آواز سے فرما رہے ہیں لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ اور پھر آپ نے تین دفعہ فرمایا نُصِرْتَ نُصِرْتَ نُصِرْتَ۔ میں نے کہا یارسول اللہ! آپ نے کیا فقرات فرمائے ہیں؟ یہ تو ایسے الفاظ ہیں جیسے آپ کسی شخص سے گفتگو فرما رہے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ابھی دیکھا ہے کہ خزاعہ کا ایک وفد میرے پاس آیا ہے اور اُس نے کہا ہے کہ قریش نے بنوبکر کے ساتھ مل کر اُن پر حملہ کر دیا ہے آپ معاہدہ کے مطابق ہماری مدد کریں اور میں نے کہا کہ میں تمہاری مدد کے لیے تیار ہوں2۔

چنانچہ تیسرے دن اس قبیلہ کے نمائندے مدینہ پہنچ گئے اور انہوں نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ بعد میں ابوسفیان آیا اور اس نے کہنا شروع کر دیا کہ چونکہ صلح حدیبیہ کے وقت میں موجود نہیں تھا اس لیے وہ کوئی معاہدہ نہیں تھا۔ اب میں نئے سرے سے معاہدہ کرنا چاہتا ہوں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ آخر اُس نے بیوقوفی سے خود ہی مسجد میں جا کر یہ اعلان کر دیا کہ چونکہ میں اِس معاہدہ میں شامل نہیں تھا اور میں مکہ کا رئیس ہوں اس لیے وہ معاہدہ درست نہیں ہوسکتا۔ اب میں نئے سرے سے معاہدہ کرتا ہوں۔ یہ بات سن کر مسلمان اُس کی بیوقوفی پر ہنس پڑے اور وہ سخت شرمندہ ہوا۔ بعد میں ابوسفیان نے کہا کہ مجھ سے حضرت علیؓ نے کہا تھا کہ تم مسجد میں جا کر اِس قسم کا اعلان کر دو۔ خدا تعالیٰ بنوہاشم کا بُرا کرے انہوں نے مجھے ذلیل کیا ہے۔ چونکہ بنوہاشم اور بنوامیہ دونوں خاندانوں میں

دیر سے رقابت چلی آتی تھی اس لیے ابوسفیان نے خیال کیا کہ حضرت علیؓ نے اس مخالفت کی وجہ سے مجھے یہاں مسلمانوں کے سامنے ذلیل کیا ہے لیکن یہ بیان صرف ابوسفیان کا ہے جو اُس وقت کافر تھا۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ اِس پر یقین کیا جائے۔ اس کے بعد ابوسفیان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی طرف آیا۔ اُس کی ایک بیٹی حضرت اُمِ حبیبہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیاہی ہوئی تھیں۔ وہاں ایک گدّا بچھا ہوا تھا۔ وہ اُس پر بیٹھنے لگا تو حضرت اُمِّ حبیبہ نے وہ گدّا اُس کے نیچے سے کھینچ لیا۔ ابوسفیان نے کہا بیٹی! میں اس گدّا کے قابل نہیں ہوں یا یہ گدّا میرے قابل نہیں ہے؟ اُس نے یہ خیال کیا کہ چونکہ میں بڑا آدمی ہوں اس لیے شاید میری بیٹی نے میرے اعزاز کی وجہ سے یہ گدّا اُٹھا لیا ہے۔ حضرت اُمِّ حبیبہ نے کہا اے میرے باپ! معاف کرنا تم میرے باپ ہو اور ادب کی جگہ ہو مگر اس گدّا پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے ہیں اور تم ایک مشرک اور ناپاک شخص ہو سو میں اس گدّا پر جس پر خدا تعالیٰ کا رسول نماز پڑھا کرتا ہے خدا تعالیٰ کے دشمن کو بیٹھنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ ابوسفیان جھٹ اُٹھ کھڑا ہوا اور اس نے کہا میری بیٹی! تُو تو میرے بعد بہت بگڑ گئی ہے۔ اس کے بعد ابوسفیان مکہ والوں کو اپنی ناکامی کی خبر دینے کے لیے واپس لَوٹا اور اِدھر اسلامی لشکر جو دس ہزار کی تعداد میں تھا مدینہ سے روانہ ہو کر مکہ کے قریب خیمہ زن ہو گیا۔ مکہ والے چونکہ بہت زیادہ خوف زدہ تھے انہوں نے ابوسفیان کو پھر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ دوبارہ مسلمانوں کے پاس جائے اور انہیں جنگ سے باز رکھے مگر مکہ سے تھوڑی دور نکلنے پر ہی ابوسفیان نے رات کے وقت جنگل کو آگ سے روشن پایا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا تھا کہ ہر خیمہ کے آگے آگ روشن کی جائے۔ ابوسفیان نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ فلاں قبیلہ کے لوگ ہیں۔ ابوسفیان کہنے لگا اُس قبیلہ کے لوگ تو بہت تھوڑے ہیں اور اِن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ یہ وہ نہیں ہو سکتے۔ ساتھیوں نے پھر کہا

یہ فلاں قبیلے کے لوگ ہوں گے۔ ابوسفیان نے کہا میں جانتا ہوں کہ اس قبیلہ کے لوگ بھی تھوڑے ہیں۔ یہ ان سے بہت زیادہ ہیں۔ ابھی وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اندھیرے میں سے آواز آئی۔ ابوحنظلہ (یہ ابوسفیان کی کنیت تھی)۔ ابوسفیان نے آواز پہچان کر کہا عباس! تم یہاں کہاں؟ انہوں نے جواب دیا سامنے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر پڑا ہے۔ ابوسفیان گھبرایا اور اپنی سواری پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے خیال کیا کہ اب میری شامت آ گئی ہے کیونکہ میں نے ساری عمر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دُکھ دیا ہے۔ حضرت عباسؓ جو ابوسفیان کے گہرے دوست تھے اور پہرہ پر مقرر تھے انہوں نے کہا کم بخت! جلدی سے میرے پیچھے سواری پر بیٹھ جا۔ ورنہ عمرؓ میرے پیچھے آ رہا ہے وہ تیری خبر لے گا۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کا ہاتھ پکڑا اور کھینچ کر اپنے پیچھے بٹھا لیا اور گھوڑا دوڑاتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا پہنچے۔ وہاں پہنچتے پہنچتے ابوسفیان مبہوت سا ہو چکا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ حالت دیکھی تو حضرت عباسؓ سے فرمایا عباس! تم ابوسفیان کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور رات کو اپنے پاس رکھو۔ صبح میرے پاس لانا۔ چنانچہ ابوسفیان ساری رات حضرت عباسؓ کے پاس رہا۔ جب صبح اُسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تو فجر کی نماز کا وقت تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے اور دس ہزار کا لشکر پیچھے صف باندھے کھڑا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب رکوع کے لیے اپنا سر جھکایا تو دس ہزار مسلمان آپ کی اتباع میں نیچے جھک گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے کھڑے ہوئے تو دس ہزار مسلمان کھڑے ہو گئے۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گرے تو دس ہزار افراد سجدہ میں گر گئے۔ پھر سجدہ سے اُٹھے تو دس ہزار افراد سجدہ سے اُٹھ بیٹھے۔ پھر دوبارہ سجدہ کے لیے جھکے تو دس ہزار افراد سجدہ میں جھک گئے۔ پھر سجدہ سے اُٹھ کر تشہّد کے لیے بیٹھے تو دس ہزار افراد تشہد میں بیٹھ گئے۔ ابوسفیان نے سمجھا کہ شاید میرے لیے یہ

کوئی نئی قسم کا عذاب تجویز ہوا ہے۔ چنانچہ اس نے حضرت عباسؓ سے جو پہرہ پر مقرر ہونے کی وجہ سے نماز میں شریک نہیں ہوئے تھے دریافت کیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ انہوں نے کہا ابوسفیان! گھبراؤ نہیں، یہ تمہارے مارنے کی تیاری نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے ہیں اور یہ مسلمان تو ایسے ہیں کہ اگر آپؐ فرمائیں کہ کھانا چھوڑ دو تو وہ کھانا بھی چھوڑ دیں۔ ابوسفیان پر اس بات کا بہت اثر ہوا اور اُس نے کہا میں نے کسریٰ کا دربار بھی دیکھا ہے اور قیصر کا دربار بھی دیکھا ہے لیکن اُن کی قوموں کو بھی میں نے ان کا ایسا فدائی نہیں دیکھا جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت اس کی فدائی ہے کہ آپ نیچے جھکے تو سب لوگ جھک گئے، سجدہ میں گرے تو سب لوگ سجدہ میں چلے گئے، تشہّد کے لیے بیٹھے تو سب لوگ تشہّد میں بیٹھ گئے۔ یہ بے نظیر اطاعت ہے جو میں نے کہیں اَور نہیں دیکھی3۔

جب نماز ختم ہو چکی تو حضرت عباسؓ ابوسفیان کو لے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ابوسفیان! کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم مجھے اللہ تعالیٰ کا رسول تسلیم کر لو؟ ابوسفیان نے کچھ تردّد کا اظہار کیا لیکن پھر کچھ خوف کی وجہ سے اور کچھ حضرت عباسؓ کے زور دینے کی وجہ سے اس نے بیعت کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا4۔ پھر اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ تو بڑے مہربان ہیں، مکہ والے آپ کے رشتہ دار ہیں، کوئی اُن کے بچاؤ کی صورت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا ہر شخص جو اپنے گھر کے دروازے بند کر لے گا اُسے امن دیا جائے گا۔ حضرت عباسؓ نے کہا یارسول اللہ! ابوسفیان کی عزت کا بھی کچھ سامان کر دیا جائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت اچھا! جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اُسے بھی امن دیا جائے گا۔ ابوسفیان نے کہا یارسول اللہ! میرا گھر کتنا بڑا ہے؟ اُس میں تو سب لوگ نہیں آ سکتے۔ بیشک جو لوگ اندر آ گئے وہ تو امن میں آ جائیں گے مگر باقی لوگوں کا کیا

ہو گا؟ آپ نے فرمایا جو شخص خانہ کعبہ میں گھس جائے گا اُسے بھی امن دیا جائے گا۔ ابوسفیان نے کہا یارسول اللہ! خانہ کعبہ بھی سارے مکہ والوں کو اپنے اندر نہیں سما سکتا اور نہ ہی ہر شخص اعلان سن سکتا ہے۔ کوئی ایسی صورت پیدا کی جائے جو ہر شخص کو نظر آ جائے۔ آپ نے فرمایا اچھا کچھ کپڑا لاؤ۔ چنانچہ کپڑا لایا گیا اور آپ نے اُس کا ایک جھنڈا بنایا اور وہ جھنڈا ابورویحہؓ کے ہاتھ میں دیا جن کو آپ نے حضرت بلالؓ کا بھائی بنایا ہوا تھا اور فرمایا جو شخص اس جھنڈے کے نیچے کھڑا ہو گا اُسے بھی پناہ دی جائے گی۔5

اِس حکم میں کیا ہی لطیف حکمت تھی۔ مکہ والے حضرت بلالؓ کے پَیروں میں رسّہ ڈال کر انہیں تپتی ریت پر گھسیٹا کرتے تھے۔ انہیں تپتی ریت پر لِٹا کر اُن کے سینہ پر بڑے بڑے بھاری جوتوں سمیت کُودا کرتے تھے۔ چنانچہ اُن کی پیٹھ کا رنگ گرگٹ کی پیٹھ کا سا ہو گیا تھا اور وہ بالعموم اپنی پیٹھ دوسرے لوگوں کو دکھایا کرتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ آج بلالؓ کا دل انتقام کی طرف بار بار مائل ہوتا ہو گا اِس لیے اُس کا انتقام لینا بھی ضروری ہے لیکن میرا انتقام شاندار ہونا چاہیے۔ میری شانِ نبوت یہ ہے کہ میں سب کو معاف کر دوں لیکن بلالؓ خیال کرے گا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا اور میرا انتقام یونہی رہا۔ اِس حکمت کے پیشِ نظر آپ نے ایک جھنڈا بنا کر آپ کے ایک بھائی کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا جو شخص اس جھنڈے کے نیچے کھڑا ہو گا اُسے بھی امن دیا جائے گا اور بلالؓ کو کہا کہ تم ساتھ ساتھ یہ اعلان کرتے جاؤ تا وہ سمجھ لیں کہ آج میری وجہ سے مکہ والوں کو معاف کیا گیا ہے۔ یہ انتظام فرما کر آپ مکہ میں داخل ہوئے۔

آپ نے حضرت خالدؓ کو ایک دوسری جانب سے شہر میں داخل ہونے کا ارشاد فرمایا تھا اور انہیں سختی سے حکم دیا تھا کہ جب تک کوئی شخص تم سے لڑائی نہ کرے تم نے کسی سے لڑائی نہیں کرنی لیکن جس طرف سے حضرت خالدؓ مکہ میں داخل ہوئے غالباً اُس طرف امن کا پیغام نہیں پہنچا تھا اِس لیے اُس علاقہ کے لوگوں نے حضرت خالدؓ کا

مقابلہ کیا جس میں اُن کے 24 آدمی مارے گئے۔ کسی نے دوڑ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچا دی۔ آپ نے حضرت خالدؓ کو بلایا اور سرزنش کی۔ حضرت خالدؓ نے کہا یا رسول اللہ! آپ کی ہدایت مجھے یاد ہے لیکن ان لوگوں نے ننگی تلواروں کے ساتھ ہمارا رستہ روکا اور ہم پر حملہ کیا6۔ اگر یہ لوگ ہم پر حملہ نہ کرتے تو میں بھی ان لوگوں کو قتل نہ کرتا۔

بہرحال اِس خفیف سے واقعہ کے سوا اَور کوئی واقعہ نہ ہوا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہو گئے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے پاس آ کر کھڑے ہوئے تو مکہ کے سارے رؤسا جو آپ پر تُھوکا کرتے تھے اور آپ کو مارا اور دکھ دیا کرتے تھے آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور آپ نے فرمایا اے مکہ کے لوگو! تمہیں یاد ہے کہ میں نے توحید کا نعرہ بلند کیا اور تم نے مجھے گالیاں دیں، میں نے خدائے واحد کی پرستش کے لیے تمہیں کہا اور تم نے مجھ پر جھوٹے الزامات لگائے، میں نے تم کو نیکی اور تقویٰ کی تعلیم دی مگر تم نے کہا کہ یہ شخص روپیہ کمانا چاہتا ہے یا شاید کسی خوبصورت عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے لیکن خدا نے میری مدد کی۔ میں اکیلا تھا اور تم ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ سارا عرب تمہارے ساتھ تھا۔ تم نے دیکھ لیا کہ خدا تعالیٰ کے نشانات کس طرح لفظ بلفظ پورے ہوئے۔ اب بتاؤ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟ مشرکینِ مکہ کی خوش قسمتی تھی کہ انہوں نے حضرت یوسفؑ کا واقعہ کہیں سے سنا ہوا تھا۔ انہوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کیا کہیں۔ جو سلوک یوسف (علیہ السلام) نے اپنے بھائیوں سے کیا تھا وہی سلوک آپ ہم سے کریں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔7 آج تم پر کوئی گرفت نہیں کی جاتی۔ جاؤ میں نے تم سب کو معاف کر دیا ہے۔ چنانچہ مکہ والے خوش خوش اپنے گھروں کو واپس چلے گئے اور مسلمانوں کی تلواریں اپنے میانوں کے اندر چلی گئیں۔ وہ تو چاہتے تھے کہ آج مشرکینِ مکہ کو تلواروں سے ریزہ ریزہ کر دیں۔ آخر وہ

واقعات جو اُن کے سامنے گزرے تھے اُن کی آنکھوں کے آگے پھر رہے تھے۔

ایک دفعہ آپؐ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ کسی نے آپ کی پیٹھ پر اونٹ کی اوجھڑی لا کر رکھ دی۔ وہ کافی بوجھل تھی۔ اُس کے بوجھ کی وجہ سے اُس وقت تک آپ اپنا سر نہ اُٹھا سکے جب تک کہ حضرت فاطمہؓ نے جو ابھی چھوٹی عمر کی تھیں دَوڑ کر آپ سے اُس اوجھڑی کو نہ ہٹایا8۔

اِسی طرح ایک دفعہ آپ عبادت کر رہے تھے کہ لوگوں نے آپ کے گلے میں پٹکا ڈال کر کھینچنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ آپ کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ وہاں آ گئے اور انہوں نے آپ کو چُھڑایا اور کہا اے لوگو! کیا تم ایک شخص کو صرف اِس جرم میں قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے خدا میرا آقا ہے۔ آخر یہ تم سے کچھ مانگتا تو نہیں۔ صرف یہ کہتا ہے کہ خدا ایک ہے، اُس کی عبادت کرو مگر تم اِسے مارنے لگ جاتے ہو9۔

یہ ان لوگوں کی حالت تھی اور تم سمجھ سکتے ہو کہ جب اِن دکھی مسلمانوں کو خدا تعالیٰ نے مشرکینِ مکہ پر غلبہ عطا کر دیا تو ان کے دلوں کی کیا حالت ہو گی مگر اِس کے باوجود جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کو معاف کر دیا تو انہوں نے بھی انہیں معاف کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبدالرحمان جنگِ بدر کے بعد ایمان لائے تھے۔ جنگِ بدر کے بعد انہوں نے ایک دن حضرت ابوبکر کو سنایا کہ آپ ایک دفعہ زور سے حملہ کرتے ہوئے ہمارے لشکر تک پہنچ گئے تھے اور میں ایک پتھر کے پیچھے چُھپا ہوا تھا۔ تلوار میرے ہاتھ میں تھی اور میں اگر چاہتا تو آپ پر حملہ کر سکتا تھا لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ آپ میرے باپ ہیں اس لیے میں نے اپنا ارادہ فسخ کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا تیری قسمت اچھی تھی کہ تُو مجھے نظر نہ آیا ورنہ خدا کی قسم! اگر میں تجھے دیکھ لیتا تو میں تیری بوٹیاں اُڑا دیتا اور اِس بات کی قطعاً پروا نہ کرتا کہ تُو میرا بیٹا ہے10۔ اب آپ لوگ دیکھ لیں کہ ایسے غیرت مند لوگوں کے لیے اہل مکہ کو معاف کرنا کس قدر

مشکل تھا لیکن انہوں نے معاف کیا بلکہ اُن لوگوں کو بھی جنہیں معاف کیا گیا تھا یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوئی اور وہ حیران ہوئے کہ انہیں کیسے معاف کیا گیا ہے۔

ابوجہل کا بیٹا عکرمہؓ اُن لوگوں میں شامل تھا جن کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا تھا کہ ان کے بعض ظالمانہ قتلوں اور ظلموں کی وجہ سے انہیں قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ ڈر کے مارے حبشہ کی طرف بھاگ گیا۔ اس کی بیوی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اُس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! کیا آپ کو یہ اچھا لگتا ہے کہ آپ کے بھائی کا بیٹا عکرمہ آپ کے ماتحت رہے یا یہ اچھا لگتا ہے کہ وہ حبشہ جا کر عیسائیوں کے ماتحت رہے؟ آپ نے فرمایا وہ بیشک یہاں رہے ہم اُسے کچھ نہیں کہیں گے، ہم اُسے معاف کرتے ہیں۔ اُس نے کہا وہ ساحلِ سمندر کی طرف بھاگ کر چلا گیا ہے اور اِس انتظار میں ہے کہ اُسے کوئی کشتی مل جائے تو وہ اُس میں سوار ہو کر حبشہ چلا جائے۔ کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں وہاں جا کر اُسے واپس مکہ لے آؤں؟ آپ نے فرمایا ہاں! میں اجازت دیتا ہوں، تم بڑی خوشی سے اُسے واپس لے آؤ۔ عکرمہ کی بیوی نے پھر کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! وہ بڑا غیرت مند ہے۔ شاید آپ کے دل میں یہ خیال ہو کہ وہ یہاں آ کر مسلمان ہو جائے گا وہ مسلمان نہیں ہوگا۔ کیا آپ اِس امر کی بھی اجازت دیتے ہیں کہ وہ اپنے آبا و اجداد کے مذہب پر قائم رہ کر یہاں رہے؟ آپ نے فرمایا وہ بیشک اپنے مذہب پر قائم رہے ہم اُسے مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کریں گے۔ چنانچہ وہ عکرمہ کے پیچھے ساحلِ سمندر پر پہنچی۔ عکرمہ ابھی کشتی پر سوار نہیں ہوئے تھے۔ اُس نے کہا اے میرے چچا کے بیٹے! (عرب عورتیں اپنے خاوندوں کو چچا کا بیٹا کہا کرتی تھیں) کیا تجھے یہ بات اچھی لگتی ہے کہ تُو اپنے بھائی کے ماتحت رہے یا یہ بات اچھی لگتی ہے کہ تُو کسی غیر ملک میں جا کر کسی غیر بادشاہ کے ماتحت رہے؟ عکرمہ نے کہا کیا تجھے پتا نہیں کہ اگر میں مکہ میں رہا تو میں مارا جاؤں گا؟ بیوی نے کہا نہیں میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے

بات کر لی ہے۔ اگر تُو مکہ میں واپس چلا جائے گا تو تجھے مارا نہیں جائے گا، تجھے پناہ دی جائے گی۔ عکرمہ کہنے لگے تُو مجھ سے دغا تو نہیں کر رہی؟ وہ کہنے لگی کیا میں اپنے خاوند سے دغا کروں گی؟ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس بارہ میں اجازت حاصل کر کے آئی ہوں۔ چنانچہ عکرمہ مان گئے اور وہ اپنی بیوی کے ساتھ مکہ واپس گئے۔ مکہ آ کر انہوں نے اپنی بیوی سے کہا مجھے تیری باتوں پر تب یقین آئے گا جب وہ باتیں جو تُو نے کہی ہیں محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے منہ سے بھی کہلوا دے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ راستباز انسان ہیں جھوٹ نہیں بولتے۔ چنانچہ ان کی بیوی انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئی۔ عکرمہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری بیوی کہتی ہے کہ آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے اب آپ مجھے کچھ نہیں کہیں گے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ٹھیک کہتی ہے۔ انہوں نے کہا میری بیوی نے مجھے یہ بات بھی بتلائی ہے کہ آپ مجھے مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کریں گے کیا یہ بات بھی سچ ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے۔ عکرمہ حیران ہوئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ جو شخص اتنے شدید دشمنوں کو بھی معاف کر سکتا ہے وہ جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ انہوں نے یہ بات سنتے ہی فوراً کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ رَسُوْلُهٗ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عکرمہ! یہ کیا بات ہے؟ عکرمہ نے کہا یا رسول اللہ! میں آج تک آپ کا مخالف تھا اور مجھے یقین نہیں تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں لیکن آج آپ نے جو سلوک مجھ سے کیا ہے وہ خدا تعالیٰ کے رسولوں کے سوا اَور کوئی نہیں کر سکتا[11]۔ میرے باپ اور دوسرے رشتہ داروں نے آپ کو تنگ کیا، آپ کو مارا اور کئی مسلمانوں کو قتل کیا اور پھر یہیں تک بس نہیں کی بلکہ ہماری بعض عورتوں نے مسلمان شہیدوں کے کلیجے نکلوا کر کچے چبائے،

آپ کی بیٹی کو مدینہ جاتے ہوئے اونٹ سے گرایا جس کی وجہ سے اُن کا حمل ساقط ہو گیا اور وہ خود بھی اِسی صدمہ کی وجہ سے فوت ہو گئیں۔ ان سب باتوں کے باوجود جب آپ کو غلبہ ملا تو آپ نے ہم سب کو معاف کر دیا۔ یہ کام خدا تعالیٰ کے رسولوں کے سوا اَور کوئی نہیں کر سکتا۔ آپ کا یہ سلوک دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اِسی لیے میں نے کلمہ پڑھا ہے۔

پھر دیکھ لو حضرت عکرمہؓ کا وہ کلمہ پڑھنا کیسا سچا تھا۔ ایک موقع پر جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رومیوں سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی تو حضرت خالدؓ نے کہا دشمن کی ہراول فوج ساٹھ ہزار کی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ صرف ساٹھ مسلمان میرے ساتھ جائیں اور وہ مسلمان ایسے ہوں جو جان دینے کے لیے تیار ہوں۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے انہیں سمجھایا کہ خالد! یہ بہت بڑی قربانی ہے۔ سارے چیدہ چیدہ مسلمان مارے جائیں گے مگر حضرت خالدؓ نے کہا اگر ایسا نہ کیا گیا تو ہمارا دشمن پر رُعب نہیں پڑے گا۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ مان گئے اور جو ساٹھ آدمی منتخب کیے گئے اُن میں حضرت عکرمہؓ بھی شامل تھے۔ اس جنگ میں رومی لشکر کا کمانڈر انچیف ایک ایسا شخص تھا جس سے بادشاہ نے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ جیت گیا تو وہ اُسے اپنی آدھی سلطنت دے دے گا اور اپنی لڑکی اُس کے نکاح میں دے دے گا۔ چنانچہ ساٹھ آدمی حملہ کے لیے چلے گئے۔ ان میں حضرت فضل بن عباسؓ بھی شامل تھے۔ ان لوگوں نے رومی لشکر پر اِس تیزی سے حملہ کیا کہ گو دشمن ساٹھ ہزار کی تعداد میں تھا اور یہ صرف ساٹھ افراد تھے مگر دشمن گھبرا گیا اور یہ نہ سمجھ سکا کہ یہ ساٹھ آدمی انسان ہیں یا جِنّ ہیں۔ یہ لوگ لشکر کے عین وسط میں گھس گئے اور اُس جگہ پر پہنچ گئے جہاں کمانڈر انچیف تھا اور وہاں جا کر اسے ٹانگ سے پکڑ کر سواری سے نیچے گھسیٹ لیا اور اُسے مار ڈالا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سارا لشکر بھاگ گیا 12 مگر کمانڈر انچیف پر حملہ کرنا آسان نہیں تھا۔ یہ سارے لوگ یا تو زخمی ہو گئے یا وہیں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ چند زخمی صحابہؓ ایک ایک

جگہ پڑے ہوئے تھے کہ ایک شخص پانی لے کر وہاں پہنچا۔ حضرت عکرمہؓ کی اسلام لانے سے پہلے بھی بڑی شان تھی اور اسلام لانے کے بعد بھی بڑی شان تھی۔ اس لیے وہ پہلے ان کے پاس گیا اور کہنے لگا عکرمہ! آپ شدید پیاسے معلوم ہوتے ہیں تھوڑا سا پانی پی لیں۔ حضرت عکرمہؓ نے اپنے دائیں طرف دیکھا تو حضرت فضل بن عباسؓ بھی زخمی پڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس شخص کو کہا مجھے نظر آ رہا ہے کہ اِس وقت میرا ایک اَور ساتھی پانی کا سخت محتاج ہے۔ وہ مجھ سے پہلے اسلام لایا ہے اس لیے مجھ سے زیادہ مستحق ہے۔ تمہیں خدا کی قسم! پہلے انہیں پانی پلاؤ پھر میرے پاس آنا۔ چنانچہ وہ شخص اُن کے پاس گیا اور اُن سے پانی پینے کے لیے کہا لیکن انہوں نے بھی پاس والے زخمی صحابی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ پہلے انہیں پانی پلاؤ پھر میرے پاس آؤ۔ وہ سات صحابہؓ تھے۔ پانی پلانے والا شخص پانی لے کر ساتوں کے پاس باری باری گیا لیکن ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔ جب آخری صحابی کے پاس پہنچا تو وہ فوت ہو چکے تھے اور جب وہ واپس عکرمہؓ کے پاس آیا تو وہ بھی دم توڑ چکے تھے۔13 تو دیکھو اتنے شدید دشمن کو بھی خدا تعالیٰ نے کس قدر مخلص بنا دیا تھا۔

ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنے اندر ایسا تغیر پیدا کر لیں اور ایسے اعمال بجا لائیں جن سے لوگوں کی دشمنی دور ہو جائے اور ہماری محبت اُن کے دلوں میں پیدا ہو جائے۔ مگر اِس کے یہ معنے نہیں کہ دین کے معاملہ میں مداہنت سے کام لیا جائے۔ یہ کام تو منافق بھی کر سکتا ہے۔ حقیقی ایمان کی علامت یہ ہے کہ جہاں اپنوں اور بیگانوں سے حُسنِ سلوک کیا جائے وہاں دین کے معاملہ میں ایسی غیرت رکھی جائے کہ اگر عزیز سے عزیز وجود کو بھی خدا تعالیٰ کے لیے ترک کرنا پڑے تو انسان اسے فوراً ترک کر دے۔ صحابہؓ کو دیکھ لو انہوں نے اپنے ایمان کا ایک عظیم الشان مظاہرہ کیا۔ عبداللہ بن اُبی بن سلول نے ایک موقع پر کہا تھا اور قرآن کریم میں بھی اس کا ذکر آتا ہے کہ مجھے مدینہ میں داخل ہو لینے دو مدینہ کا سب سے زیادہ معزز شخص یعنی وہ کمبخت خود سب

سے زیادہ ذلیل شخص یعنی نَعُوْذُ بِاللّٰہِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں سے نکال دے گا14۔ یہ بات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہنچ گئی۔ عبداللہ بن اُبی بن سلول کا بیٹا جس کا پہلا نام حباب تھا مگر بعد میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کا نام بھی عبداللہ رکھ دیا تھا بھاگتا ہوا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اُس نے کہا یا رسول اللہ! میرے باپ نے ایسی بات کہی ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس کی سزا سوائے قتل کے اَور کوئی نہیں ہوسکتی، میں صرف یہ درخواست کرنے کے لیے آیا ہوں کہ اگر آپؐ نے اسے قتل کرانا ہو تو مجھ سے کرائیں تا ایسا نہ ہو کہ کوئی اَور صحابیؓ اسے قتل کرے تو بعد میں کسی وقت مجھے جوش آ جائے اور میں اُسے قتل کر بیٹھوں اس لیے کہ اس نے میرے باپ کو مارا ہے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ اب گو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہ گناہ معاف کر دیا تھا مگر اس کے بیٹے نے اسے معاف نہ کیا۔ جب لشکر مدینہ کو واپس چلا تو اُس کا بیٹا جلدی سے آگے نکل کر شہر کے دروازہ پر کھڑا ہو گیا۔ تلوار اُس کے ہاتھ میں تھی۔ جب عبداللہ بن اُبَی بن سلول مدینہ میں داخل ہونے لگا تو اُس کے بیٹے نے کہا میں تمہیں اُس وقت تک شہر میں داخل نہیں ہونے دوں گا جب تک تُو یہاں کھڑا ہو کر اس بات کا اقرار نہ کرے کہ تُو مدینہ کا سب سے زیادہ ذلیل انسان ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے سب سے زیادہ معزز شخص ہیں۔ اگر تُو نے اِس بات کا اقرار نہ کیا تو خدا کی قسم! میں اس تلوار سے تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا اور اِس بات کی قطعاً پروا نہیں کروں گا کہ تُو میرا باپ ہے۔ بیٹے کے منہ سے یہ بات سن کر وہ بہت گھبرایا اور جھٹ گھوڑے سے اُتر آیا اور مدینہ کے دروازہ میں کھڑے ہو کر اُس نے کہا اے لوگو! سن لو اور گواہ رہو کہ میں مدینہ کا سب سے زیادہ ذلیل انسان ہوں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے سب سے زیادہ معزز انسان ہیں۔ اِس کے بعد اُس کے بیٹے نے کہا اب تم اندر جا سکتے ہو ورنہ خدا کی قسم! اگر تم یہ اقرار نہ کرتے تو

میں تمہیں شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دیتا بلکہ یہیں تمہیں قتل کر دیتا15۔

تو دیکھو ان لوگوں نے کیسی شاندار قربانیاں کی تھیں۔ آجکل تو کوئی اپنے دوست کے خلاف بھی بات نہیں سن سکتا لیکن وہاں بیٹا اپنے باپ کا رستہ روک کر کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ تم یہ اقرار کرو کہ میں مدینہ کا سب سے زیادہ ذلیل شخص ہوں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے سب سے زیادہ معزز شخص ہیں ورنہ میں تمہیں شہر میں داخل نہیں ہونے دوں گا بلکہ تلوار سے اسی جگہ ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔

ہماری جماعت کو بھی دینی معاملات میں اِسی قسم کی غیرت دکھانی چاہیے اور پھر انتظار کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کس طرح مدد کرتا ہے۔ یقیناً اگر وہ ایسا کریں گے تو آسمان سے خدا تعالیٰ کے فرشتے پرے16 باندھ کر نیچے اتریں گے اور وہ لوگوں کے دل دھو دھو کر احمدیت کے لیے صاف کر دیں گے۔ اور جو لوگ ان سے پہلے ایمان لاتے ہیں بعد میں آنے والے ان کے قدم چومیں گے اور ان کی قدر کریں گے کیونکہ جو شخص ایمان لے آتا ہے اُس کے اندر ایمان کی قدر بھی ہوتی ہے اور وہ جانتا ہے کہ پہلے ایمان لانے والے کی غیرت اس سے بہرحال زیادہ ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایران سے عرب میں چکیاں آئیں جو نہایت باریک آٹا پیستی تھیں۔ جب ان چکیوں پر پہلی دفعہ آٹا پِسا تو وہ حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے فرمایا یہ آٹا ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ملا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے ہیں۔ اس لیے یہ آٹا سب سے پہلے حضرت ام المومنین عائشہؓ کے پاس لے جاؤ۔ چنانچہ آٹا حضرت عائشہؓ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اُس کی روٹی پکوائی۔ چونکہ آٹا میدہ کی قسم کا تھا اس لیے نہایت ملائم روٹی پکی۔ جب آپ نے ایک لقمہ منہ میں ڈالا تو آپ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگ گئے۔ وہ خادمہ جس نے روٹی پکائی تھی گھبرا کر کہنے لگی آٹا تو بہت ملائم ہے اور روٹی بھی اچھی پکی ہے پھر آپ روتی کیوں ہیں؟ حضرت عائشہؓ نے

فرمایا تُو نہیں جانتی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت آخری عمر میں کمزور ہو گئے تھے اور ہم دانوں کو پتھروں سے کُوٹ کر روٹیاں پکایا کرتی تھیں۔ چنانچہ جو روٹیاں تیار ہوتی تھیں وہ بڑی سخت ہوتی تھیں اور وہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھایا کرتے تھے۔ آج اُن کے طفیل ہمیں یہ ملائم آٹا ملا ہے مگر مجھے یہ خیال کر کے رونا آیا کہ جن کے طفیل ہمیں یہ نعمت ملی وہ تو اس دنیا میں نہ رہے اور ہمیں یہ چیز مل گئی۔''

(الفضل 20 مئی 1958ء صفحہ 2 تا 6)

1: سیرت ابن ہشام جلد 3 صفحہ 233 مطبوعہ مصر 1936ء

2: السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 164 تا 166 مطبوعہ بیروت 2012ء

3: السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 175 تا 177 مطبوعہ بیروت 2012ء

4: سیرت ابن ھشام جلد 2 صفحہ 1196 مطبوعہ دمشق 2005ء

5: السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 179 مطبوعہ بیروت 2012ء

6: السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 185 مطبوعہ بیروت 2012ء

7: السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 207، 208 مطبوعہ بیروت 2012ء

8: بخاری کتاب الصلوٰۃ باب المرأۃ تطرح عن المصلی شیئا (الخ) صفحہ 88 حدیث نمبر 520 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعۃ الثانیۃ

9: بخاری کتاب مناقب الانصار باب مالقی النبی ﷺ واصحابہ (الخ) صفحہ 647 حدیث نمبر 3856 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعۃ الثانیۃ

10: مستدرک حاکم جلد 3 صفحہ 475 مطبوعہ بیروت 1978ء

11: السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 198 مطبوعہ بیروت 2012ء

12: تاریخ ابن اثیر جلد 2 صفحہ 410 تا 413 مطبوعہ بیروت 1965ء

13: الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب جلد 3 صفحہ 191 مطبوعہ بیروت 1995ء

14: المنافقون: 9

15: **السیرۃ الحلبیۃ** جلد3 صفحہ 581، 582 مطبوعہ بیروت 2012ء

16: **پَرے**: قطاریں۔ جماعتیں (فیروز اللغات اردو جامع صفحہ 293 مطبوعہ فیروز سنز لاہور 2010ء)

ایک غیر مسلم کی گواہی کہ آنحضور ﷺ سب سے بڑے نبی تھے

حضرت مصلح موعود نے 25 اپریل 1958ء کے خطبہ جمعہ سے فرمایا:۔

''مجھے یاد ہے کہ جب مجھ پر بیماری کا حملہ ہوا اور میں علاج کی غرض سے لندن گیا تو ایک بہت بڑا مصنف ڈسمنڈ شا میرے پاس آیا اور اُس نے کہا شاید آپ مجھے پاگل قرار دیں گے کہ عیسائی ہو کر میں ایسی باتیں کرتا ہوں۔ یہ ٹھیک ہے کہ میں عیسائی ہوں لیکن مجھے یقین ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسیح ناصریؑ سے بڑے تھے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اعلیٰ تعلیم دنیا میں لائے وہ مسیح ناصریؑ نہیں لائے تھے۔ آپ حیران ہوں گے کہ میں عیسائی ہو کر ایسی بات کر رہا ہوں لیکن میں سچی بات کا انکار کیسے کر سکتا ہوں۔ میں جب اُسے رُخصت کر کے اپنے کمرہ کی طرف آیا تو مجھے محسوس ہوا کہ میرے پیچھے پیچھے کوئی آ رہا ہے۔ میں نے مُڑ کر دیکھا تو ڈسمنڈ شا آ رہا تھا۔ وہ کہنے لگا میرے دل میں ایک سوال پیدا ہوا تھا میں نے چاہا کہ آپ سے پوچھ لوں۔ میں نے کہا پوچھو کیا سوال ہے؟ وہ کہنے لگا جب میں یہ تقریر کرتا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑے نبی تھے تو مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ میری زبان سے خدا بول رہا ہے مگر یہ عیسائی لوگ پھر بھی نہیں مانتے۔ میں نے کہا ڈسمنڈ شا! جب آپ محسوس کرتے ہیں کہ خدا آپ کے اندر بول رہا ہے تو آپ سمجھتے ہیں کہ شاید دوسرے لوگ بھی اس آواز کو سن رہے ہیں حالانکہ دوسرے لوگ صرف تمہاری آواز سنتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی آواز نہیں سنتے اس لیے وہ تمہاری بات نہیں مانتے۔ وہ ایک کان سے سنتے ہیں

اور دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں۔ جب یہ لوگ بھی خدا تعالیٰ کی آواز سننے لگ جائیں گے اور خدا تعالیٰ ان کے دلوں میں بھی بولا تو ان پر بھی اثر ہو جائے گا۔ میں نے کہا ابھی اِن لوگوں کا یہ حال ہے کہ جب تم بولتے ہو تو یہ لوگ صرف تمہاری آواز سنتے ہیں۔ تم انتظار کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگو کہ جب تم بولا کرو تو خدا صرف تمہاری زبان سے نہ بولے بلکہ لوگوں کے دلوں میں بھی بولے۔ اور جس دن وہ لوگوں کے دلوں میں بولنے لگے گا لمبی چوڑی تقریروں کی ضرورت نہیں رہے گی سارا یورپ تمہاری بات ماننے لگ جائے گا۔''

(الفضل 20 مئی 1958ء صفحہ 7)

صحابہ رسول ﷺ کی فدائیت

مجلس مشاورت 1958ء کے پہلے روز مؤرخہ 25 اپریل کے خطاب میں صحابہ رسول ﷺ کے اخلاص و فدائیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

''جنگِ احد میں جب یہ بات مشہور ہوئی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو گئے ہیں تو مسلمانوں کے دل ٹوٹ گئے اور شہادت کی خبر سُن کر مسلمان سپاہیوں کے قدم اُکھڑ گئے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گڑھے میں سے نکالا گیا اور مسلمان پھر آپؐ کے اِرد گرد پروانہ وار جمع ہو گئے تو آپؐ نے ایک انصاری صحابی کو تلاش کرنے کا حکم دیا۔ صحابہ ان کی تلاش میں نکل گئے۔ اُنہوں نے دیکھا کہ وہ ایک جگہ سر سے پیر تک زخمی پڑے ہیں اور نزع کی حالت میں ہیں۔ وہ ان کے پاس گئے اور اُنہوں نے کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے اگر آپ نے اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کے نام کوئی پیغام دینا ہو تو دے دیں ہم پہنچا دیں گے۔ اُس صحابی میں قربانی کی ایسی عظیم الشان رُوح پائی جاتی تھی کہ اُنہوں نے کہا اپنا ہاتھ بڑھاؤ اور اقرار کرو کہ تم میرا یہ پیغام میرے عزیزوں تک ضرور پہنچا دو گے۔ اُنہوں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور پیغام پہنچانے کا اقرار کیا۔ اس کے بعد اُس صحابی نے جبکہ وہ دم توڑ رہے تھے کہا میرے بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں اور دامادوں کو کہہ دینا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ قیمتی چیز دُنیا میں اور کوئی نہیں جب تک ہم زندہ رہے ہم نے اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر بھی آپؐ کی حفاظت کی کوشش کی اور اب جبکہ میں مر رہا ہوں میری آخری نصیحت یہی ہے

کہ تم اپنی زندگیوں کو قربان کر دو مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کسی دشمن کو نہ پہنچنے دو[1]۔

اس طرح غزوۂ بدر کے موقع پر انصار نے جس فدائیت کا نمونہ دکھایا ہے وہ بھی ان کے عشق کا ایک بہت بڑا ثبوت ہے۔ مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور انصار کے درمیان یہ معاہدہ ہوا تھا کہ اگر مدینہ پر کسی نے حملہ کیا تو انصار آپ کی حفاظت کریں گے لیکن اگر مدینہ سے باہر حملہ کیا گیا تو وہ لڑائی میں شامل ہونے کے پابند نہیں ہوں گے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب جنگ بدر کے لئے تشریف لے گئے تو چونکہ یہ مقام مدینہ سے فاصلہ پر تھا۔ آپؐ نے خیال فرمایا کہ اگر میں نے مدینہ والوں کو دشمن سے جنگ کرنے کا حکم دیا تو یہ ان سے بدعہدی ہوگی اس لئے آپؐ نے تمام صحابہ کو جمع کیا اور فرمایا آپ لوگ مشورہ دیں کہ اب کیا کیا جائے؟ اب قافلہ کا سوال نہیں کفار کی مسلّح فوج سے مقابلہ ہے۔ اس پر ایک ایک کر کے مہاجرین اُٹھے اور اُنہوں نے کہا یارسول اللہ! ہم دُشمن سے ڈرتے نہیں ہم اس کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مگر جب کوئی مہاجر اپنے خیالات کا اظہار کر کے بیٹھ جاتا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر فرماتے کہ اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔ جب بار بار آپؐ نے یہ فقرہ دُہرایا تو ایک انصاری سردار کھڑے ہوئے اور کہنے لگے یارسول اللہ! مشورہ تو آپؐ کو مل رہا ہے مگر پھر جو آپ بار بار مشورہ طلب فرما رہے ہیں تو شاید آپؐ کی مراد ہم انصار سے ہے آپؐ نے فرمایا۔ ہاں۔ اس سردار نے کہا یارسول اللہ! شاید آپؐ اس لئے ہمارا مشورہ طلب فرما رہے ہیں کہ آپؐ کے مدینہ آنے سے قبل ہمارے اور آپؐ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا اور وہ معاہدہ یہ تھا کہ اگر کسی نے مدینہ پر حملہ کیا تو ہم اس کا مقابلہ کریں گے لیکن مدینہ سے باہر نکل کر اگر لڑائی کرنی پڑی تو ہم اس میں شامل ہونے کے پابند نہیں ہوں گے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ اِسی انصاری سردار نے کہا یارسول اللہ! جب یہ معاہدہ ہوا تھا اُس وقت ہم

پر آپؐ کی حقیقت پورے طور پر روشن نہیں ہوئی تھی لیکن اب آپؐ کی حقیقت ہم پر پورے طور پر واضح ہو چکی ہے اور آپؐ کی شان کا ہمیں پتہ لگ گیا ہے اِس لئے اب اُس معاہدہ کا کوئی سوال نہیں۔ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کی طرح آپؐ سے یہ نہیں کہیں گے کہ اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلاَ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ2 کہ تُو اور تیرا رب جاؤ اور دشمن سے لڑتے پھرو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں بلکہ یارسول اللہ! ہم آپؐ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے اور آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے اور دشمن آپؐ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ ہماری لاشوں کو روندتا ہوا نہ گزرے3۔ یارسول اللہ! جنگ تو ایک معمولی بات ہے اگر آپؐ حکم دیں کہ ہم سمندر میں اپنے گھوڑے ڈال دیں تو خدا کی قسم ہم بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اپنے گھوڑے بھی سمندر میں ڈال دیں گے4۔

ایک اور انصاری کہتے ہیں کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کئی لڑائیوں میں شامل مگر میری ہمیشہ خواہش رہی کہ کاش! میں ان لڑائیوں میں شامل نہ ہوتا اور یہ فقرات میری زبان سے نکلتے5۔ یہ فدائیت اور قربانی کا وہ عظیم الشان نمونہ تھا جو صحابہ رضوان اللہ علیہم نے ہمارے سامنے پیش کیا اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اِسی قسم کا نمونہ دکھانے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں طاقت دے کہ ہم اسلام کے جھنڈے کے دائیں بھی لڑیں اور بائیں بھی لڑیں، آگے بھی لڑیں اور پیچھے بھی لڑیں اور اُس وقت تک دم نہ لیں جب تک کہ کفر کی چوٹی پر اسلام کا جھنڈا نہ گاڑ دیں۔''

(خطبات شوریٰ جلد سوم صفحہ 717 تا 719 ایڈیشن اول)

1: السیرۃ النبویۃ لابن ھشام الجزء الثانی صفحہ 875 زیرعنوان "امر القتلی بأحد" مطبوعہ دمشق 2005ء

2 تا 4: السیرۃ الحلبیۃ جلد 2 صفحہ 375، 376 مطبوعہ بیروت 2012ء

5: بخاری کتاب المغازی باب قول اللّٰہ تعالٰی اذ تستغیثون ربکم صفحہ 668 حدیث نمبر 3952 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعۃ الثانیۃ

غریب صحابی سے کمال محبت کا اظہار

25اپریل1958ء کو مجلس مشاورت کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

''حدیثوں میں آتا ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بازار میں سے گزر رہے تھے کہ آپؐ نے دیکھا ایک صحابی کھڑے ہیں یہ صحابی سخت بدصورت تھے اور بازار میں مزدوری کا کام کرتے تھے۔ اُس وقت اُن کا جسم پسینہ سے شرابور تھا اور ان کے چہرہ پر حسرت برس رہی تھی۔ آپؐ نے اُنہیں دیکھا تو بچوں کی طرح پیچھے سے آ کر اُن کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ آپؐ کا جسم چونکہ نازک تھا اس صحابی نے اُنگلیوں کی نرمی اور ملائمت سے آپؐ کو پہچان لیا اور پیار سے اپنا میلا جسم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن کے ساتھ ملنا شروع کر دیا۔ پھر آپؐ نے اس کی آنکھوں پر سے اپنے دونوں ہاتھ ہٹا لئے اور فرمایا اے لوگو! میں ایک غلام بیچنا چاہتا ہوں کیا کوئی خریدار ہے؟ اس صحابی نے بڑی افسردگی سے کہا یارسول اللہ! کیا اِس دُنیا میں میرا بھی کوئی خریدار ہوسکتا ہے؟ میں تو نہایت حقیر اور بدصورت ہوں، مجھے کون خریدے گا۔ آپؐ نے فرمایا ایسا مت کہو تم بے شک دُنیا کی نظر میں حقیر ہو لیکن خدا تعالیٰ کی نگاہ میں تمہاری بڑی قیمت ہے[1]۔'' (خطابات شوریٰ جلد سوم صفحہ 719، 720 ایڈیشن اول)

[1]: مسند احمد بن حنبل مسند انس بن مالک صفحہ 871 حدیث نمبر 12676 مطبوعہ لبنان 2004ء

کلام الٰہی کی سچائی پر یقین

حضرت مصلح موعود نے 9 مئی 1958ء کو بمقام مری خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''احادیث میں آتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا یارسول اللہ! میرے بھائی کو دست آ رہے ہیں۔ چونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ شہد میں شفاء ہے1۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ اپنے بھائی کو شہد پلاؤ۔ حالانکہ طبی طور پر شہد دست لاتا ہے انہیں بند نہیں کرتا۔ وہ گیا اور اُس نے جا کر شہد پلا دیا۔ مگر اُس کے بھائی کے دست اَور بھی بڑھ گئے۔ وہ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! میرے بھائی کے دست تو اَور زیادہ ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور اَور شہد پلاؤ۔ وہ گیا اور پھر اُس نے شہد پلا دیا جس پر اُس کے اسہال اَور بھی بڑھ گئے۔ وہ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اُس نے کہا یا رسول اللہ! اُس کو تو اَور زیادہ دست آنے لگ گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے اور خدا سچا ہے۔ جاؤ اور اُس کو اَور شہد پلاؤ۔ چنانچہ اُس نے پھر شہد پلایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کے اندر سے ایک بڑا سا سُدّہ نکلا اور اُس کے اسہال جاتے رہے2۔ اسی طرح اگر ہماری کوششوں کا کوئی نتیجہ نہ نکلے تو ہم اپنے متعلق کہیں گے کہ ہم جھوٹے ہیں اور ہم نے وہ شرطیں پوری نہیں کیں جن کے پورا کرنے سے اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل ہوسکتا تھا۔ ورنہ خدا سچا ہے۔ اگر ہم اُس کی شرائط کو پورا کرتے تو خدا بھی اپنے وعدے کو پورا کرتا۔''

(الفضل 23 مئی 1958ء صفحہ 2، 3)

1:(النحل:70)

2:بخاری کتاب الطب باب الدواء بالعسل صفحہ 1006 حدیث نمبر 5684 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

آپ ﷺ کی زبردست قوت قدسیہ

حضرت مصلح موعود نے 30 مئی 1958ء کو بمقام مری خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

''دیکھ لو مکہ کے لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے مخالف تھے مگر باوجود اِس کے کہ انہوں نے مخالفت کی تھی تپّسیا نہیں کی تھی، آناً فاناً اُن کی آنکھیں کھل گئیں اور وہی لوگ جو آپ کے خون کے پیاسے تھے آپ پر جان دینے کے لیے تیار ہو گئے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حُنین پر حملہ کیا تو ایک شخص جو اُس خاندان میں سے تھا جس کے پاس خانہ کعبہ کی کنجیاں تھیں اور جس کا بھائی کسی جنگ میں مارا گیا تھا اُسے خیال آیا کہ اگر میں بھی مسلمانوں کی طرف سے اِس جنگ میں شامل ہو جاؤں تو شاید مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کا موقع مل جائے۔ چنانچہ وہ اس جنگ میں شامل ہو گیا۔ چونکہ خدا نے اُس کو جھوٹا کرنا تھا اور اُسے حملہ کا موقع دے کر بتانا تھا کہ میں خود اپنے رسول کا محافظ ہوں اس لیے جب دشمن کے تیراندازوں نے وادی کے دونوں طرف سے تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی اور مسلمانوں کی سواریاں بِدک کر بھاگیں تو اُس نے سمجھا کہ حملہ کے لیے اس سے بہتر اَور کوئی موقع نہیں ہوسکتا۔ یہ ایسا نازک موقع تھا کہ حضرت ابوبکرؓ آگے بڑھے اور انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! دشمن پہاڑی پر بیٹھا دونوں طرف سے پتھر برسا رہا ہے، آپ اِس وقت آگے نہ بڑھیے بلکہ اُس وقت تک انتظار فرمائیے جب تک کہ سارے مسلمان پھر جمع نہ

ہو جائیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے جوش سے فرمایا کہ ابوبکر! میرے گھوڑے کی باگ چھوڑ دو اور پھر آپؐ اپنی سواری کو ایڑ لگاتے ہوئے دشمن کی طرف بڑھے اور آپ نے فرمایا

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ [1]

یعنی میں نبی ہوں جھوٹا نہیں ہوں۔ مجھے خدا نے خبر دی ہوئی ہے کہ دشمن تجھے ہلاک نہیں کر سکتا۔ اس لیے دشمن خواہ ہزاروں تیر برسا رہا ہے اور میرے ساتھی بھی مجھے چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں (یہاں تک کہ ایک وقت میں بارہ اور دوسرے وقت میں صرف سات صحابہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ گئے تھے) پھر بھی میں مارا نہیں جا سکتا۔ لیکن چونکہ یہ نمونہ ایسا تھا جس سے شُبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ شاید آپ میں خدائی طاقتیں آ گئی ہوں اس لیے ساتھ ہی آپ نے فرمایا کہ

اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ

تم میری اِس جرأت کو دیکھ کر کہ میں دشمن کے تیراندازوں کی بوچھاڑ میں اس کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہوں مجھے مسیحؑ کی طرح خدائی صفات نہ دے دینا، میں عبدالمطّلب کا بیٹا ہوں اور تمہارے جیسا ایک انسان ہوں۔ جیسے مسیحؑ حضرت مریم کے بیٹے تھے مگر عیسائیوں نے تو اُن کو خدا بنا لیا تم مجھے خدا نہ بنا لینا اور میرے انسان ہونے کو کبھی فراموش نہ کرنا۔ اُس وقت وہی شخص جو آپ پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا اور جس کا نام شیبہ تھا آپ کی طرف بڑھا اور اِس نیّت سے بڑھا کہ اِس وقت آپ اکیلے ہیں اور آپ کے ساتھی بھاگ چکے ہیں میں خنجر مار کر آپ کو مار ڈالوں گا مگر جب وہ آگے بڑھا تو وہ خود کہتا ہے کہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے اور آپ کے درمیان آگ کا ایک شعلہ بھڑک رہا ہے اور اگر میں آپ کے اَور قریب ہوا تو وہ شعلہ مجھے بھسم کر دے گا۔ اتنے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے دیکھ لیا اور فرمایا شَیبہ! اِدھر آؤ۔ جب وہ آپ کے قریب گیا تو آپ نے اپنا ہاتھ اُس کے سینہ پر پھیرا اور فرمایا اے

خدا! شیبہ کو ہر قسم کے شیطانی خیالات سے نجات دے اور اس کے دل سے ہر قسم کا بُغض اور کینہ نکال دے۔ وہ کہتا ہے آپ کا ہاتھ ابھی میرے سینہ سے علیحدہ نہیں ہوا تھا کہ میرے دل میں آپ کی محبت کا اتنا جوش پیدا ہو گیا کہ یا تو میں آپ کو قتل کرنے کی نیت سے آیا تھا اور یا میرے دل میں اس وقت اگر کوئی خواہش تھی تو صرف یہی کہ میرا ہر ذرّہ آپ پر قُربان ہو جائے۔ پھر میں نے اپنی تلوار نکال لی اور آگے بڑھ کر دشمن کا مقابلہ کرنا شروع کر دیا اور خدا کی قسم! اگر اُس وقت میرا باپ بھی آپ پر حملہ کرنے کے لیے آگے آتا تو میں تلوار سے اُس کی گردن اُڑا دیتا۔2

اِس واقعہ پر غور کرو اور دیکھو کہ کس طرح یکدم اُس کے اندر محبت پیدا ہو گئی اور یا تو وہ آپ کو قتل کرنے کی نیت سے آیا تھا اور یا وہ کہتا ہے کہ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے ہوئے میں ٹکڑے ٹکڑے بھی ہو جاتا تو مجھے بڑی خوشی ہوتی اور اگر ایسی حالت میں میرا باپ بھی میرے سامنے آتا تو میں اپنے باپ کی گردن اُڑانے سے بھی دریغ نہ کرتا۔ یہ عملی ثبوت ہے اِس بات کا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ اُسے ایک منٹ میں کھینچ کر اپنے پاس لے گیا۔ آخر شَیبہ نے کونسی تپسّیا کی تھی؟ کب وہ ساٹھ سال تک جنگلوں میں رہا؟ کب اُس نے بدھؔ کی طرح اپنی خواہشیں ماریں؟ اُس نے تو اتنی گندی خواہش کی تھی کہ جس سے بڑی گندی خواہش اَور کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔ اُس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی خواہش کی تھی مگر وہی شخص جو گندی سے گندی خواہش لے کر آیا تھا ایک منٹ کے اندر اندر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا، اِس کی محبت کی نظیر دوسرے مذاہب میں کہیں نظر نہیں آ سکتی۔

بائبل کو دیکھو تو اُس میں لکھا ہے کہ حضرت ہارونؑ نے حضرت موسیٰؑ کی بدگوئی کی اور اُن پر الزام لگایا۔3 پس وہ تو نبیوں کو بھی گندہ بتاتی ہے مگر یہاں ایک کافر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے آتا ہے اور اللہ تعالیٰ یکدم اسے کھینچ کر اپنے پاس بٹھا لیتا اور اپنے قُرب میں جگہ دے دیتا ہے۔

اِسی طرح انجیل میں حضرت مسیحؑ کے متعلق لکھا ہے کہ گرفتاری سے ایک روز قبل جبکہ وہ تمام شاگردوں کے ساتھ مل کر کھانا کھا رہے تھے حضرت مسیحؑ نے کہا کہ ''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک مجھے پکڑوائے گا''۔ اِس پر انہوں نے پوچھا اے استاد! وہ کونسا خبیث انسان ہے جو تجھے گرفتار کروائے گا؟ اُس وقت وہی شخص جس نے پکڑوانا تھا اُس کا ہاتھ کھانا کھاتے ہوئے مسیحؑ کے ہاتھ سے ٹکرایا اور آپ نے کہا کہ وہی جس کا ہاتھ میرے ہاتھ کو لگ رہا ہے مجھے پکڑوائے گا۔4 چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس شخص نے یہودیوں سے صرف تیس درھم یعنی اڑھائی روپے لے کر حضرت مسیحؑ کو پکڑوا دیا۔5 اس وقت پطرس جو آپ کا بہت محبوب شاگرد تھا اور حضرت مسیحؑ کا خلیفہ اوّل کہلاتا ہے کہنے لگا کہ اَور لوگ اگر ٹھوکر کھا جائیں تو یہ ممکن ہے لیکن میں کبھی ٹھوکر نہیں کھا سکتا۔ حضرت مسیحؑ نے جب یہ بات سنی تو فرمایا کہ ''میں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ اس رات مُرغ کے بانگ دینے سے پہلے تُو تین بار میرا انکار کرے گا''۔6

چنانچہ جب حضرت مسیحؑ کو گرفتار کر لیا گیا تو پطرس بھی آپ کے پیچھے پیچھے چلا تا کہ وہ دیکھے کہ حکومت آپ سے کیا معاملہ کرتی ہے۔ وہ وہاں صحن میں بیٹھا تھا کہ ایک لونڈی اُس کے پاس آئی اور اُس نے کہا کہ تُو بھی مسیح کے ساتھیوں میں سے معلوم ہوتا ہے۔ اِس پر پطرس ڈر گیا اور اُس نے کہا کہ میں تو اس کا ساتھی نہیں۔ پھر وہ ڈیوڑھی میں داخل ہوا تو ایک دوسری لونڈی یہودیوں سے کہنے لگی کہ یہ بھی یسوع ناصری کے ساتھ تھا۔ اِس پر اُس نے قسم کھا کر انکار کیا اور کہا کہ میں تو اس آدمی کو جانتا تک نہیں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد چند اَور آدمیوں نے کہا کہ تُو بھی اس شخص کے ساتھیوں میں سے ہے کیونکہ تیری بولی سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ ''اس پر وہ لعنت کرنے اور قسم کھانے لگا کہ میں اس آدمی کو نہیں جانتا''۔7 اور جب اس نے تیسری بار انکار کیا اور مسیح پر لعنت ڈالی تو اُس وقت مُرغ نے اذان دی اور پطرس کو حضرت مسیحؑ کی یہ

بات یاد آ گئی کہ آج رات تُو مُرغ کے بانگ دینے سے پہلے تین بار میرا انکار کرے گا۔

یہ اُن لوگوں کا حال تھا جو حضرت مسیحؑ پر ایمان لائے مگر جہاں اپنے ساتھیوں کی تربیت اور دشمنوں کی اصلاح میں بائبل کی رُو سے حضرت مسیحؑ بھی ناکام رہے اور حضرت موسیٰؑ بھی ناکام رہے وہاں اگر کوئی نبی کامیاب ہوا ہے تو صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کامیاب ہوئے ہیں جنہوں نے اپنے دشمنوں میں بھی اتنی محبت پیدا کر دی کہ وہ آپ پر جانیں قُربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اِس سے نہ صرف آپ کی زبردست قوّتِ قدسیہ کا ثبوت ملتا ہے بلکہ اسلام اور دوسرے مذاہب میں ایک عظیم الشان فرق بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اسلام نے جو محبتِ الٰہیہ کے حصول کا طریق بتایا ہے وہ اتنا آسان ہے کہ اس پر چلنے کے نتیجہ میں خدا خود انسان کو کھینچ کر آسمان پر لے جاتا ہے۔ دوسرے مذاہب میں انسان زور لگاتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے ملنے کی جدوجہد کرتے ہیں لیکن اسلام یہ سکھاتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ کے اندر تمہارے ملنے کی تڑپ پائی جاتی ہے اور وہ آپ تمہیں کھینچ کر اپنے قریب کر لیتا ہے''۔ (الفضل 18 جون 1958ء صفحہ 4، 5)

1: مسلم کتاب الجهاد باب غزوة حنين صفحہ 790 حدیث نمبر 4615 مطبوعہ ریاض 2000ء الطبعة الثانية

2: السيرة الحلبية جلد 3 صفحہ 228 مطبوعہ بیروت 2012ء

3: گنتی باب 12 آیت 1 پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور 2011ء

4: متی باب 26 آیت 21 تا 23 پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور 2011ء

5: متی باب 26 آیت 14، 15 پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور 2011ء (میں تیس روپے کا ذکر ہے)

6: متی باب 26 آیت 34 پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور 2011ء

7: متی باب 26 آیت 69 تا 75 پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور 2011ء

آنحضرت ﷺ کی کامل اطاعت اور فدائیت کے نمونے

حضرت مصلح موعود نے 6 جون 1958ء کو بمقام مری خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

'' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی کامل اطاعت اور کامل فرمانبرداری ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو سچا مومن بناتی ہے ورنہ وہ اگر دس کروڑ دفعہ بھی کلمہ پڑھ کر اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے تو وہ کذّاب اور جھوٹا ہے۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ اِسی حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ[1] یعنی کامل فرمانبرداری اور اطاعت کے سوا اگر کوئی اَور طریق اختیار کرے تو اسے کسی صورت میں بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ پس صرف منہ سے مسلمان کہنا یا احمدی کہلا لینا کسی کو فائدہ نہیں دے سکتا جب تک کامل فرمانبرداری اور اطاعت کا نمونہ نہ دکھایا جائے۔

میں دیکھتا ہوں کہ اکثر احمدی چندہ تو دینے لگ گئے ہیں اور ان کا ایک معتد بہ حصہ نمازیں بھی باقاعدہ پڑھتا ہے لیکن جب سے پاکستان بنا ہے بعض احمدیوں میں سے پردہ اُٹھ گیا ہے اور زیادہ تر یہ نقص مالداروں میں پایا جاتا ہے۔ مجھے تعجب آتا ہے کہ یہ بے غیرت اور بزدل لوگ جنہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں مانی انہوں نے اپنی قوم کی کیا خدمت کرنی ہے۔ قوم کی خدمت کرنے والے تو وہ لوگ تھے جنہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا ایسا شاندار نمونہ دکھایا

کہ آج بھی تاریخ کے صفحات میں اُن کے واقعات پڑھ کر انسان کا دل محبت کے جذبات کے ساتھ لبریز ہو جاتا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ عربوں میں پردہ کا کوئی رواج نہیں تھا بلکہ اسلام میں بھی شروع میں پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا۔ اُس زمانہ میں خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں بھی پردہ نہیں کیا کرتی تھیں مگر جب پردہ کا حکم نازل ہو گیا تو ایک نوجوان نے اپنے رشتہ کے لیے ایک گھر پسند کیا۔ باپ نے کہا مجھے تمہارا رشتہ منظور ہے، تم بڑے اچھے آدمی ہو، خوش شکل ہو اور اپنی روزی بھی کماتے ہو اس لیے مجھے تمہیں رشتہ دینے میں کوئی عُذر نہیں۔ اس نے کہا اگر آپ تیار ہیں تو پھر لڑکی دکھا دیں۔ بغیر دیکھنے کے میں کس طرح شادی کرلوں۔ باپ کہنے لگا کہ میں لڑکی دکھانے کے لیے تیار نہیں۔ وہ اُسی وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! میں نے فلاں جگہ شادی کرنے کا ارادہ کیا ہے مگر مجھے معلوم نہیں کہ لڑکی کی شکل کیسی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک دفعہ اُسے دیکھ لوں تا کہ میری تسلّی ہو جائے۔ آپ نے فرمایا بیشک پردے کا حکم نازل ہو چکا ہے مگر یہ غیر عورت کے لیے ہے۔ جس لڑکی کے ساتھ رشتہ طے ہو جائے اور ماں باپ بھی منظور کرلیں اگر اُسے لڑکا دیکھنا چاہے تو ایک دفعہ دیکھ سکتا ہے۔ تم اُس کے باپ کے پاس جاؤ اور میری طرف سے کہہ دو کہ وہ تمہیں لڑکی دکھا دے۔ اگر رشتہ کا سوال نہ ہوتب تو بیشک پردہ ہوگا لیکن اگر کوئی شخص کسی جگہ رشتہ کرنے پر رضامند ہو جائے اور لڑکی کے ماں باپ بھی راضی ہو جائیں تو تسلّی کرنے کے لیے اُسے ایک دفعہ دیکھنا جائز ہے۔ وہ گیا اور اُس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام اُسے پہنچا دیا مگر معلوم ہوتا ہے اُس لڑکی کے باپ کے اندر ابھی اسلام پوری طرح راسخ نہیں ہوا تھا۔ جب اُس نے کہا کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ آیا ہوں اور آپؐ نے فرمایا ہے کہ جب تمہارا ایک جگہ رشتہ طے ہو گیا ہے تو اب وہ تمہاری منسوبہ ہے اور منسوبہ کو شادی سے پہلے تسلّی کے لیے دیکھنا جائز ہے تو باپ کہنے لگا میں ایسا بے غیرت نہیں ہوں کہ

تمہیں اپنی لڑکی دکھا دوں۔ تمہاری مرضی ہے رشتہ کرو یا نہ کرو۔ جس وقت اُس نے یہ بات کہی اُس کی لڑکی پردہ میں بیٹھی ہوئی سب باتیں سُن رہی تھی۔ وہ جھٹ اپنا منہ کھول کر سامنے آ گئی اور کہنے لگی میں ایسے باپ کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں جو کہتا ہے کہ مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بھی پروا نہیں۔ میں اب تمہارے سامنے آ گئی ہوں تم مجھے دیکھ لو۔2 مگر وہ نوجوان بھی بڑے ایمان والا تھا۔ اس نے جھٹ اپنی آنکھیں نیچی کر لیں اور گردن جھکا لی اور کہنے لگا کہ میں تیرے جیسی مومن عورت کی شکل دیکھے بغیر ہی تجھ سے شادی کروں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ جس عورت کے اندر اتنا اخلاص اور ایمان پایا جاتا ہے اُس کی شکل دیکھ کر اُس کی ہتک کروں۔ اب میں بغیر دیکھنے کے ہی نکاح کروں گا۔ چنانچہ اس نے نکاح کر لیا۔ یہ تھا اُن لوگوں کا اخلاص اور یہ تھی اُن لوگوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت۔ پردے کا حکم نازل ہو چکا تھا مگر لڑکی کہتی ہے کہ باپ بیشک مخالفت کرتا رہے میں ایسے باپ کا حکم ماننے کے لیے تیار نہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت کرنے والا نہیں۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا ہے کہ منسوبہ کی شکل دیکھنی جائز ہے تو میرا باپ کون ہے جو اس میں روک بنے۔ میں اب تمہارے سامنے کھڑی ہوں تم مجھے دیکھ لو۔ اور اُس نوجوان کا اخلاص دیکھو کہ وہ کہتا ہے میں ایسا ایمان رکھنے والی عورت کو دیکھ کر اُس کی ہتک کرنا نہیں چاہتا۔ میں اب بغیر دیکھے ہی اس سے شادی کروں گا۔ یہی لوگ تھے جو اسلام کے لیے اپنی جانیں بلا دریغ قُربان کرتے چلے جاتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھ لیا ہے اور اب ہماری ہر چیز اُن کی ہو گئی ہے۔

اُحد کے موقع پر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق غلط فہمی سے یہ مشہور ہو گیا کہ آپ شہید ہو گئے ہیں تو مدینہ کی عورتیں پاگل ہو کر اپنے گھروں سے نکلیں اور اُحد کی طرف دوڑ پڑیں۔ اُحد مدینہ سے آٹھ نو میل کے فاصلہ پر تھا۔ ایک عورت اسی

جنون میں دوڑی چلی آ رہی تھی کہ اُسے سامنے سے اسلامی لشکر واپس لَوٹتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ ایک صحابی کے پاس پہنچی اور کہنے لگی مجھے بتاؤ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ وہ چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ اور سلامت دیکھ چکا تھا اور اُس کا دل مطمئن تھا اس لیے بجائے اِس کے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اُسے کوئی جواب دیتا اُس نے چاہا کہ اس عورت سے تعلق رکھنے والی جو بات ہے وہ میں اسے بتا دوں۔ چنانچہ وہ کہنے لگا بی بی! مجھے بڑا افسوس ہے کہ تیرا باپ اِس جنگ میں مارا گیا ہے۔ وہ کہنے لگی میں نے تجھ سے اپنے باپ کے متعلق نہیں پوچھا، میں تو تجھ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھ رہی ہوں کہ آپ کا کیا حال ہے؟ وہ کہنے لگا بی بی! مجھے بڑا افسوس ہے کہ تیرا خاوند بھی اس جنگ میں مارا گیا ہے۔ اُس نے پھر کہا کہ میں نے تجھ سے اپنے خاوند کے متعلق بھی نہیں پوچھا، میں تو تجھ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کر رہی ہوں۔ وہ کہنے لگا بی بی! مجھے بڑا افسوس ہے کہ تیرا بھائی بھی اِس جنگ میں مارا گیا ہے۔ وہ کہنے لگی میں نے تجھ سے اپنے بھائی کا حال بھی کب دریافت کیا ہے۔ میں نے تو یہ پوچھا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ وہ کہنے لگا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو خیریت سے ہیں۔ اُس نے کہا اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خیریت سے ہیں اور آپ زندہ ہیں تو خواہ میرا باپ مارا جائے یا خاوند مارا جائے یا بھائی مارا جائے۔ مجھے اس کی کوئی پروا نہیں۔ مجھے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی ضرورت ہے۔3 پھر وہ آگے دوڑ پڑی اور اُس نے کہا مجھے بتاؤ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہاں کھڑے ہیں تا کہ میں اپنی آنکھوں سے بھی آپ کو دیکھ لوں اور مجھے یقین ہو جائے کہ آپ زندہ اور سلامت ہیں۔ جب اُس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جگہ تندرست کھڑے دیکھا تو وہ دوڑ کر آپ کے پاس پہنچی۔ اُس نے آپ کا دامن پکڑ لیا اور اسے محبت کے ساتھ بوسہ دیتے ہوئے کہا کہ یارسول اللہ! آپ نے یہ کیا کیا کہ آپ کے متعلق ایسی خبر مشہور ہو گئی۔

گویا اس صدمہ اور جنون کی حالت میں اُسے یہ بھی ہوش نہ رہا کہ کیا کوئی آپ بھی اپنے متعلق ایسی خبر مشہور کیا کرتا ہے اور کہنے لگی یارسول اللہ! یہ جھوٹی خبر بھی آپ کے متعلق کیوں مشہور ہوگئی۔ یہ وہ بہادر عورتیں تھیں جنہیں اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں کسی اَور چیز کی پروانہیں ہوتی تھی کیونکہ ان کے اندر سچا ایمان پایا جاتا تھا وہ جانتی تھیں کہ اصل چیز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے۔ اگر اس راستہ میں ہمارا باپ مارا جاتا ہے یا خاوند مارا جاتا ہے یا بھائی مارا جاتا ہے تو ہمیں خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے اس صدمہ کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیے اور خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کو سب سے مقدّم سمجھنا چاہیے۔

اسی طرح جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُحد سے واپس آ رہے تھے تو ایک انصاری جن کا ایک بھائی اس جنگ میں مارا گیا تھا اِس فخر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے کی باگ پکڑے چلے آ رہے تھے کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیریت سے مدینہ میں لے آئے ہیں۔ جب آپ مدینہ کے دروازہ پر پہنچے تو وہاں ایک عورت کھڑی تھی۔ وہ انصاری کہنے لگے یارسول اللہ! میری ماں۔ یارسول اللہ! میری ماں۔ ان کا منشا یہ تھا کہ یہ میری بُڑھیا ماں ہے اور اس کا بیٹا جنگ میں مارا گیا ہے جس کی وجہ سے اسے شدید صدمہ ہوگا، آپ اس کی دلداری فرمائیں۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا مائی! مجھے بڑا افسوس ہے کہ تیرا بیٹا اِس جنگ میں مارا گیا ہے۔ اس کی بینائی کمزور تھی، اس نے بتر بتر دیکھنا[4] شروع کر دیا کہ یہ آواز مجھے کہاں سے آ رہی ہے۔ جب اس کی نظر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر ٹِک گئی اور اس نے آپ کو پہچان لیا تو وہ کہنے لگی یارسول اللہ! آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں؟ جب آپ سلامت ہیں تو پھر میرے بیٹے کی وفات کیا چیز ہے کہ اس کا ذکر کیا جائے۔[5]

قُربانی اور اخلاص اور فدائیت کے یہ عظیم الشان نمونے صحابہؓ نے اسی لیے

دکھائے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سچے دل سے ایمان لائے تھے اور ہر قدم پر آپ کی اطاعت کرنا فرض سمجھتے تھے۔ چنانچہ سر ولیم میور اپنی کتاب ''لائف آف محمدؐ'' میں لکھتا ہے کہ احزاب میں کفار کا اتنا بڑا لشکر جمع ہوا مگر پھر بھی شکست کھا گیا۔ اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ کفار سے ایک سیاسی غلطی ہوئی اور وہ یہ کہ جب وہ خندق پار کر کے اُس طرف آ جاتے تھے جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ تھا تو وہ بیوقوفی سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی طرف بڑھنا شروع کر دیتے تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آپ پر اتنے فدا تھے کہ جب وہ سمجھتے تھے کہ ان لوگوں کا منشا یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں تو مرد، عورتیں اور بچے پاگلوں کی طرح دشمن کے لشکر کے سامنے آ جاتے تھے اور اُس کو شکست ہو جاتی تھی۔ اگر وہ یہ بیوقوفی نہ کرتے کہ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے خیمہ کی طرف رُخ کرتے تو ممکن ہے اُن کو احزاب میں فتح ہو جاتی۔

یہ عشق کا جنون، کامل ایمان اور کامل فرمانبرداری کی وجہ سے ہی تھا۔ ان لوگوں میں تو ایمان تھا میں تو دیکھتا ہوں کہ صحیح الفطرت غیر مسلموں میں بھی غیرت ہوتی ہے۔ جب میں نے 1912ء میں حج کیا تو میں ایک اٹالین جہاز میں بیٹھ کر پہلے مصر گیا تھا اور پھر مصر سے حج کے لیے گیا تھا۔ اُس اٹالین جہاز پر ایک ڈاکٹر تھا جس کی بیوی مر چکی تھی۔ میں نے اُس سے کہا کہ تم دوبارہ شادی کیوں نہیں کرتے؟ کہنے لگا کہ میں اگر شادی کروں گا تو ایشیا میں کروں گا میں یورپ میں نہیں کروں گا۔ اس کی طبیعت کچھ مذاقیہ تھی۔ اُس نے نقل کر کے مجھے دکھایا اور کہا کہ یورپین عورت جب خاوند آتا ہے تو منہ بسور کے بیٹھ جاتی ہے اور جب غیروں کے سامنے جاتی ہے تو پوڈر اور لپ سٹک لگاتی ہے۔ میں ایسی عورت سے شادی نہیں کروں گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی شرط نہیں غیرت مند انسان خواہ کسی مذہب کا ہو ایسی حرکات سے پرہیز کرنا پسند کرتا ہے۔

پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ کناروں پر کھڑے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے مسجد میں جگہ تنگ تھی اور لوگوں نے کناروں پر کھڑے ہو کر خطبہ سننا شروع کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو فرمایا بیٹھ جاؤ۔ ایک صحابیؓ اُس وقت مسجد کی طرف آ رہے تھے اور ابھی گلی میں ہی تھے کہ اُن کے کانوں میں یہ آواز پہنچ گئی اور وہ اُسی وقت زمین پر بیٹھ گئے اور انہوں نے گھِسٹ گھِسٹ کر مسجد کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ کوئی شخص پیچھے سے آ رہا تھا۔ وہ انہیں دیکھ کر کہنے لگا آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ اتنے بڑے آدمی ہو کر آپ نے اکڑوں بیٹھ کر پَیروں کے بَل چلنا شروع کر دیا ہے؟ انہوں نے کہا میرے کان میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابھی یہ آواز آئی تھی کہ بیٹھ جاؤ۔ اس لیے میں یہ آواز سنتے ہی بیٹھ گیا۔ وہ کہنے لگا یہ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں سے کہا ہو گا جو مسجد میں کھڑے ہوں گے آپ سے تو نہیں کہا۔ انہوں نے جواب دیا کہ کہا ہو گا لیکن میں نے سمجھا کہ اگر میں نے اِس حکم کی تعمیل نہ کی اور اِس وقت میری جان نکل گئی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حکم ایسا رہ جائے گا جس کی میں نے اطاعت نہیں کی ہو گی۔ اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ خواہ آپ نے کسی کو مخاطب کیا ہو، جب میرے کانوں میں آپ کی آواز پڑ گئی ہے تو میں اس کی تعمیل کروں۔6 یہ وہ اطاعت کی روح تھی جو صحابہ میں پائی جاتی تھی۔

اِسی طرح دیکھ لو شراب کی عادت کتنی خطرناک چیز ہے۔ لوگ زور لگاتے ہیں مگر یہ عادت نہیں چُھٹتی۔ عرب میں بھی اسلام سے پہلے شراب کا بہت رواج تھا۔ حتّٰی کہ امراء پانچ نمازوں کے اوقات میں پانچ دفعہ شرابیں پیا کرتے تھے اور اِس پر فخر کرتے تھے۔ جب شراب حرام ہوئی تو جس مجلس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کی حُرمت کا اعلان فرمایا اُس میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے تو سن لیا مگر وہ لوگ جو گھروں میں تھے اُن کے کانوں تک ابھی یہ بات نہیں پہنچی تھی۔ ایک جگہ شادی کی

تقریب تھی اور شراب کے مٹکے بھر کر انہوں نے رکھے ہوئے تھے۔ ایک دو مٹکے ختم ہو چکے تھے اور تین چار باقی تھے اور پھر وہ سارے کے سارے شراب کے نشہ میں مخمور تھے۔ اتنے میں ایک شخص گلی میں سے گزرا اور اُس نے کہا کہ سنو! آج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آج سے میں مسلمانوں پر شراب کی حُرمت کا اعلان کرتا ہوں۔ اُس وقت ایک آدمی نے دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا اس سے پوچھو تو سہی یہ کیا کہہ رہا ہے۔ دوسرے نے ڈنڈا اٹھایا اور شراب کے مٹکوں کو توڑ دیا۔ یہاں تک کہ وہ شراب بہتے ہوئے گلی تک پہنچ گئی۔7 وہ کہنے لگا تم نے یہ کیا کیا پہلے پوچھ تو لینا تھا کہ کیا بات ہوئی ہے۔ اُس نے کہا جب ہمارے کانوں میں یہ آواز پہنچ گئی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کو حرام کر دیا ہے تو میں پہلے مٹکا کو توڑوں گا اور پھر پوچھوں گا کہ کیا بات ہے۔ یہ وہ طریق تھا جس پر صحابہؓ نے قدم مارا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو کمال تک پہنچا دیا۔ (الفضل 27 جون 1958ء صفحہ 2 تا 4)

1: آل عمران: 86

2: ابن ماجه كتاب النكاح باب النظر الى المرأة اذا اراد ان يتزوجها صفحہ 267 حدیث نمبر 1866 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الاولٰی

3: السيرة النبوية لابن هشام الجزء الثانی صفحہ 880 زیر عنوان ''شأن المرأة الدينارية'' مطبوعہ دمشق 2005ء

4: **بتر بتر دیکھنا**: ٹکٹکی لگا کر دیکھنا (پنجابی اردو لغت صفحہ 210 مرتبہ تنویر بخاری مطبوعہ لاہور 1989ء)

5: السيرة الحلبية جلد 2 صفحہ 530 مطبوعہ بیروت 2012ء

6: ابو داؤد كتاب الصلوٰة باب الامام يكلم الرجل فی خطبته صفحہ 165 حدیث نمبر 1091 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الاولیٰ

7: بخاری كتاب التفسير تفسير سورة المائدة باب لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صفحہ 790 حدیث نمبر 4620 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الاولیٰ

اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان اور توکل

حضرت مصلح موعود نے 8 اگست 1958ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

''احادیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ مدینہ کے قریب پہنچ کر آپ دوپہر کے وقت آرام فرمانے کے لیے ایک درخت کے نیچے لیٹ گئے اور صحابہؓ بھی اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ کیونکہ انہوں نے سمجھا کہ اب تو مدینہ قریب ہی آ گیا ہے اب کسی دشمن کے حملہ کا کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔ اتفاقاً ایک شخص جس کا بھائی کسی جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا اپنے بھائی کا انتقام لینے کے لیے اسلامی لشکر کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا اور حملہ کے لیے کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھا۔ اُس نے جب دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے ہیں اور صحابہؓ بھی اِدھر اُدھر چلے گئے ہیں تو اُس نے آپ کے پاس پہنچ کر آپ کی ہی تلوار اُٹھا لی جو درخت کے ساتھ لٹکی ہوئی تھی اور پھر اُس نے آپ کو جگایا اور کہا کہ بتائیں اب آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی طرح لیٹے لیٹے نہایت اطمینان اور سکوت کے ساتھ فرمایا کہ اللہ۔ آپ کا یہ فرمانا تھا کہ اُس کا جسم کانپا اور تلوار اُس کے ہاتھ سے گر گئی۔ آپ نے فوراً وہی تلوار اُٹھا لی اور پھر اُس سے پوچھا کہ اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے؟ اُس نے کہا آپ ہی مہربانی کریں اور مجھے معاف فرما دیں، آپ بڑے رحیم و کریم ہیں۔ آپ نے فرمایا کمبخت! تجھے اب بھی عقل نہ آئی تُو نے کم از کم میری زبان سے ہی اللہ کا لفظ سن کر کہہ دینا تھا کہ اللہ مجھے بچا سکتا ہے مگر میری زبان سے بھی اللہ کا نام سن کر تجھے

سمجھ نہ آئی اور تُو نے خدا کا نام نہ لیا۔1‘‘ (الفضل 27 اگست 1958ء صفحہ 4)

15 اگست 1958ء کے خطبہ جمعہ میں اس واقعہ کو یوں بیان فرمایا:۔

’’رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ ذات الرقاع سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ ایک شخص جس کا بھائی کسی جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا اور جس نے قسم کھائی تھی کہ میں اپنے بھائی کا ضرور بدلہ لوں گا وہ اسلامی لشکر کے پیچھے پیچھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کے ارادہ سے چل پڑا۔ اُس نے بڑی کوشش کی مگر اسے حملہ کا کوئی موقع نہ ملا کیونکہ صحابہؓ آپ کی بڑی حفاظت کرتے تھے۔ جب مدینہ صرف چند میل رہ گیا تو صحابہؓ مطمئن ہو گئے اور ایک جگہ وہ کھانا پکانے کے لیے اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حفاظت کے لیے کوئی شخص نہ رہا۔ آپ ایک درخت کے نیچے آرام فرمانے کے لیے لیٹ گئے اور آپ کو نیند آ گئی۔ وہ شخص جو آپ کے تعاقب میں آ رہا تھا اُس نے اِس موقع کو غنیمت سمجھا اور آپ کے قریب آ کر اُس نے آپؐ کی تلوار اُٹھائی اور پھر آپ کو جگا کر کہنے لگا کہ بتائیں اب آپ کو کون بچا سکتا ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی طرح لیٹے لیٹے نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ فرمایا اللہ۔ آپ کی زبان سے یہ لفظ نکلا ہی تھا کہ اس کے ہاتھ کانپ گئے اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً وہ تلوار اپنے ہاتھ میں پکڑ لی اور پھر اُس سے فرمایا کہ بتا اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے؟ اُس نے کہا آپ ہی مہربانی کریں اور معاف فرما دیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور آپ نے فرمایا تم میرے منہ سے اللہ کا لفظ سن کر ہی اس کی نقل کر لیتے اور کہہ دیتے کہ اللہ بچائے گا مگر تم سے اتنا بھی نہ ہو سکا اور تم نے پھر بھی یہی کہا کہ آپ ہی مہربانی کریں۔2 غرض اللہ تعالیٰ جب بچانے پر آتا ہے تو بغیر سامانوں کے بھی بچا لیتا ہے۔ (الفضل 5 ستمبر 1958ء صفحہ 4، 5)

حضرت مصلح موعود نے 31 اکتوبر 1958ء کے خطبہ جمعہ میں اس واقعہ کو اس

انداز میں بیان فرمایا:۔

''احادیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ ایک جنگ کے لیے باہر تشریف لے گئے۔ جب آپ واپس آئے تو ایک شخص جس کا بھائی مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا آپؐ کے پیچھے پیچھے آیا تا کہ اُسے کوئی موقع ملے تو آپؐ کو قتل کر دے لیکن مدینہ تک اُسے کوئی موقع نہ ملا۔ جب مدینہ کے قریب آ کر فوج مطمئن ہوگئی اور صحابہ آرام کرنے یا کھانا پکانے کے لیے اِدھر اُدھر پھیل گئے تو آپؐ بھی ایک درخت کے نیچے لیٹ گئے اور تلوار درخت سے لٹکا دی۔ جب آپؐ لیٹ گئے تو وہی شخص آیا اور اس نے آپؐ کی تلوار اُٹھا لی اور آپؐ کو جگا کر کہا کہ بتائیں اب آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی طرح لیٹے لیٹے نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ فرمایا ''اللہ''۔ اُس پر اِس قدر رُعب طاری ہوا کہ اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً وہی تلوار پکڑ لی اور کھڑے ہو گئے اور فرمایا اب تم بتاؤ تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے؟ کہنے لگا آپ ہی رحم کریں تو کریں۔ آپؐ نے فرمایا کمبخت! میرے منہ سے ''اللہ'' کا نام سن کر بھی تیرے منہ سے ''اللہ'' کا لفظ نہ نکلا۔ میں نے ''اللہ'' کہا تھا تُو بھی ''اللہ'' کہہ دیتا۔ وہ کہنے لگا یہ طاقت آپ ہی کی تھی۔ میرے منہ سے تو ''اللہ'' کا لفظ نہیں نکلتا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ آپ ہی اگر مجھے چھوڑ دیں تو چھوڑ دیں۔ چنانچہ آپ نے اُسے چھوڑ دیا۔3'' (الفضل 21 نومبر 1958ء صفحہ 4)

1: السیرۃ النبویۃ فی فتح الباری جزء ثانی صفحہ 361 مطبوعہ کویت 2001ء

2: بخاری کتاب الجهاد باب من علق سیفه بالشجر صفحہ 481 حدیث نمبر 2910 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

3: بخاری کتاب المغازی باب غزوة ذات الرقاع صفحہ 700 حدیث نمبر 4136 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

آنحضور ﷺ کے لئے حضرت ابوبکرؓ کی جانثاری

حضرت مصلح موعود نے 5 ستمبر 1958ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

''اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ ان لوگوں کو برکتیں ملتی ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اولاد ہیں۔ اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ حضرت امام حسنؓ اور حسینؓ بھی سید تھے مگر ابوبکرؓ اور عمرؓ ان سے کم سید نہ تھے۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد تھے اور ایسے مخلص تھے کہ انہوں نے آپؐ کے لیے اپنی جانیں قربان کرنے سے ذرا بھی دریغ نہیں کیا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوٰی فرمایا تو مکہ والوں نے آپؐ کی سخت مخالفت کی۔ ایک دفعہ آپ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آپ سجدہ میں گئے تو بعض شریروں نے آپ کی پیٹھ پر اونٹ کی اوجھڑی لا کر رکھ دی اور چونکہ وہ بڑی بھاری تھی آپ سجدہ سے سر نہ اُٹھا سکے۔ حضرت فاطمہؓ کو اِس بات کا علم ہوا تو وہ روتی ہوئی آئیں اور انہوں نے آپ کی پیٹھ پر سے اوجھڑی ہٹائی۔1

اِسی طرح ایک دفعہ کُفّار نے آپ کے گلے میں پٹکا ڈال کر زور سے کھینچنا شروع کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم ہوا تو وہ دوڑے ہوئے آئے اور آپ نے اُن کُفّار کو ہٹایا اور فرمایا اے لوگو! تمہیں خدا کا خوف نہیں آتا کہ تم ایک شخص کو محض اس لیے مارتے پیٹتے ہو کہ وہ کہتا ہے اللہ میرا ربّ ہے۔2 وہ تم سے کوئی جائیداد تو نہیں مانگتا۔ پھر تم اُسے کیوں مارتے ہو؟

صحابہؓ کہتے ہیں ہم اپنے زمانہ میں سب سے بہادر حضرت ابوبکرؓ کو سمجھتے تھے کیونکہ دشمن جانتا تھا کہ اگر میں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مار لیا تو اسلام ختم

ہو جائے گا اور ہم نے دیکھا کہ ہمیشہ ابوبکرؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے ہوتے تھے تا کہ جو کوئی آپ پر حملہ کرے اُس کے سامنے اپنا سینہ کر دیں۔ چنانچہ جب بدر کے موقع پر کُفّار سے مڈھ بھیڑ ہوئی تو صحابہؓ نے آپس میں مشورہ کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک عرشہ تیار کر دیا اور انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! آپ اس عرشہ پر تشریف رکھیں اور ہماری کامیابی کے لیے دعا کریں دشمنوں سے ہم خود لڑیں گے۔ پھر انہوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ گو ہمارے اندر بھی اخلاص پایا جاتا ہے مگر وہ لوگ جو مدینہ میں بیٹھے ہیں وہ ہم سے بھی زیادہ مخلص اور ایماندار ہیں۔ انہیں پتا نہیں تھا کہ کُفّار سے جنگ ہونے والی ہے ورنہ وہ لوگ بھی اِس لڑائی میں ضرور شامل ہوتے۔ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! اگر خدانخواستہ اِس جنگ میں ہمیں شکست ہو تو ہم نے ایک تیز رفتار اونٹنی آپ کے پاس باندھ دی ہے اور ابوبکرؓ کو آپ کے پاس کھڑا کر دیا ہے۔ ان سے زیادہ بہادر اور دلیر آدمی ہمیں اپنے اندر اَور کوئی نظر نہیں آیا۔ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! آپ فوراً ابوبکر کے ساتھ اِس اونٹنی پر بیٹھ کر مدینہ تشریف لے جائیں اور وہاں سے ایک نیا لشکر کُفّار کے مقابلہ کے لیے لے آئیں جو ہم سے بھی زیادہ مخلص اور وفادار ہوگا۔[3]'' (الفضل 3 اکتوبر 1958ء صفحہ 5)

1: بخاری کتاب الصلوٰۃ باب المرأۃ تطرح عن المصلی شیئا صفحہ 88 حدیث نمبر 520 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعۃ الثانیۃ

2: بخاری کتاب مناقب الانصار باب ما لقی النبی ﷺ واصحابہ صفحہ 647 حدیث نمبر 3856 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعۃ الثانیۃ

3: السیرۃ النبویۃ لابن ھشام الجزء الاوّل صفحہ 681 زیرعنوان ''بناء العریش لرسول اللّٰہ'' مطبوعہ دمشق 2005ء

آنحضرت ﷺ کی وفات پر حضرت ابوبکرؓ کا عظیم نمونہ

حضرت مصلح موعود نے 21 نومبر 1958ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

''احادیث سے پتا لگتا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو صحابہؓ اس غم میں پاگلوں کی طرح ہو گئے۔ حتّٰی کہ حضرت عمرؓ جیسے مومن نے بھی کہنا شروع کر دیا کہ اگر کسی نے یہ بات کہی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں تو میں اُس کی گردن اُڑا دوں گا۔[1] رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح احکام لینے آسمان پر گئے ہیں۔ وہاں سے وہ واپس آئیں گے اور منافقوں کو ماریں گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو آپ مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا اَلَا مَنْ کَانَ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ[2] اے لوگو! تم میں سے جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کیا کرتا تھا اُسے یاد رکھنا چاہیے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا اسے یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا۔

اب دیکھو باوجود اِس کے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا صحابہؓ کو شدید صدمہ تھا اتنا صدمہ کہ آپ کے ایک صحابی نے یہ شعر کہے کہ

کُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِیْ فَعَمِیَ عَلَیَّ النَّاظِرُ

مَنْ شَاءَ بَعْدَکَ فَلْیَمُتْ فَعَلَیْکَ کُنْتُ اُحَاذِرُ[3]

یعنی اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تُو تو میری آنکھ کی پُتلی تھا تیرے مرنے کے بعد آج میری آنکھ اندھی ہوگئی ہے۔ اب تیرے مرنے کے بعد کوئی شخص مرے مجھے اس کی موت کی پروانہیں۔ مجھے تو صرف تیری موت کا ڈر تھا۔ اب تیری موت کے بعد زید مرے، بکر مرے یا کوئی اَور مرے مجھے اس کی کوئی فکر نہیں۔ پھر بھی ان کی محبت حضرت ابوبکرؓ کی محبت سے زیادہ نہ تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی انسان کو خلیل بنانا جائز ہوتا تو میں ابوبکر کو خلیل بناتا۔[4] پھر انہوں نے اسلام کی خاطر اتنی عظیم الشان قربانیاں کی تھیں کہ ان کے مقابلہ میں دوسرے صحابہؓ کی قربانیاں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتیں۔

ایک جنگ کے موقع پر جبکہ سخت تنگی کا زمانہ تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چندہ کے لیے اعلان کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے سمجھا آج میں چندہ میں سب سے بڑھ جاؤں گا۔ میں نے اپنی دولت کے دو حصے کر دیئے۔ ایک حصہ اپنے گھر میں رکھا اور ایک حصہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا اور میں نے سمجھا کہ آج میرا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ لیکن میرے پہنچنے سے پہلے ہی حضرت ابوبکرؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ چکے تھے اور جو کچھ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا تھا اُس کو دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے ابوبکر! تم نے اپنا سب مال چندہ میں دے دیا؟ تم نے اپنے گھر میں کیا رکھا ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! گھر میں خدا اور اس کے رسول کے سوا اَور کچھ نہیں۔ تب حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں شرمندہ ہوگیا اور میں نے سمجھ لیا کہ یہ بڈھا جو ہر میدان میں مجھ سے بازی لے جاتا ہے آج بھی بڑھ گیا ہے۔[5] میں نے اپنی طرف سے بہت زیادہ قربانی کی تھی لیکن اس نے مجھ سے بھی زیادہ قربانی کی ہے۔

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی قربانی کرنے والے انسان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو محبت ہوگی وہ اَور کسی کو نہیں ہوسکتی۔ مگر باوجود اس کے اِس نے اُس موقع پر ایسا صبر دکھایا کہ جن لوگوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ قرار دیا تھا ان پر خوش ہونے کی بجائے کہ وہ آپ کے محبوب کو زندہ قرار دیتے تھے اس نے ان پر ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا زندہ رہنے والا صرف خدا ہی ہے جو شخص خدا تعالیٰ کے سوا کسی اَور کو زندہ قرار دیتا ہے وہ یقیناً مشرک ہے اور میں مشرک نہیں ہوں۔

پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب آپ کا تیار کردہ لشکر حضرت اُسامہؓ کی کمان میں شام جانے لگا تو صحابہؓ کے مشورہ سے خود حضرت عمرؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا اِس وقت سارا عرب مرتد ہوگیا ہے۔ یہ مناسب نہیں کہ مدینہ کے سب لڑنے والے سپاہی باہر بھیج دیئے جائیں۔ آپ اِس وقت لشکر کو روک لیں تا کہ پہلے منافقوں کا مقابلہ کرلیا جائے۔ جب وہ تباہ ہو جائیں گے اور اسلام پھر نئے سرے سے قائم ہو جائے گا تو شام کو فتح کر لیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ جو بظاہر بڑے نرم دل تھے اور لڑائی کرنے والے نہیں سمجھے جاتے تھے کہنے لگے عمر! تم یہ کہتے ہو کہ میں اسامہ کے لشکر کو روک لوں حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں خود اِس لشکر کو تیار کیا تھا اور آپ نے فرمایا تھا کہ یہ لشکر شام کو بھجوایا جائے۔ کیا میں آپ کا خلیفہ بن کر سب سے پہلا کام یہی کروں گا کہ آپ نے جو لشکر تیار کیا تھا اُس کو روک لوں؟ یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ حضرت عمرؓ نے کہا مدینہ کے اردگرد کے تمام قبائل مرتد ہو گئے ہیں وہ مدینہ پر حملہ کریں گے اور تھوڑے ہی دنوں میں مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا عمر! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کے لحاظ سے مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کہ کیا ہوگا۔ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو بہرحال پورا کروں گا۔ اگر مدینہ میں سارے منافق آ جائیں اور تم مجھے سب چھوڑ کر چلے جاؤ تب بھی میں اکیلا

ان سب کا مقابلہ کروں گا اور خدا کی قسم! اگر مدینہ کی گلیوں میں عورتوں کی نعشوں کو کُتّے گھسیٹتے پھریں تب بھی میں اِس لشکر کو نہیں روکوں گا جس لشکر کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھجوانے کے لیے تیار کیا تھا6 مگر باوجود اِس عشق اور محبت کے آپ کو اللہ تعالیٰ کی توحید اتنی پیاری تھی کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ زندہ ہیں تو آپ نے کہا یہ شرک ہے میں اسے تسلیم نہیں کر سکتا۔ شرک اسلام میں جائز نہیں۔ میں تو وہی بات کہوں گا جو خدا تعالیٰ سے ثابت ہے۔ چنانچہ آپ نے توحید کو قائم رکھا اور حضرت اسامہؓ کے لشکر کو بھجوا دیا۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ایسی تائید فرمائی کہ منافق بھی شکست کھا گئے اور شام میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت اسامہؓ کو فتح اور غلبہ دیا۔ بیشک شام کی فتح کی تکمیل حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جا کر ہوئی لیکن حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اس کی ابتدا ہوگئی تھی۔ اِس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کے ایمان کا بھی انہیں بدلہ دے دیا اور اُن کے ذریعہ اسلام کو بڑی بھاری فتوحات ہوئیں۔ مگر حضرت ابوبکرؓ کا ایمان اس سے ثابت ہو گیا کہ انہوں نے اپنے محبوب ترین وجود کے متعلق بھی کوئی ایسی بات برداشت نہ کی جو خدا تعالیٰ کی توحید کے منافی تھی۔ اور جب کسی نے کہا کہ وہ زندہ ہیں تو آپ نے فرمایا ہرگز نہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی دائمی طور پر زندہ ہے اور وہ کبھی نہیں مرے گا۔ میں موجود ہوں اور یہی تعلیم مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد ہی میں اس تعلیم کو بھول جاؤں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سن کر آپ تشریف لائے تو آپ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا۔7 یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ پر جسمانی موت بھی آئے اور روحانی موت بھی آئے۔ یعنی آپ کی موت کے ساتھ آپ کا مذہب بھی ضائع ہو جائے۔ آپ کا مذہب بہرحال قائم رہے گا۔ جسمانی موت آئی ہے لیکن آپ پر

روحانی موت نہیں آ سکتی۔'' (الفضل 26 دسمبر 1958ء صفحہ 3، 4)

1: اسد الغابة جلد 3 صفحہ 125 زیرعنوان ''عبداللّٰہ بن عثمان، مطبوعہ بیروت 2006ء

2: بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم باب لو کنت متخذا خلیلا ..... صفحہ 615، 616 حدیث نمبر 3668 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

3: دیوان حسان بن ثابت للدکتور عمر فاروق الطباع صفحہ 88 مطبوعہ بیروت 2012ء

4: بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم باب لو کنت متخذا خلیلا صفحہ 614 حدیث نمبر 3656 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

5: ترمذی ابواب المناقب باب رجاء ہ ان یکون ابوبکر ممن یدعی صفحہ 836، 837 حدیث نمبر 3675 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الاولیٰ

6: تاریخ الخلفاء (اردو) علامہ جلال الدین سیوطی صفحہ 108 مطبوعہ لاہور 2002ء

7: السیرة النبویة لابن هشام الجزء الثانی صفحہ 1460 زیرعنوان ''موقف ابی بکر بعد وفاة الرسول ﷺ''، مطبوعہ دمشق 2005ء

ابوجہل کے آنحضور ﷺ پر مظالم اور اس کے بیٹے کی قربانیاں

حضرت مصلح موعود نے 21 نومبر 1958ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

''ابوجہل کو دیکھو چونکہ اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑے بھاری ظلم کیے تھے اِس لیے باوجود اِس کے کہ اُس کے بیٹے عکرمہؓ نے بڑی قربانیاں کیں پھر بھی اُس کی اولاد اُس کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔ چنانچہ ابوجہل کی اولاد اب بھی سرگودھا کے اردگرد موجود ہے لیکن وہ اپنے آپ کو ابوجہل کی اولاد نہیں کہتے بلکہ کسی اَور کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اِس کی یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی وجہ سے ابوجہل بدنام ہو چکا ہے اور لوگ اپنے آپ کو اس کی طرف منسوب کرنا بُرا خیال کرتے ہیں حالانکہ اس کے بیٹے نے بعد میں اسلام کی بڑی خدمت کی تھی۔

ابوجہل کے مظالم یہاں تک پہنچ چکے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن گھر سے نکل کر صفا پہاڑی کے ایک پتھر پر بیٹھے ہوئے تھے اور آپ اِس بات پر غور کر رہے تھے کہ میں نے اپنی قوم کو اتنی تبلیغ کی ہے لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا۔ اتنے میں ابوجہل آپ کے پاس سے گزرا اور اُس نے آپ کو زور سے تھپّڑ مارا اور پھر اُس نے گندی گالیاں دینی شروع کر دیں۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے اٹھ کر اپنے گھر چلے گئے۔ آپ کا آبائی مکان صفا پہاڑی

کے سامنے ہی تھا۔ آپ کے مکان کا دروازہ کھلا تھا صرف پردہ لٹکا ہوا تھا جس میں سے گھر کی ایک پرانی لونڈی جس نے اپنی ساری عمر اُس گھر میں ہی گزار دی تھی یہ واقعہ دیکھ رہی تھی۔ بوڑھی لونڈیاں بھی گھر کے افراد کی طرح ہی ہو جاتی ہیں۔ اِس لونڈی نے گھر کے سب بچوں کو پالا تھا جو اَب بڑی عمر کے ہو چکے تھے۔ اس نے یہ سارا واقعہ دیکھا مگر وہ ایک عورت تھی کر ہی کیا سکتی تھی۔ غصہ میں اندر ہی اندر کُڑھتی رہی۔ یہ واقعہ نو دس بجے صبح کے قریب ہوا۔ شام کے وقت حضرت امیر حمزہؓ جنہیں شکار کا بہت شوق تھا تیر کمان کندھے پر ڈالے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ انہیں دیکھتے ہی وہ لونڈی غصہ سے آگے بڑھی اور کہنے لگی تم بڑے بہادر بنے پھرتے ہو! تمہیں پتا نہیں کہ آج تمہارے بھتیجے کے ساتھ کیا ہوا؟ میں اندر کھڑی دروازہ سے دیکھ رہی تھی۔ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) باہر پتھر پر بیٹھا تھا کہ ابوجہل آیا اور اُس نے اُسے زور سے تھپڑ مارا اور پھر اُسے گالیاں دینی شروع کر دیں۔ خدا کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُسے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ وہ اُس کی گالیاں خاموشی سے سنتا رہا اور تکلیف برداشت کرتا رہا۔ تم اتنے بہادر بنے پھرتے ہو اور ہر وقت جانوروں کا شکار کرتے رہتے ہو، تم ابوجہل کو جا کر کیوں نہیں مارتے؟ لونڈی کے منہ سے نکلی ہوئی بات حضرت حمزہؓ کے دل پر اثر کر گئی۔ وہ ابھی مسلمان تو نہیں ہوئے تھے لیکن پھر بھی اپنے بھتیجے پر زیادتی کی وجہ سے اُنہیں غیرت آئی۔ وہ وہیں سے اُلٹے واپس لوٹے اور سیدھے خانہ کعبہ میں گئے۔ رؤسائے مکہ خانہ کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور ابوجہل بڑا فخر کر رہا تھا کہ میں نے آج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مارا اور اُسے گالیاں دیں اور وہ بالکل ڈر گیا اور آگے سے بول بھی نہ سکا۔ اتنے میں حضرت حمزہؓ وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے زور سے اپنی کمان ابوجہل کے سر پر مارتے ہوئے کہا کمبخت! اگر تجھے بہادری کا دعویٰ ہے تو آ اور میرے ساتھ لڑ، ورنہ شرم کر، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تو تجھے کچھ بھی نہیں کہا تھا مگر پھر بھی تُو نے اُسے گالیاں دیں اور بُرا بھلا کہا۔ میں نے اب سارے مکہ والوں کے

سامنے تجھے مارا ہے، اگر تجھ میں ہمت ہے تو میرا مقابلہ کر۔ ابوجہل اُس وقت رؤسائے مکہ میں بڑی قدرومنزلت رکھتا تھا۔ حضرت حمزہؓ کی اس حرکت پر انہیں غصہ آیا اور وہ جوش میں اٹھے اور حضرت حمزہؓ کا مقابلہ کرنا چاہا مگر ابوجہل ایسا گھبرایا کہ وہ کہنے لگا تم حمزہ کو کچھ نہ کہو، مجھ سے ہی آج زیادتی ہوگئی تھی۔ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو صفا پہاڑی پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو مجھے غصہ آ گیا کہ کیا اِس کو اتنی جرأت ہوگئی ہے کہ یہ بھی پہاڑی پر بیٹھے، یہ تو ہمیں کُھلا چیلنج ہے۔ اس لیے میں نے اُسے گالیاں بھی دیں اور مارا بھی۔ پس حمزہ کا غصہ حق بجانب ہے۔1''

(غیر مطبوعہ مواد از خلافت لائبریری ربوہ)

1: السیرۃ النبویۃ لابن ھشام الجزء الاوّل صفحہ 339، 340 زیرعنوان ''اسلام حمزۃ'' مطبوعہ دمشق 2005ء

دشمنوں کی اولاد آپ ﷺ کی غلام بن گئی

حضرت مصلح موعود نے 5 دسمبر 1958ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

''پس اگر مسلمانوں پر چھوڑا جاتا تو وہ مکہ والوں کو کبھی زندہ نہ رہنے دیتے لیکن رب العالمین، رحمان و رحیم خدا نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو زندہ رکھو۔ اُس وقت یہ بات مسلمانوں کو بُری لگی۔ چنانچہ حضرت خالدؓ بن ولید جس دروازہ سے مکہ میں داخل ہوئے اُس طرف بعض مشرک اُن کے سامنے آ گئے اور آپ نے اُنہیں قتل کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے سخت بُرا منایا اور فرمایا میں نے تو حکم دیا تھا کہ شہر میں گھستے ہوئے کسی کو قتل نہیں کرنا چاہیے۔ خالد بن ولید نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! یہ لوگ ہمارا راستہ روک کر کھڑے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں کس نے حکم دیا تھا کہ راستہ روکنے والوں کو مار ڈالو؟ جب میں نے حکم دیا تھا کہ کسی کو نہیں مارنا تو تم نے انہیں کیوں مارا؟ پھر آخری فیصلہ جب خدا تعالیٰ نے آپ سے کرایا تو یہی کرایا کہ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یعنی تمہیں کوئی سزا نہیں ملے گی۔ جاؤ تمہیں معاف کیا جاتا ہے۔

ابوسفیان جس نے ساری عمر آپ کی مخالفت کی اس کی بیٹی حضرت اُمِّ حبیبہؓ سے آپ نے شادی کر لی تھی۔ ایک دفعہ آپ گھر پر تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ حضرت اُمِّ حبیبہؓ نے اپنے چھوٹے بھائی معاویہؓ کا سر اپنی ران پر رکھا ہوا ہے اور اُن سے پیار کر رہی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر وہ شرما گئیں اور خیال کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہیں بُرا نہ منائیں لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا معاویہ تمہیں پیارا لگتا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! آپ نے فرمایا میں بھی اس سے پیار کرتا ہوں حالانکہ وہ آپ کے شدید ترین دشمن ابوسفیان کا بیٹا تھا جس نے اُحد کے موقع پر آپ کو زخمی کرایا تھا۔ خَود کا کیل آپؐ کے سر میں گڑ گیا تھا اور آپ کے بعض دانت بھی ٹوٹ گئے تھے۔1

پھر ابوجہل آپ کا کتنا شدید دشمن تھا؟ ابوجہل کے خلاف مسلمانوں میں اِس قدر جوش تھا کہ حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ جنگ بدر کے موقع پر دو پندرہ پندرہ سالہ انصاری لڑکے میرے دائیں بائیں کھڑے تھے۔ میں لڑائی کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ ایک لڑکے نے مجھے کُہنی ماری اور کہا چچا! مجھے بتاؤ ابوجہل کون ہے؟ میں نے سنا ہے وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا دکھ دیا کرتا تھا، میں چاہتا ہوں کہ آج اُسے قتل کروں۔ حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ فرماتے ہیں میں نے ابھی اُسے کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ مجھے دوسرے لڑکے نے کُہنی ماری اور کہا چچا! ابوجہل کون ہے؟ میں نے سنا ہے کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت دکھ دیا کرتا تھا، آج میں اُسے قتل کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ فرماتے ہیں یہ دونوں لڑکے پندرہ پندرہ سال کے تھے اور میں بڑا تجربہ کار جرنیل تھا لیکن میرے وہم میں بھی نہیں آتا تھا کہ میں ابوجہل کو قتل کروں گا۔ میں نے انگلی سے اشارہ کیا اور کہا وہ ابوجہل ہے جس کے سامنے دو جرنیل ننگی تلواروں سے پہرہ دے رہے ہیں۔ میرا اشارہ کرنے کی دیر تھی کہ وہ دونوں لڑکے باز کی طرح جھپٹا مار کر گئے اور ابوجہل تک جا پہنچے۔ ابوجہل کے آگے دو جرنیل تھے جن میں سے ایک اُس کا اپنا بیٹا عکرمہ تھا انہوں نے اُن لڑکوں پر حملہ کیا جس کی وجہ سے ایک لڑکے کا بازو کٹ کر جسم کے ساتھ لٹک گیا۔ اِس پر اُس لڑکے نے کٹے ہوئے بازو پر گُھٹنا رکھ کر زور سے اُسے جھٹکا دے کر جسم سے علیحدہ کر دیا اور خود ابوجہل پر جا کُودا اور اُسے زخمی کر کے نیچے گرا دیا۔2

تو دیکھو مسلمانوں میں ابوجہل کے متعلق کتنا جوش تھا مگر رب العالمین خدا کا یہ حال تھا

کہ اُس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دکھایا کہ آپ کے لیے جنت سے انگوروں کا ایک خوشہ آیا ہے، اس کے بعد ایک اَور خوشہ لایا گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ خوشہ کس کے لیے ہے؟ فرشتہ نے کہا ابوجہل کے لیے ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں یہ سن کر کانپ گیا کہ کیا خدا تعالیٰ کا رسول بھی جنت میں جائے گا اور اس کا شدید ترین دشمن ابوجہل بھی جنت میں جائے گا؟ یہ کس طرح ہوسکتا ہے؟ لیکن جب عکرمہ مسلمان ہوئے تو آپ نے فرمایا اب میں سمجھا کہ اس خواب کی یہی تعبیر تھی۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ایک طرف تو ابوجہل کو سزا دی اور دوسری طرف اُس پر یہ احسان کیا کہ اُس کے بیٹے عکرمہ کو مسلمان بنا دیا جس نے اسلام کی خاطر بڑی بھاری قربانیاں کیں۔ اس کی قربانیوں کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے تھے لیکن وہ مسلمانوں میں بہت مقبول اور مکرّم و معزز ہوا اور روم کے مقابلہ میں ایک جنگ میں اُس نے ایسا نمونہ دکھایا کہ وہ دوسرے صحابہؓ کو پانی پلانے کی خاطر خود پیاسا مر گیا۔3 تو دیکھو یہ خدا تعالیٰ کا احسان ہے۔ خواب بھی خدا تعالیٰ ہی دکھاتا ہے انسان خود بخود تو نہیں دیکھ سکتا۔''

(الفضل 11 جنوری 1959ء صفحہ 3)

1: سیرت ابن هشام جلد3 صفحه858، 859 مطبوعه دمشق 2005ء۔

2: بخاری کتاب المغازی باب فضل من شهد بدرا صفحہ 673 حدیث نمبر 3988 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

3: الاستیعاب فی مَعْرفة الاصحاب جلد 3 صفحہ 191 مطبوعہ بیروت 1995ء

شاہِ ایران کے انجام کے بارے آپ ﷺ کی پیشگوئی

حضرت مصلح موعود نے 27 دسمبر 1958ء کو جلسہ سالانہ ربوہ میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

''ایران کے ایک بادشاہ کو مدینہ کے یہودیوں نے ورغلایا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب پھیلتا جا رہا ہے اور یہ عربوں کو اُکسا کر ان پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ اس سے وہ دھوکا میں آ گیا اور اس نے یمن کے گورنر کو لکھا کہ تم کچھ آدمی مدینہ بھیج کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دو۔ گورنر نے کچھ آدمی مدینہ بھیجے کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے آئیں۔ وہ آدمی وہاں گئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گورنرِ یمن کا پیغام دے دیا۔ آپ نے فرمایا ابھی کچھ ٹھہرو ہم پھر جواب دیں گے۔ چنانچہ تین دن آپ خدا تعالیٰ سے دعائیں کرتے رہے اور ان سپاہیوں کو ٹلاتے رہے۔ تیسرے دن سفیروں نے جواب پر پھر اصرار کیا۔ اُس وقت تک آپ پر وحی نازل ہو چکی تھی اور حقیقتِ حال بتائی جا چکی تھی۔ آپ گھر سے باہر نکلے اور سفیروں کو بلایا اور فرمایا جاؤ اور اپنے گورنر سے کہہ دو کہ میرے خدا نے مجھے بتایا ہے کہ اُس نے آج رات ایران کے بادشاہ کو مروا دیا ہے۔ جب گورنر یمن کے سفیروں نے یہ بات سنی تو انہوں نے نادانی سے یہ سمجھا کہ انہیں پتا نہیں ایران کے بادشاہ کی کیا حیثیت ہے۔ اگر اس کو یہ جواب پہنچا تو وہ سارے عرب کی

اینٹ سے اینٹ بجا دے گا اس لئے انہوں نے کہا آپ اپنے آپ پر، اپنے قبیلہ پر اور اپنے ملک پر رحم کریں۔ گورنر نے وعدہ کیا ہے کہ اگر بغیر مزاحمت کے آپ ساتھ آ جائیں تو وہ بادشاہ کے پاس رحم کی درخواست کرے گا۔ لیکن آپ نے فرمایا تم جاؤ اور میں نے جو کچھ کہا ہے وہ گورنر تک پہنچا دو۔ چنانچہ وہ لوگ واپس چلے گئے اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام گورنرِ یمن تک پہنچا دیا۔ وہ عقلمند آدمی تھا اس نے جب یہ جواب سنا تو کہنے لگا اگر یہ بات درست ثابت ہوئی تو یقیناً وہ خدا تعالیٰ کا سچا نبی ہے۔ اور اگر اس نے یہ بات اپنے پاس سے کہی ہے تو پھر خدا ہی عرب پر رحم کرے۔ میں کچھ دیر انتظار کروں گا اور ایران کی تازہ خبروں کو دیکھ کر فیصلہ کروں گا۔ گورنر کا دربار سمندر کے سامنے تھا۔ چند دنوں کے بعد ایران کا ایک جہاز آیا اور یمن کے ساحل پر اس نے لنگر ڈال دیا۔ اس جہاز سے ایک افسر اتر کر آیا اور اس نے گورنر کو بادشاہِ ایران کا ایک خط دیا۔ گورنر نے جب اُس حکم نامہ کو دیکھا تو لفافہ پر ایک نئے بادشاہ کی مہر تھی پرانے بادشاہ کی مہر نہیں تھی۔ اُس نے سفیروں کی طرف دیکھ کر کہا مدینہ والا آدمی سچا نبی معلوم ہوتا ہے۔ لفافہ پر دوسرے بادشاہ کی مہر ہے۔ یہ کہہ کر اس نے لفافہ کھولا۔ اس میں ایران کے نئے بادشاہ کا حکم نامہ تھا اور اس میں لکھا تھا کہ ہمارا باپ چونکہ سخت ظالم تھا اس لئے آج رات ہم نے اسے مار دیا ہے اور خود بادشاہ بن گئے ہیں۔ اس لئے اب تم ہماری اطاعت کا اپنے افسروں سے اقرار لو۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ ہمارے باپ نے تمہیں حکم دیا تھا کہ مدینہ کے مدعیٔ نبوت کو گرفتار کر کے میرے پاس بھجوا دو۔ میں اس ظالمانہ حکم کو بھی منسوخ کرتا ہوں۔ اب مدینہ کے مدعی کو کچھ نہ کہو۔ گورنرِ یمن پر اس کا ایسا اثر ہوا کہ وہ فوراً ایمان لے آیا اور اس پر ایسی پختگی سے قائم رہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب عرب میں ارتداد پھیلا اور یمن کے علاقہ میں بھی اس کا اثر پہنچا تو اس گورنر نے بڑے اخلاص سے ارتداد کا مقابلہ کیا اور حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی۔ اُس زمانہ میں ایران کی حکومت امریکہ کی

موجودہ حکومت سے زیادہ طاقتور تھی لیکن خدا تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو سنا اور ایران کے بادشاہ کو اس کے بیٹے کے ہاتھوں مروا دیا اور بتا دیا کہ سب طاقتوں سے بڑی طاقت مَیں ہوں۔'' (الفضل 3 اپریل 1959ء صفحہ 4، 5)

آنحضور ﷺ گزشتہ انبیاء کے مثیل بھی تھے

حضرت مصلح موعود نے 28 دسمبر 1958ء کو جلسہ سالانہ ربوہ میں ''روحانی عالَم کے کتب خانے'' کے عنوان سے سیر روحانی پر بارھویں تقریر فرمائی۔ اس تقریر میں رسول کریم ﷺ کی سیرت کے متعلق فرمایا:۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے آدم ہوئے کہ آپؐ کے ذریعہ سے ایک ایسی نسل چلی جو تمام انسانوں سے ممتاز تھی جیسے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد تمام جانوروں سے ممتاز تھی۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ دین تھا جو دینِ فطرت تھا اور آپؐ کو ایسی تعلیم ملی تھی جس میں ساری دنیا کے ساتھ حُسنِ سلوک کا حکم تھا۔ اِسی طرح آپؐ مثیلِ نوحؑ بھی تھے کیونکہ آپ کی قوم پر بھی ایسا ہی طوفان آیا جیسے نوح علیہ السلام کی قوم پر آیا تھا اور اس سے وہی بچے جو آپؑ کی کشتی میں بیٹھے تھے۔''

(سیر روحانی جلد سوم صفحہ 146 ناشر الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ)

ہندوستان میں بھی نبی گزرا ہے

حضرت مصلح موعود نے 28 دسمبر 1958ء کو جلسہ سالانہ ربوہ میں ''روحانی عالَم کے کتب خانے'' کے عنوان سے سیر روحانی پر بارھویں تقریر فرمائی۔ اس تقریر میں رسول کریم ﷺ کی سیرت کے متعلق فرمایا:۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا کہ کَانَ فِی الْھِنْدِ نَبِیًّا اَسْوَدُ اللَّوْنِ اِسْمُہٗ کَاھِناً یعنی ہندوستان میں ایک سیاہ فام نبی گزرے ہیں جن کا نام کنہیا یعنی کرشن تھا۔ اب دیکھو کہ ہندو کہتے ہیں کہ مسلمان ہمارے دشمن ہیں لیکن قرآن کہتا ہے وَ لِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ 1۔ ہندوستان میں بھی ہمارے بعض بزرگ بندے گزرے ہیں۔ اور جب ہندوستان میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بھائی گزرا ہے تو اُس کی اولاد کے ہم دشمن کیسے ہوسکتے ہیں۔ مسلمان ہرگز ہندوؤں کے دشمن نہیں کیونکہ ہندو حضرت کرشنؑ اور رام چندر جیؑ کی اولاد ہیں۔ یا کم سے کم اُن کی اُمت ہیں اور اُن کے ماننے والے ہیں اور ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء آپس میں بھائی بھائی ہوتے ہیں۔2 پس کرشنؑ اور رام چندر جیؑ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھتیجوں کے ہم دشمن کیسے ہوسکتے ہیں۔ جو لوگ ہمارے آقا کے بھتیجے ہوں گے نہ ہمارا آقا اُن کا دشمن ہوگا اور نہ ہم اُن کے دشمن ہوں گے۔ یہ محض غلط فہمی اور ضِدّ ہے ورنہ مسلمان جو قرآن کریم کو سمجھتا ہے وہ نہ کسی ہندو کا دشمن ہوسکتا ہے اور نہ اس کی عداوت اس کے اندر پیدا ہوسکتی ہے۔''

(سیر روحانی جلدسوم صفحہ 147 ناشر الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹیڈ ربوہ)

1:الرعد:8

2:بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب قول اللّٰہ تعالیٰ وَاذْکُرْ فی الکتاب مریم حدیث نمبر3443 صفحہ 580 الطبعة الثانية مطبوعہ ریاض 1999ء

آپ ﷺ کا فرمانا کہ مجھے علم غیب حاصل نہیں

حضرت مصلح موعود نے 28 دسمبر 1958ء کو جلسہ سالانہ ربوہ میں ''روحانی عالَم کے کتب خانے'' کے عنوان سے سیر روحانی پر بارھویں تقریر فرمائی۔ اس تقریر میں رسول کریم ﷺ کی سیرت کے متعلق فرمایا:۔

''علمِ نباتات بھی ایک علم ہے جس پر ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہیں۔ قرآن کریم نے اِس علم کے متعلق سب سے پہلے یہ انکشاف فرمایا کہ تمام نباتات میں نر و مادہ کا وجود پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ۔[1] ہم نے زمین میں ہر قسم کے خوبصورت جوڑے اُگائے ہیں۔

جب یہ آیت نازل ہوئی ہے تو عربوں میں صرف اتنا علم پایا جاتا تھا کہ کھجور میں نر و مادہ ہوتا ہے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن پر قرآن نازل ہؤا انہیں اتنا علم بھی نہیں تھا۔ چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہیں سے گزرے تو آپؐ نے دیکھا کہ کچھ لوگ کھیتوں میں کام کر رہے ہیں اور وہ ایک جگہ سے کوئی چیز لاتے ہیں اور دوسری پر لگا دیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! ہم نر کھجور کا مادہ کھجور سے پیوند کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اِس کا کیا فائدہ جو پھل لگنا ہے وہ تو آپ ہی لگ جائے گا۔ انہوں نے یہ بات سن کر نر اور مادہ درختوں کو آپس میں ملانا ترک کر دیا۔ دوسرے سال وہ لوگ آپؐ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! ہماری فصل تو بہت کم ہوئی ہے کیونکہ ہم آپؐ کے کہنے پر پیوند لگانے سے رُک گئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا تم کیوں

رُک گئے تھے؟ میں تو ایک انسان ہوں اور مجھے علمِ غیب حاصل نہیں۔ اگر تمہارے تجربہ سے یہ بات ثابت تھی تو تم نے میری بات نہیں ماننی تھی۔2''

(سیر روحانی جلد سوم صفحہ 151 ناشر الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ)

1:ق:8

2:**مسلم کتاب الفضائل باب وجوب امتثال ما قالہٗ شرعاً** صفحہ 1039 حدیث نمبر 6127 مطبوعہ ریاض 2000ء **الطبعة الثانية**

رسول کریم ﷺ کا صحابہؓ سے مشورہ لینا

حضرت مصلح موعود نے 28 دسمبر 1958ء کو جلسہ سالانہ ربوہ میں ''روحانی عالَم کے کتب خانے'' کے عنوان سے سیر روحانی پر بارھویں تقریر فرمائی۔ اس تقریر میں رسول کریم ﷺ کی سیرت کے متعلق فرمایا:۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا طریقِ عمل یہ تھا کہ آپؐ ہر اہم معاملہ میں صحابہؓ سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ جنگِ بدر کے موقع پر آپؐ نے مشورہ لیا تو صحابہؓ میں سے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے تقریر کرتے ہوئے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! ہمیں موسیٰؑ کی جماعت کی طرح نہ سمجھیں۔ جنہوں نے یہ کہہ دیا تھا کہ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَآ اِنَّاهٰهُنَا قَاعِدُوْنَ۔1 جا تُو اور تیرا ربّ دونوں لڑتے پھرو۔ ہم تو یہیں بیٹھیں گے بلکہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! اگر جنگ ہوئی تو ہم آپؐ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے۔ اور آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے اور دشمن جب تک ہماری لاشوں کو روندتا ہؤا نہیں آئے گا آپؐ تک نہیں پہنچ سکے گا۔2 پھر عرب پانی سے بہت ڈرتے تھے مگر حضرت مقدادؓ نے کہا اگر آپ ہماری قوم کو حکم دیں کہ سمندر میں اپنے گھوڑے ڈال دو تو یَارَسُوْلَ اللّٰہ! ہم فوراً اپنے گھوڑے سمندر میں ڈال دیں گے اور اس بات کی ذرہ بھی پرواہ نہیں کریں گے کہ ہم بچتے ہیں یا نہیں بچتے۔3

پھر جنگِ اُحد کے موقع پر بھی آپؐ نے صحابہؓ کو اکٹھا کیا اور اپنی خواب کا ذکر کیا کہ آپؐ نے گائیں ذبح ہوتی دیکھی ہیں۔ جس کی تعبیر یہ ہے کہ کوئی ابتلاء پیش آئے

گا۔ مگر باوجود اس خواب کے آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ آپؐ کا خیال تھا کہ اگر مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کی گئی تو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ لیکن صحابہؓ کے مشورہ پر آپؐ مدینہ سے باہر نکل پڑے اور لڑائی ہوئی اور نقصان بھی ہؤا اور اِس طرح آپؐ کی خواب پوری ہوگئی۔4'' (سیر روحانی جلد سوم صفحہ 152 ناشر الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹیڈ ربوہ)

1: بخاری کتاب المغازی باب قول اللّٰہ تعالیٰ اذ تستغیثون ربکم حدیث نمبر 3952 صفحہ 668 الطبعۃ الثانیۃ مطبوعہ ریاض 1999ء

2: بخاری کتاب المغازی باب قول اللّٰہ تعالیٰ اذ تستغیثون ربکم حدیث نمبر 3952 صفحہ 668 الطبعۃ الثانیۃ مطبوعہ ریاض 1999ء

3: سیرت ابن ہشام جلد 1 صفحہ 675 مطبوعہ دمشق 2005ء کے مطابق دوسری تقریر سعد بن معاذ انصاری کی ہے۔

4: السیرۃ الحلبیۃ جلد 2 صفحہ 477 تا 479 مطبوعہ بیروت 2012ء

تقسیم اموال پر اعتراض کرنے والے سے عفو کا سلوک

حضرت مصلح موعود نے 28 دسمبر 1958ء کو جلسہ سالانہ ربوہ میں ''روحانی عالَم کے کتب خانے'' کے عنوان سے سیر روحانی پر بارھویں تقریر فرمائی۔ اس تقریر میں رسول کریم ﷺ کی سیرت کے متعلق فرمایا:۔

''تاریخ میں لکھا ہے کہ جنگِ حنین کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں میں انعامات تقسیم کئے تو ایک شخص نے اعتراض کیا کہ **هٰذِهِ الْقِسْمَةُ مَاعُدِلَ فِيْهَا وَمَا اُرِيْدَ بِهَا وَجْهُ اللّٰهِ**[1] یعنی یہ ایسی تقسیم ہوئی ہے کہ اِس میں انصاف سے کام نہیں لیا گیا اور نہ اس میں خدا تعالیٰ کی رضا کو مدّ نظر رکھا گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے غیّور تھے۔ وہ یہ اعتراض سن کر فوراً تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے اور عرض کیا۔ **يَارَسُوْلَ اللّٰه!** مجھے اجازت دیجیئے کہ مَیں اِس منافق کی گردن اُڑا دوں۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ يَّتَحَدَّثَ النَّاسُ اَنْ اَقْتُلَ اَصْحَابِیْ**۔[2] یعنی میں اس بات سے خدا تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں کہ لوگ میرے متعلق آپس میں یہ باتیں کرتے پھریں کہ یہ اپنے ساتھیوں کو مارتا پھرتا ہے۔ یعنی کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہئے جس سے غیر قوموں میں یہ چرچا شروع ہو جائے کہ یہ لوگ ظلم کر رہے ہیں۔ صحابہؓ تو حقیقت جانتے تھے لیکن مصر اور قسطنطنیہ کے لوگوں کو اس کا کیا علم تھا، وہ تو یہ باتیں کر سکتے تھے کہ یہ لوگ ظلم کر رہے ہیں اس لئے آپؐ نے فرمایا کہ کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہئے جس سے غلط قسم کا چرچا شروع ہو جائے۔ بیشک مسلمان اس کے متعلق کوئی بات نہ کریں لیکن اگر رومی یا ایرانی ایسی باتیں کریں تو وہ بھی بُری بات

ہے۔ اِس سے انسان کی بدنامی ہوجاتی ہے۔ پس آپؐ نے اُس شخص سے درگزر کیا اور اُسے معاف فرما دیا۔'' (سیر روحانی جلد سوم صفحہ 168 ناشر الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ)

1: **السیرۃ الحلبیۃ الجزء الثالث** صفحہ 139، 140 مطبوعہ مصر 1939ء

2: **السیرۃ الحلبیۃ الجزء الثالث** صفحہ 139، 140 مطبوعہ مصر 1939ء

آنحضرت ﷺ کی اخلاقی تعلیمات

حضرت مصلح موعود نے 28 دسمبر 1958ء کو جلسہ سالانہ ربوہ میں ''روحانی عالَم کے کتب خانے'' کے عنوان سے سیر روحانی پر بارھویں تقریر فرمائی۔ اس تقریر میں رسول کریم ﷺ کی سیرت کے متعلق فرمایا:۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اِنَّ مِنْ اَکْبَرِ الْکَبَائِرِ اَنْ یَّلْعَنَ الرَّجُلُ وَالِدَیْہِ. قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَکَیْفَ یَلْعَنُ الرَّجُلُ وَالِدَیْہِ؟ قَالَ یَسُبُّ الرَّجُلُ اَبَاالرَّجُلِ فَیَسُبُّ اَبَاہُ وَیَسُبُّ اُمَّہٗ۔[1] یعنی کسی شخص کو نہیں چاہیے کہ وہ اپنے ماں باپ کو گالیاں دے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! اپنے ماں باپ کو کون گالیاں دیتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا جو شخص دوسرے کے ماں باپ کو گالیاں دیتا ہے وہ گویا اپنے ماں باپ کو گالیاں دیتا ہے کیونکہ دوسرا شخص جوش میں آ کر اس کے ماں باپ کو گالیاں دینے لگ جائے گا۔

غرض اللہ تعالیٰ نے عِلْمُ الْاَخْلَاق کا بھی ذکر فرما دیا ہے۔ عیسائی بڑا ناز کرتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ تم دوسرے کیلئے بھی وہی بات پسند کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ حالانکہ قرآن کریم بھی کہتا ہے کہ دوسروں کے بتوں وغیرہ کو گالیاں نہ دو۔ ورنہ اگر تم اُن کے معبودوں کو گالیاں دو گے تو وہ جواباً تمہارے خدا کو گالیاں دیں گے اور پھر تمہیں اِس پر چڑنے یا بُرا ماننے کا کوئی حق نہیں ہوگا کیونکہ ابتدا تمہاری طرف سے ہوئی ہوگی۔ لیکن اگر ابتدا دوسروں کی طرف سے ہوئی ہو اور وہ تمہارے معبود کو گالیاں دیں تو پھر بیشک وہ ظالم ہوں گے لیکن اگر پہل

تمہاری طرف سے ہو اور تم کسی کے معبود کو گالیاں دو اور وہ جواباً تمہارے خدا کو بھی گالیاں دینے لگ جائے تو تمہیں اس پر چڑنے کا کوئی حق نہیں ہوگا کیونکہ اسے جواب دینے والا سمجھا جائے گا ظلم کرنے والا نہیں سمجھا جائے گا۔ چنانچہ احادیث میں آتا ہے ایک دفعہ ایک صحابیؓ نے ایک یہودی کے سامنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے طور پر ذکر کیا کہ آپؐ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت ثابت ہوتی تھی۔ اِس سے بہرحال اس یہودی کو تکلیف ہوئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہؤا تو آپؐ نے فرمایا لَا تُخَيِّرُوْنِيْ عَلٰى مُوْسٰى۔2 مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس طرح فضیلت نہ دیا کرو کہ اس سے کوئی جھگڑا پیدا ہو جائے۔''

(سیر روحانی جلد سوم صفحہ 174، 175 ناشر الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ)

1: بخاری کتاب الادب باب لایسب الرجل والدیه صفحہ 1046 حدیث نمبر 5973 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

2: بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب وفاة موسٰی صفحہ 572 حدیث نمبر 3408 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

اللہ تعالیٰ کی عظمت کا قیام

حضرت مصلح موعود نے 2 جنوری 1959ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

''یہ بات یاد رکھیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّت قائم ہونے سے ہی خدا تعالیٰ کی عزّت دنیا میں قائم ہوگی۔

اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ خدا تعالیٰ ایک بالا ہستی ہے مگر اس میں بھی کوئی شُبہ نہیں کہ خدا تعالیٰ کی ہستی اور اس کی عظمت کو دنیا میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی قائم کیا تھا۔ جنگِ بدر کے موقع پر جب مسلمانوں پر کُفّار کا زور بڑھ گیا تو اُس وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دُعا کی وہ یہی تھی کہ اے اللہ! اگر یہ مختصر سا گروہ جو تیرے نام کو دنیا میں بلند کر رہا ہے ہلاک ہوگیا تو قیامت تک دنیا میں تیرا نام لینے والا کوئی نہیں رہے گا۔1 بیشک خدا، خدا ہی ہے اور بندہ، بندہ ہی ہے لیکن اِس میں بھی کوئی شُبہ نہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کی عزّت کو دنیا میں قائم کیا تھا اور اگر دنیا میں خدا تعالیٰ کا نام باقی رہ سکتا ہے تو اِسی صورت میں رہ سکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلام باقی رہے۔

پس اپنی جانوں کی خاطر ہی نہیں بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خدا تعالیٰ کی خاطر ہمیں یہ دُعائیں کرتے رہنا چاہیے کہ اے اللہ! جو کچھ ہم کر رہے ہیں اِس سے صرف ہمیں عزّت حاصل نہیں ہوتی بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تیری ذات کو بھی عزّت حاصل ہوتی ہے۔ اِس لیے تُو ہماری مدد فرما اور ہماری تائید میں اپنے فرشتوں کو نازل فرما، تا تیرا نام بھی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی

دنیا میں روشن ہو اور قرآن کریم کی صداقت دنیا پر ظاہر ہو۔‘‘

(الفضل یکم فروری 1959ء صفحہ 3، 4)

نیز 23 جنوری 1959ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

’’احادیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ آتا ہے کہ آپ نے ایک عورت سے شادی کی۔ جب آپ اُس کے پاس گئے تو اُس نے کہا اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْکَ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تُو نے مجھ سے بڑی طاقت کی پناہ مانگی ہے اس لیے تمہیں میری طرف سے طلاق ہے۔2 بعد میں وہ عورت شکایت کرتی رہی کہ مجھے دھوکا دیا گیا ہے، مجھے کسی عورت نے سکھا دیا تھا کہ تُو اِس طرح کہیو، اِس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل تیری طرف خاص طور پر مائل ہو جائے گا۔ لیکن بہرحال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اُس نے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ کہا اور آپؐ نے اُسے فوراً طلاق دے دی۔‘‘ (الفضل 12 فروری 1959ء صفحہ 2، 3)

1: مسلم کتاب الجهاد باب الامْداد بالملائكة فی غزوة بدر و اباحة الغنائم صفحہ 781، 782 حدیث نمبر 4588 مطبوعہ ریاض 2000ء الطبعة الثانية

2: بخاری کتاب الطلاق باب من طلق وهل يواجه الرجل امرأته بالطلاق صفحہ 938 حدیث نمبر 5254 مطبوعہ ریاض 1999ء الطبعة الثانية

دونوں جہانوں کے سردار

حضرت مصلح موعود نے 17 مئی 1959ء کو احباب جماعت کے نام ضروری پیغام تحریر فرمایا۔ اس میں آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی پیدا نہیں ہوا نہ آگے پیدا ہوگا۔ آپ کو خدا تعالیٰ نے اس دنیا میں اور اگلے جہان میں بھی سردار مقرر کیا ہے۔ خدا کرے آپؐ کی یہ سرداری تا ابد قائم رہے۔ اور ہم قیامت کے دن درود پڑھتے ہوئے آپؐ کے نشان والا جھنڈا لے کر آپؐ کے سامنے حاضر ہوں۔ اور اپنے خدا سے بھی کہیں کہ اے خدا! تُو نے جس انسان کی عزت کو اپنی عزت قرار دیا تھا ہم اس کی عزت قائم کر کے آئے ہیں۔ ہم پر بھی رحم کر اور اپنے فضلوں کا وارث بنا۔ اٰمِیْنَ ثُمَّ اٰمِیْنَ۔'' (الفضل 20 مئی 1959ء صفحہ 2)

خیر رُسل اور خیر اُمم

حضرت مصلح موعود نے اجتماع خدام الاحمدیہ مرکزیہ 1959ء کیلئے ایک روح پرور پیغام بھجوایا جو کہ محترم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب نائب صدر خدام الاحمدیہ نے 23 اکتوبر کو پڑھ کر سنایا۔ اگلے روز 24 اکتوبر کو حضور خود تشریف لائے اور خود یہ پیغام پڑھا۔ اس پیغام میں آپ رقم فرماتے ہیں:۔

''بے شک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ **لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلٰی اَشْرَارِ النَّاسِ**[1] یعنی قیامت ایسے لوگوں پر ہی آئے گی جو اشرار ہوں گے اخیار نہیں ہوں گے۔ مگر آپ لوگوں کی ترقی چونکہ خدائی پیشگوئیوں کے ماتحت ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو خدا تعالیٰ نے **خَیْرُ الْاُمَم** قرار دیا ہے اس لئے اگر آپ قیامت تک بھی چلے جائیں گے تو خدا تعالیٰ آپ کو نیک ہی رکھے گا اور اخیار میں ہی شامل فرمائے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی فرماتے ہیں

ہم ہوئے خیرِ اُمَم تجھ سے ہی اے خیرِ رُسُل
تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے [2]''

(الفضل 28 اکتوبر 1959ء صفحہ 3)

1: مسلم کتاب الفتن باب قرب السَّاعَةِ حدیث نمبر 7402 صفحہ 1279 الطبعة الثانية مطبوعہ ریاض 2000ء میں ''لاتقوم الساعة الا علیٰ شرار الناس'' کے الفاظ ہیں۔

2: درثمین اردو صفحہ 17

دنیا کے چپہ چپہ پر آنحضور ﷺ کی حکومت قائم کی جائے

حضرت مصلح موعود نے 24 جنوری 1960ء کو (سال 1959ء کے) جلسہ سالانہ ربوہ میں اختتامی خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

''اللہ تعالیٰ نے ہماری جماعت کو اس غرض کے لئے قائم کیا ہے کہ دنیا میں اسلام اور احمدیت کی اشاعت کی جائے۔ اور دنیا کے چپّہ چپّہ پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت قائم کی جائے۔ یہی ہمارے تمام کاموں کا نقطۂ مرکزی ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کام کو ہمیشہ جاری رکھیں۔ یہاں تک کہ دنیا کا کوئی ملک اور کوئی گوشہ ایسا نہ ہو جہاں اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز نہ پہنچ جائے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے 610ء میں دعویٰ نبوت فرمایا تھا اور 632ء میں آپ نے وفات پائی۔ گویا آپ نے دعویٰ نبوت کے بعد صرف 23 سال عمر پائی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس قلیل مدت میں ہی آپ کے کام اور کلام میں عظیم الشان برکت ڈالی۔ اور جو غیر معمولی کامیابی اس نے آپ کو بخشی وہ کسی اَور نبی کو میسر نہیں آئی۔

احادیث میں لکھا ہے کہ غزوہ احزاب کے موقع پر جب مدینہ کی حفاظت کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھدوانی شروع کی تو اچانک ایک پتھر ایسا آ گیا جو کسی طرح ٹوٹنے میں نہیں آتا تھا۔ صحابہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی

اطلاع دی تو آپ خود وہاں تشریف لے گئے اور کدال پکڑ کر زور سے اسے پتھر پر مارا ۔ اس کے نتیجہ میں اس پتھر میں سے ایک روشنی نمودار ہوئی اور آپ نے فرمایا اَللّٰہُ اَکْبَرُ اور صحابہؓ نے بھی بلند آواز سے آپ کے ساتھ نعرہ تکبیر بلند کیا۔ پھر دوبارہ آپ نے کدال مارا تو پھر ایک روشنی نمودار ہوئی اور آپ نے فرمایا اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اس پر صحابہؓ نے پھر بڑے زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ اس کے بعد آپ نے تیسری مرتبہ کدال مارا اور پھر اس پتھر میں سے روشنی نکلی اور آپ نے فرمایا اَللّٰہُ اَکْبَرُ اور ساتھ ہی صحابہؓ نے بھی نعرہ تکبیر بلند کیا۔ اور پتھر ریزہ ریزہ ہوگیا۔ جب پتھر ٹوٹ چکا تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے تین دفعہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کیوں کہا؟ آپ نے فرمایا کہ جب پہلی مرتبہ میں نے کدال مارا اور پتھر میں سے روشنی نکلی تو مجھے قیصرِ روم کے محلّات دکھائے گئے اور اُن کی کنجیاں میرے سپرد کی گئیں۔ پھر دوسری دفعہ کدال مارا اور روشنی نکلی تو مجھے مدائن کے سفید محلّات دکھائے گئے اور مملکتِ فارس کی کنجیاں مجھے دی گئیں۔ پھر تیسری دفعہ کدال مارا اور اس میں سے روشنی نمودار ہوئی تو مجھے صنعاء کے دروازے دکھائے گئے اور مملکتِ یمن کی کنجیاں میرے سپرد کی گئیں۔ چنانچہ انہی پیشگوئیوں کے مطابق اللہ تعالیٰ نے خلفاءِ راشدین کے زمانہ میں قیصر و کسریٰ کو زبردست شکست دی اور شاہانِ ایران اور یمن کی سرزمین پر اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔ مگر افسوس کہ بعد میں مسلمانوں نے تبلیغ اور آپ کی تعلیم کو دنیا میں پھیلانے میں کوتاہی سے کام لیا اور اسلام کی اشاعت رک گئی ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ آج دنیا بھر میں مسلمان عیسائیوں، ہندوؤں اور بدھوں وغیرہ سے بہت زیادہ نہ ہوتے۔ فطرت صحیحہ کے مطابق تعلیم کی اشاعت اگر زور سے کی جاتی تو یقیناً وہ انسانوں کو کھینچ لیتی۔ مگر افسوس کہ تبلیغِ اسلام کو انہوں نے فراموش کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دنیا میں کمزور ہوتے چلے گئے۔ اب ہمارا فرض ہے کہ ہم اس غفلت کا ازالہ کریں اور ساری دنیا کو اسلام کی طرف کھینچ کر لے آئیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر قریباً چودہ سو سال گزر چکے ہیں مگر ابھی

تک اسلام دنیا میں اقلیّت ہے۔ عیسائیت کو 1959 سال گزر گئے مگر دنیا میں جتنی عیسائیت پھیلی ہے اُس کو دیکھتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ عیسائیوں نے زیادہ وفاداری سے کام لیا ہے۔ مسلمان اب تک بھی صرف عرب، شام اور ایران میں ہی زیادہ ہیں ورنہ ہندوستان میں وہ کم ہیں۔ روس میں وہ کم ہیں، جاپان میں وہ کم ہیں، آسٹریلیا میں وہ کم ہیں۔ تھائی لینڈ میں وہ کم ہیں، جرمنی میں وہ کم ہیں، ناروے اور سویڈن میں وہ کم ہیں، فرانس میں وہ کم ہیں، سپین میں وہ کم ہیں، امریکہ میں وہ کم ہیں، فلپائن میں وہ کم ہیں حالانکہ فلپائن میں اسلام بڑی دیر سے قائم ہو چکا ہے۔

اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم اس غفلت کا علاج کریں۔ اور جیسا کہ خدا تعالیٰ نے اسلام کو برتری بخشی ہے ہم اُسے دنیا میں بھی برتر کر کے چھوڑیں۔ یہاں تک کہ تمام مذاہب یہ اقرار کرنے پر مجبور ہوں کہ اسلام کا مقابلہ ہم نہیں کر سکتے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا نور ساری دنیا میں پھیل جائے۔۔۔۔۔۔ گو خاتم النبیین کے معنے ہم نبیوں کی مہر کے کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ قیامت تک صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی زمانہ ہے۔ بے شک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ **لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلٰی اَشْرَارِ النَّاسِ**[1] یعنی قیامت بُرے لوگوں پر آئے گی۔ مگر میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ اَشرارُ الناس بنیں بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ لوگ ہمیشہ اخیار نام کے مستحق رہیں۔ اور اگر آپ لوگ توبہ و استغفار میں مشغول رہیں تو جس خدا نے اپنے رسول کو یہ خبر دی تھی وہ اسے اشرار کی بجائے اخیار میں بھی بدل سکتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ قیامت تک آپ لوگوں کے ذریعہ سے نیکی کا سلسلہ قائم رہے اور قیامت اشرار پر نہیں بلکہ اخیار پر آئے۔ آخر آپ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیہ کے متعلق قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ **كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ**[2] پس اس آیت کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اشرارُ الناس نہیں ہوگی بلکہ وہ قیامت تک **اَخْيَارُ النَّاسِ** ہی ہوگی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی فرماتے ہیں:

ہم ہوئے خیرِ اُمَم تجھ سے ہی اے خیرِ رُسُل

تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے 3

مگر اس غرض کے لئے ضروری ہے کہ آپ لوگ اپنی طاقتوں کو لوگوں کے فائدہ کے لئے استعمال کریں اور اپنی شان نہ بڑھائیں بلکہ بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچائیں۔ کیونکہ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ 4 کے معنے یہ ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تمام انسانوں کے فائدہ کے لئے پیدا کی گئی ہے اور اگر تم سارے انسانوں کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے تو کم سے کم اپنی جماعت کی ترقی کے لئے تو کوشش کرو۔ پھر آپ کو خدا تعالیٰ اس بات کی بھی توفیق عطا فرما دے گا کہ آپ تمام بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے کام کریں۔ میں نے خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ کا قیام اِسی غرض کے لئے کیا ہے اور وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے جہاں جہاں کام کر رہے ہیں لوگوں کے دلوں میں جماعت کی عزت بڑھ رہی ہے۔

پس دعائیں کرو کہ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو اتنا بڑھائے کہ دنیا کے تمام مذاہب کے پیرو اس کی عظمت کو تسلیم کرنے لگیں اور ہندوؤں اور سکھوں میں بھی اسلام پھیلنا شروع ہو جائے اور وہ بھی کثرت کے ساتھ اسلام میں داخل ہونے لگیں۔

حضرت مسیح کے واقعۂ صلیب پر 1959 سال گزر چکے ہیں اور عیسائیت اب تک پھیل رہی ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو مسیحؑ کے استاد حضرت موسیٰؑ سے بھی بڑے تھے ان کے ماننے والے بھی کم ہیں۔ اگر آپ لوگ کمرِ ہمت کس لیں اور عیسائیوں اور یہودیوں اور ہندوؤں کی طرف توجہ شروع کر دیں تو یقیناً امتِ محمدیہ اپنی کثرتِ تعداد میں امتِ عیسویہ اور امتِ موسویہ دونوں سے بڑھ جائے گی۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک یہودی

اپنے ایک بھائی کے ساتھ آپ کے پاس آیا اور آپ سے گفتگو کرتا رہا۔ جب وہ آپ سے باتیں کر کے واپس لَوٹا تو دوسرے بھائی نے اُس سے پوچھا کہ بتاؤ تمہارا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟ وہ کہنے لگا یہ ہے تو وہی جس کی موسیٰؑ نے خبر دی تھی مگر جب تک دم میں دم ہے ہم نے ماننا نہیں۔ پس ضد کی اَور بات ہے۔ لیکن اگر خدا دلوں کو بدلنا چاہے تو بدل سکتا ہے۔ سو تبلیغ بھی کرو اور دعائیں بھی کرو تا کہ جو لوگ عیسائیوں اور یہودیوں میں سے محض ضد کی وجہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے وہ بھی آپ کو ماننے لگ جائیں۔ اسی طرح ہندوؤں اور سکھوں میں سے بھی جو لوگ ضد کی وجہ سے انکار پر مُصِر ہیں وہ بھی سچائی کو ماننے لگ جائیں اور ہم قیامت کے دن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کہہ سکیں کہ اے خدا کے مقدس رسول! تیری لائی ہوئی تعلیم تو سب تعلیموں سے بہتر تھی مگر مسلمانوں کی غفلت کی وجہ سے عیسائیت دنیا میں غالب تھی۔ اور تیرے ماننے والے عیسائیوں اور مشرکوں کے تابع تھے۔ ہمیں خدا نے ہمت اور توفیق بخشی کہ ہم نے خدائے پاک کا نام اور اس کی سچی تعلیم دنیا میں پھیلائی اور ہزاروں لاکھوں عیسائیوں اور ہندوؤں کو کھینچ کر اسلام کی طرف لے آئے۔ یہ محض خدا تعالیٰ کا احسان تھا ورنہ ہماری مقدرت نہ تھی کہ ایسا کر سکتے۔ اے خدا کے مقدّس رسولؐ! جس طرح خدا تعالیٰ کی بادشاہت آسمان پر ہے اُسی طرح ہم نے تیری دعاؤں کی برکت سے اور تیرے دل کے درد کی برکت سے اُس کو دنیا میں قائم کیا اور اب ساری دنیا شرک سے متنفّر اور توحیدِ کامل کی عاشق ہے۔ ہم تجھ سے صرف اتنا چاہتے ہیں کہ تُو اپنے خدا سے یہ عرض کر کہ ان غریب اور کمزور بندوں نے تیرے اور میرے نام کو دنیا میں قائم کیا اور سچائی کی طرف لوگوں کو کھینچ لائے اب تُو بھی ان کو بخش دے اور ان کے گناہوں سے درگزر فرما۔ اگر کمزور اور ناطاقت ہوتے ہوئے انہوں نے اتنی بڑی قربانی کی ہے تو اے خدا! تُو تو غفور و رحیم اور طاقتور خدا ہے تُو ان کو کیوں عزت نہیں بخش سکتا۔ تیری شان یہی ہے اور تیرا مقام یہی ہے اس

سے تھوڑا دینا تیری شان کے خلاف ہے۔ پس ان کی کوششوں کو بارآور کر اور انہیں رتبہ اور بڑائی بخش۔ کیونکہ یہ تیری شان کے مطابق ہے اور ان کی خدمات کا یہی تقاضا ہے۔ مسیح موعود کو تُو نے اسی لئے مبعوث کیا تھا اور اس کی جماعت نے یہ کام کر کے دکھا دیا۔ پس میرے تخت کے نیچے مسیح موعود کا تخت بچھا اور اس کو اور اس کے اتباع کو عزت بخش۔ اگر ان لوگوں نے کمزور اور بے بس ہوتے ہوئے یہ قربانیاں کی ہیں تو اے خدا! تُو رحمان اور رحیم ہوتے ہوئے اور قادرِ مطلق ہوتے ہوئے اس سے لاکھوں گنا زیادہ انعام انہیں کیوں نہیں دے سکتا۔'' (الفضل 16 فروری 1960ء صفحہ 3 تا 5)

1: مسلم کتاب الفتن باب قرب السَّاعة حدیث نمبر 7402 صفحہ 1279 الطبعة الثانية مطبوعہ ریاض 2000ء میں ''لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا علیٰ شِرَارِ النَّاسِ'' کے الفاظ ہیں۔

2: آل عمران: 111

3: درثمین اردو صفحہ 17

4: آل عمران: 111

آنحضور ﷺ کا کام قیامت تک جاری رہے گا

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے چھٹے سالانہ اجتماع (30 اکتوبر 1960ء) کے موقع پر حضرت مصلح موعود نے تحریک جدید کے نئے مالی سال کے لئے جو پیغام بھجوایا اس میں آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

''یہ امر یاد رکھو کہ ہماری جماعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت ہے۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام قیامت تک جاری رہے گا۔ پس ہمیں بھی سمجھ لینا چاہئے کہ ہمارے سپرد اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشاعتِ اسلام کا جو کام کیا گیا ہے وہ قیامت تک جاری رہنے والا ہے۔ اور ہمیں قیامت تک آپؐ کے جھنڈے کو بلند رکھنے کے لئے ہر قسم کی قربانیوں سے کام لینا پڑے گا۔

بے شک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت اشرارُ الناس پر آئے گی[1] لیکن لوگ نیکی پر قائم رہیں تو خدا تعالیٰ اس کو بدل بھی سکتا ہے اور بالکل ممکن ہے کہ قیامت اشرارُ الناس پر نہیں بلکہ اخیارُ الناس پر آئے۔ یہ تو امت کے اختیار میں ہے کہ وہ اپنے آپ کو ایسا اچھا بنائے کہ خدا تعالیٰ اپنی تقدیر کو بدل دے اور قیامت آنے کے وقت بھی دنیا میں اچھے لوگ ہی ہوں بُرے نہ ہوں۔''

(الفضل یکم نومبر 1960ء صفحہ 1)

1: مسلم کتاب الفتن باب قرب الساعة صفحہ 1279 حدیث نمبر 7402 مطبوعہ ریاض 2000ء الطبعة الثانية

اللہ تعالیٰ کی بندوں سے محبت کی ایک مثال

حضرت مصلح موعود نے جلسہ سالانہ قادیان (16 تا 18 دسمبر 1960ء) کے لیے 23 نومبر 1960ء کو جو تحریری پیغام بھجوایا اس میں آپ رقم فرماتے ہیں:۔

''احادیث میں آتا ہے کہ ایک جنگ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ ایک عورت جس کا بچہ کھویا گیا تھا دیوانہ وار اِدھر اُدھر پھر رہی ہے۔ وہ ایک ایک بچہ کو اٹھاتی اور سینہ سے لگاتی اور پیار کرتی اور پھر اسے چھوڑ کر اپنے بچے کی تلاش میں دوڑ پڑتی۔ وہ اسی حالت میں تھی کہ اسے اپنا بچہ مل گیا اور وہ نہایت اطمینان اور آرام کے ساتھ اس کو لے کر بیٹھ گئی۔ رسول کریم ﷺ نے صحابہؓ کو مخاطب کیا اور فرمایا کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر اس عورت سے یہ کہا جائے کہ اپنے بچہ کو آگ میں ڈال دے تو یہ عورت اسے آگ میں ڈالنے کیلئے تیار ہو جائے گی؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یَا رَسُولَ اللّٰہ! ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ آپؐ نے فرمایا تم نے اس عورت کی محبت کا جو نظارہ دیکھا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اس سے بھی زیادہ محبت رکھتا ہے اور جب اس کا کوئی کھویا ہوا بندہ اسے واپس مل جاتا ہے تو اسے اس سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے جتنی اس عورت کو اپنے بچہ کے ملنے سے ہوئی ہے۔[1]''

(تاریخ احمدیت جلد 20 صفحہ 732، 733 ناشر نظارت اشاعت ربوہ)

1: مسلم کتاب التوبہ باب فی سعۃ رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ و انھا تغلب غضبہ صفحہ 1193، 1194 حدیث نمبر 6978 مطبوعہ ریاض 2000ء الطبعۃ الثانیۃ

آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے دین کی حفاظت کیلئے صحابہ کی قربانیاں

حضرت مصلح موعود نے 26 دسمبر 1960ء کو جلسہ سالانہ ربوہ کے افتتاحی خطاب میں فرمایا:۔

''احادیث میں آتا ہے کہ جنگِ اُحد کے موقع پر ایک صحابیؓ شدید زخمی ہوئے۔ وہ نزع کی حالت میں تھے کہ ایک اَور صحابیؓ ان کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ اگر آپ نے اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کے نام کوئی پیغام دینا ہو تو مجھے دے دیں۔ وہ کہنے لگے میرے عزیزوں کو میری طرف سے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہنا اور انہیں یہ پیغام دے دینا کہ جب تک ہم زندہ رہے ہم اپنی جانیں قربان کر کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے رہے۔ اب ہم اس دنیا سے جا رہے ہیں اور یہ امانت تمہارے سپرد کر رہے ہیں۔ اب یہ تمہارا کام ہے کہ تم اپنی جانیں قربان کر دو مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی آنچ نہ آنے دو۔ آج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسدِ عنصری کے ساتھ اِس دنیا میں موجود نہیں مگر اُن کا لایا ہوا دین آج بھی زندہ ہے۔ اُن کا لایا ہوا قرآن آج بھی موجود ہے۔ اور وہ دین ہم سے اُنہی قربانیوں کا مطالبہ کر رہا ہے جن قربانیوں کا صحابہؓ سے مطالبہ کیا گیا تھا۔'' (الفضل 31 دسمبر 1960ء صفحہ 2، 3)

نیز 28 دسمبر 1960ء کو اپنے اختتامی خطاب جو کہ مولانا جلال الدین صاحب شمس نے پڑھ کر سنایا میں فرمایا:۔

’’ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ اپنے فرائض کو ادا کرنے کا اپنے اندر اس قدر احساس رکھتے تھے کہ ایک دفعہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے شام کی طرف اپنا لشکر روانہ فرمایا تو آپؐ نے فرمایا کہ میں زید بن حارثہؓ کو اس لشکر کا کمانڈر مقرر کرتا ہوں۔ لیکن اگر زیدؓ اس جنگ میں شہید ہو جائیں تو جعفرؓ بن ابی طالب کمانڈر ہوں گے۔ اور اگر جعفرؓ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہؓ بن رواحہ کمانڈر ہوں گے۔ اور اگر عبداللہ بن رواحہؓ بھی شہید ہو جائیں تو پھر مسلمان خود کسی کو منتخب کر کے اپنا افسر بنا لیں1۔ جب آپؐ یہ ہدایات دے رہے تھے تو اُس وقت ایک یہودی بھی پاس بیٹھا آپؐ کی باتیں سن رہا تھا۔ آپ جب اپنی بات ختم کر چکے تو وہ یہودی وہاں سے اٹھا اور سیدھا حضرت زیدؓ کے پاس پہنچا اور اُن سے کہنے لگا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے نبی ہیں تو تم اس جنگ سے کبھی زندہ واپس نہیں آؤ گے کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ اگر زیدؓ جنگ میں مارے جائیں تو جعفرؓ کو کمانڈر بنا لینا۔ اور اگر جعفرؓ بھی مارے جائیں تو عبداللہؓ بن رواحہ کو کمانڈر بنا لینا۔ اور اگر عبداللہؓ بن رواحہ بھی مارے جائیں تو پھر کسی اَور کو اپنا افسر بنا لینا۔ اِس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تم تینوں مارے جاؤ گے۔ حضرت زیدؓ نے جواب دیا کہ ہم مارے جائیں یا زندہ رہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہرحال سچے نبی ہیں۔2

آخر واقعہ بھی اِسی طرح ہوا کہ جب لڑائی ہوئی تو یہ تینوں صحابہؓ یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کے متعلق ذکر آتا ہے کہ جب وہ کمانڈر مقرر ہوئے تو انہوں نے اسلامی جھنڈا اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اُس وقت میدانِ جنگ کی یہ حالت تھی کہ دشمن کی تعداد ایک لاکھ کے قریب تھی اور مسلمان صرف تین ہزار تھے۔ جب عبداللہؓ بن رواحہ دشمن کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھے تو لڑتے لڑتے ان کا دایاں ہاتھ کٹ گیا۔ اِس پر انہوں نے جھٹ اپنے دوسرے ہاتھ میں جھنڈے کو تھام لیا۔ اور جب ان کا دوسرا ہاتھ بھی کٹ گیا تو انہوں نے جھنڈے کو اپنی رانوں میں دبا لیا۔ اس

کے بعد کفار نے ان کی ایک ٹانگ بھی کاٹ دی۔ اُس وقت چونکہ وہ مجبور تھے اور جسم کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جہاں جھنڈے کو وہ سنبھال کر رکھ سکتے اس لئے انہوں نے زور سے آواز دی کہ اب میں جھنڈے کو نہیں سنبھال سکتا اس لئے دیکھنا اسلام کا جھنڈا سرنگوں نہ ہونے پائے۔ یہ سن کر حضرت خالدؓ بن ولید آگے بڑھے اور انہوں نے جھنڈا اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ یہ لشکر ابھی مدینہ نہیں پہنچا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ ان تمام واقعات کی خبر دے دی اور آپؐ نے صحابہؓ کو بتایا کہ جب اسلامی لشکر کفار کے مقابلہ میں کھڑا ہوا اور زیدؓ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے تو زیدؓ کی جگہ جعفرؓ کو کمانڈر مقرر کیا گیا۔ اور جب جعفرؓ شہید ہو گئے تو عبداللہؓ بن رواحہ کو کمانڈر مقرر کیا گیا اور جب عبداللہؓ بن رواحہ بھی شہید ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا کہ اب وہ جھنڈا سَیْفٌ مِنْ سُیُوْفِ اللّٰہ یعنی حضرت خالد بن ولید کے ہاتھ میں آ گیا ہے اور وہ اسلامی لشکر کو حفاظت کے ساتھ واپس لا رہے ہیں3۔

اب دیکھو حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کی قربانی کس قدر عظیم الشان تھی عام طور پر کسی شخص کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھ جائے یا اُس کی ایک انگلی پر بھی زخم آ جائے تو وہ بے چین ہو جاتا ہے۔ مگر ان کا پہلے ایک بازو کٹ گیا تو انہوں نے اپنے دوسرے بازو میں جھنڈے کو پکڑ لیا اور جب دوسرا بازو بھی کٹ گیا تو اُسے رانوں میں تھام لیا۔ اور جب ایک ٹانگ بھی کٹ گئی تو اُس وقت انہوں نے آواز دی کہ دیکھنا اسلام کا جھنڈا سرنگوں نہ ہونے پائے۔ اِس فدائیت اور جاں نثاری کی کیا وجہ تھی؟ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے دلوں میں یہ یقین رکھتے تھے کہ خدا نے ہمیں ایک عظیم الشان کام کے لئے پیدا کیا ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کے لئے اپنی موت تک جدوجہد کرتے چلے جائیں۔ جب یہ یقین اور ایمان کسی جماعت کے اندر پیدا ہو جائے تو وہ خدا تعالیٰ کے لئے ہر قسم کی مشکلات کو دیوانہ وار برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔ اور پھر خدا تعالیٰ کی غیرت بھی یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ وہ تو خدا تعالیٰ کے لئے اپنی جانیں قربان کریں

اور خدا تعالیٰ اُن کی تائید نہ کرے۔'' (الفضل 7 جنوری 1961ء صفحہ 3، 4)

1: بخاری کتاب المغازی باب غزوة موتة من ارض الشام حدیث نمبر 4261 صفحہ 722 الطبعة الثانية مطبوعہ ریاض 1999ء

2: السیرة الحلبیة جلد 3 صفحہ 156 الطبعة الاولیٰ مطبوعہ بیروت 2012ء

3: بخاری کتاب المغازی باب غَزْوَة الطائف حدیث نمبر 4330 تا 4333 صفحہ 722 الطبعة الثانية مطبوعہ ریاض 1999ء

صحابہ رسول ﷺ کا بلند مرتبہ

حضرت مصلح موعود نے 28 دسمبر 1960ء کے جلسہ سالانہ ربوہ کے آخری روز کے خطاب جو کہ مولانا جلال الدین صاحب شمس نے پڑھ کر سنایا میں فرمایا:۔

''عالم اسلام میں بڑے بڑے بادشاہ گزرے ہیں مگر جو مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک چھوٹے سے چھوٹے صحابیؓ کو بھی ملا وہ ان بادشاہوں کو نصیب نہیں ہوا۔ ان بادشاہوں اور نوجوانوں کو بیشک دنیوی دولت ملی مگر اصل چیز تو صحابہؓ ہی کے حصہ میں آئی۔ باقی لوگوں کو تو صرف چھلکا ہی ملا۔ یہ تقسیم بالکل ویسی ہی تھی جیسے غزوہ حنین کے بعد جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں میں اموالِ غنیمت تقسیم کئے تو ایک انصاری نوجوان نے بیوقوفی سے یہ فقرہ کہہ دیا کہ خون تو ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے اور مال مکہ والوں کو دے دیا گیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع پہنچی تو آپؐ نے تمام انصار کو جمع کیا اور فرمایا اے انصار! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میں سے ایک نوجوان نے یہ کہا ہے کہ خون تو ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے اور مالِ غنیمت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کو دے دیا ہے۔ انصار نہایت مخلص اور فدائی انسان تھے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سن کر اُن کی چیخیں نکل گئیں اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم ایسا نہیں کہتے۔ ہم میں سے ایک بیوقوف نوجوان نے غلطی سے یہ بات کہہ دی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انصار! اگر تم چاہتے تو تم یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے فتح و کامرانی بخشی اور اسے عزت کے ساتھ اپنے وطن

میں واپس لایا۔ مگر جب جنگ ختم ہوگئی اور مکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں آ گیا تو مکہ والے تو بکریوں اور بھیڑوں کے گلّے ہانک کر اپنے گھروں میں لے گئے اور انصار خدا کے رسول کو اپنے گھر میں لے آئے1۔

اِسی طرح بیشک صحابہؓ کے بعد آنے والوں کو بڑی بڑی دولتیں ملیں، حکومتوں پر انہیں قبضہ ملا مگر جو روحانی دولت صحابہؓ کے حصہ میں آئی وہ بعد میں آنے والوں کو نہیں ملی۔ پس خدمتِ دین کے اِس اہم موقع کو جو تمہیں صدیوں کے بعد نصیب ہوا ہے ضائع مت کرو اور اپنے گھروں کو خدا تعالیٰ کی برکتوں سے بھر لو۔''

(الفضل 7 جنوری 1961ء صفحہ 5)

1: بخاری کتاب المغازی باب غزوة موتة من ارض الشام حدیث نمبر 4262 صفحہ 722 الطبعة الثانية مطبوعہ ریاض 1999ء

حضرت ابوبکرؓ کی اطاعتِ رسول ﷺ

حضرت مصلح موعود کی جو املاء کردہ تقریر 28 دسمبر 1961ء کو جلسہ سالانہ ربوہ میں آپ کی زیرصدارت حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے پڑھ کر سنائی اس میں آپ سیرتِ رسول ﷺ کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں:۔

’’رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مرضُ الْموت سے بیمار ہوئے تو آپؐ نے اپنی وفات سے کچھ دن پہلے ایک لشکر رومی حکومت کے مقابلہ کے لئے تیار کیا اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کو اس کا سردار مقرر فرمایا۔1 ابھی یہ لشکر روانہ نہیں ہوا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور سوائے مکہ اور مدینہ اور طائف کے سارے عرب میں بغاوت رونما ہوگئی۔ اُس وقت بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ نے مل کر مشورہ کیا کہ اس موقع پر اسامہؓ کا لشکر باہر بھیجنا درست نہیں کیونکہ اِدھر سارا عرب مخالف ہے اُدھر عیسائیوں کی زبردست حکومت سے لڑائی شروع کر دی گئی تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلامی حکومت درہم برہم ہو جائے گی ۔ چنانچہ انہوں نے ایک وفد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں روانہ کیا اور درخواست کی کہ یہ وقت سخت خطرناک ہے اگر اسامہؓ کا لشکر بھی عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے چلا گیا تو مدینہ میں صرف بچے اور بوڑھے رہ جائیں گے اور مسلمان عورتوں کی حفاظت نہیں ہو سکے گی۔ اے ابوبکرؓ! ہم آپ سے التجا کرتے ہیں کہ آپ اس لشکر کو روک لیں اور پہلے عرب کے باغیوں کا مقابلہ کریں۔ جب ہم انہیں دبا لیں گے تو پھر اسامہؓ کے لشکر کو عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا جا سکتا ہے۔ اور چونکہ اب مسلمان عورتوں کی عزت اور عصمت کا

سوال بھی پیدا ہو گیا ہے اور خطرہ ہے کہ دشمن کہیں مدینہ میں گھس کر مسلمان عورتوں کی آبرو ریزی نہ کرے اس لئے آپ ہماری اس التجا کو قبول فرماتے ہوئے جیشِ اسامہ کو روک لیں اور اسے باہر نہ جانے دیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ جب وہ اپنی منکسرانہ حالت کا اظہار کرنا چاہتے تو اپنے آپ کو اپنے باپ سے نسبت دے کر بات کیا کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے باپ غریب آدمی تھے اور چونکہ ان کے باپ کا نام ابو قحافہ تھا اس لئے اس موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو جواب دیا وہ یہ تھا کہ کیا ابو قحافہ کا بیٹا خلافت کے مقام پر فائز ہونے کے بعد پہلا کام یہ کرے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو آخری مہم تیار کی تھی اسے روک دے؟ پھر آپؓ نے فرمایا خدا کی قسم! اگر کفار مدینہ کو فتح کر لیں اور مدینہ کی گلیوں میں مسلمان عورتوں کی لاشیں کُتّے گھسیٹتے پھریں تب بھی میں اس لشکر کو نہیں روکوں گا جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ کرنے کے لئے تیار کیا تھا۔ یہ لشکر جائے گا اور ضرور جائے گا۔2'' (الفضل 3 جنوری 1962ء صفحہ 2)

1: تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 246 مطبوعہ بیروت 2012ء

2: تاریخ الخلفاء (اردو) علامہ جلال الدین سیوطی صفحہ 108 مطبوعہ لاہور 2002ء

آپ ﷺ کی قوت قدسیہ

جلسہ سالانہ ربوہ 1962ء کے افتتاحی اجلاس کے لیے حضرت مصلح موعود نے جو پیغام بھجوایا اس میں آپ بیان فرماتے ہیں:۔

''دیکھو فتح مکہ تک تمام عرب کفر و شرک میں گرفتار تھا مگر اِدھر مکہ فتح ہوا اور اُدھر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دل کھول دیئے اور وہ جوق در جوق اسلام میں شامل ہونے لگ گئے۔ یہاں تک کہ وہ ہندہ بنت عتبہ جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ کا کلیجہ تک نکلوایا تھا وہ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئی۔ اور جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے یہ اقرار لیا کہ کہو ہم شرک نہیں کریں گی تو ہندہ جو ایک دلیر عورت تھی فوراً بول اٹھی کہ یا رسولَ اللہ! کیا اب بھی ہم شرک کریں گی؟ آپ اکیلے اور بے یار و مددگار تھے، کوئی جماعت آپ کے ساتھ نہ تھی، کوئی ہتھیار آپ کے پاس نہ تھے اور دوسری طرف سارا مکہ تھا اور بڑے بڑے سردار آپ کے مقابلہ میں تھے مگر آپ کا خدا جیتا اور ہمارے بُت ہار گئے، کیا اتنا بڑا نشان دیکھنے کے بعد بھی ہم بت پرستی کرسکتی ہیں؟[1] اب دیکھو ہندہ بنت عتبہ کتنی شدید دشمن تھی مگر پھر کس طرح ایک دن سچے دل سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئی۔

اسی طرح ایک اَور شخص کا واقعہ ہے جو غزوہ حنین سے تعلق رکھتا ہے۔ جب حنین کی جنگ ہوئی تو مکہ کے ہزاروں نومسلم بھی اس جنگ میں شریک ہو گئے۔ مگر چونکہ ایمان ابھی اُن کے دلوں میں راسخ نہ تھا اس لئے جب دشمن نے تیروں کی بوچھاڑ کی تو سب سے پہلے مکہ کے نومسلم میدانِ جنگ سے بھاگے اور اُن کے بھاگنے کی وجہ سے صحابہؓ کی

سواریوں کے قدم بھی اکھڑ گئے اور انہوں نے بھی میدانِ جنگ سے بھاگنا شروع کر دیا۔ جب صحابہؓ نے یہ حالت دیکھی تو انہوں نے بڑی سختی سے اپنی سواریوں کو روکنا شروع کیا مگر وہ اتنی خوف زدہ تھیں کہ ذرا باگ ڈھیلی ہوتی تو وہ پھر پیچھے کو دوڑ پڑتیں۔

اس جنگ میں ایک وقت ایسا آیا جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صرف چند صحابہ رہ گئے۔ اُس وقت ایک شخص جو دل سے کافر تھا اور صرف اس لئے جنگ میں شامل ہوا تھا کہ مجھے موقع ملا تو میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دوں گا اس نے جب دیکھا کہ اس افراتفری کی وجہ سے میدان خالی پڑا ہے تو اُس نے اِس موقع کو غنیمت سمجھا اور اپنی تلوار کھینچ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ شخص خود بیان کرتا ہے کہ جب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہونا شروع ہوا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے اور آپ کے درمیان آگ کا ایک شعلہ بھڑک رہا ہے اور قریب ہے کہ وہ مجھے بھسم کر دے۔ اتنے میں مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنائی دی کہ شیبہ! میرے قریب ہو جاؤ۔ جب میں آپ کے قریب گیا تو آپ نے اپنا ہاتھ میرے سینہ پر پھیرا اور فرمایا اے خدا! شیبہ کو ہر قسم کے شیطانی خیالات سے نجات دے۔ شیبہ کہتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پھیرنا تھا کہ تمام شیطانی خیالات یکدم میرے دل سے نکل گئے اور یا تو میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی نیت سے آگے بڑھا تھا اور یا یہ کیفیت ہوئی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ پیارے نظر آنے لگے۔ پھر آپ نے فرمایا شیبہ! آگے بڑھو اور دشمن سے لڑو۔ تب میں آگے بڑھا اور میں نے دشمن سے لڑائی شروع کر دی اور میں اتنے جوش کے ساتھ لڑا کہ خدا کی قسم! اگر اُس وقت میرا باپ بھی میرے سامنے آتا تو میں اُس کے پیٹ میں اپنا خنجر گھونپ دیتا اور اس کے مارنے سے قطعاً دریغ نہ کرتا۔'' (الفضل یکم جنوری 1963ء صفحہ 2)

1: تفسیر رازی جلد 29 صفحہ 308 مطبوعہ بیروت 1981ء الطبعۃ الاولیٰ

صحابہ رسول ﷺ کے نمونہ کی ضرورت

حضرت مصلح موعود نے 26 دسمبر 1963ء کے جلسہ سالانہ ربوہ کے افتتاحی اجلاس کے لیے جو پیغام بھجوایا اس میں آپ نے بیان فرمایا:۔

’’ آپ لوگوں کی مشابہت دنیا دار لوگوں سے نہیں بلکہ آپ اُن صحابہ کرامؓ سے مشابہت رکھتے ہیں جو غزوہ حنین میں اپنی سواریوں کی گردنیں کاٹ کر خدا کے رسول کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد جمع ہو گئے تھے۔

آپ لوگ جانتے ہیں کہ غزوہ حنین میں دشمنوں کے تیر اندازوں نے اسلامی لشکر پر اپنے تیروں کی بوچھاڑ کی تو اُس وقت مکہ کے نومسلم بڑے بڑے دعوؤں کے ساتھ اگلی صفوں میں جا رہے تھے۔ وہ تیروں کی بوچھاڑ کی تاب نہ لا کر پیچھے کی طرف بھاگے اور ان کے بھاگنے کی وجہ سے صحابہؓ کی سواریاں بھی بدک گئیں اور وہ بھی پیچھے کی طرف دوڑنے لگیں۔ یہاں تک کہ میدان خالی ہو گیا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنے چند صحابہؓ کے ساتھ کھڑے رہ گئے۔ اُس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ عباس! تم زور سے آواز دو کہ اے وہ صحابہؓ جنہوں نے حدیبیہ کے دن درخت کے نیچے بیعت کی تھی اور اے وہ لوگو جو سورہ بقرہ کے زمانہ سے مسلمان ہو خدا کا رسول تم کو بلاتا ہے۔ صحابہؓ کہتے ہیں ہمارے کانوں میں یہ آواز آئی تو ہمیں یوں محسوس ہوا کہ جیسے حشر کا دن ہے اور صُورِ اسرافیل پُھونکا جا رہا ہے۔ اُس وقت ہم میں سے جس کی سواری مڑ سکی اُس نے موڑ لی اور جس کی سواری نے مڑنے سے انکار کیا اُس نے تلوار سے اُس کی گردن کاٹ دی۔ اور خود دوڑتے ہوئے

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے کھڑا ہو گیا[1]۔

اِس زمانہ میں بھی اسلامی لشکر اعداء کے نرغہ میں گھِرا ہوا ہے اور آج بھی کفر کا ہر سپاہی اسلام پر تیروں کی بوچھاڑ کر رہا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اظلال کے ذریعہ مسلمانوں کو آواز دے رہے ہیں کہ اے مومنو! تمہاری سواریاں کہاں جا رہی ہیں؟ آؤ اور میرے اردگرد جمع ہو جاؤ۔ آپ لوگوں کی خوش قسمتی ہے کہ آپ نے صحابہؓ کی طرح اپنے دنیوی علائق کی سواریوں کی گردنیں کاٹیں اور اسلام کے جھنڈے کو بلند کرنے کے لئے اس کے مرکز میں جمع ہو گئے۔'' (الفضل یکم جنوری 1964ء صفحہ 3)

1: مسلم کتاب الجهاد و السیر باب غزوة حنین صفحہ 789 حدیث نمبر 4612 مطبوعہ ریاض 2000ء الطبعة الثانية

انڈیکس

آیات قرآنیہ	3
احادیث	5
کلید مضامین	8
اسماء	13
مقامات	23
کتابیات	26

آیات قرآنیہ

الفاتحة

اِهْدِنَـــا(7,6) 37

البقرة

وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِی (152,151) 64

وَإِذَا سَأَلَکَ عِبَادِیْ (187) 328

اٰل عمران

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ (86) 420

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ (111) 464,245,244

النساء

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوا اللّٰهَ(60) 266

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ(70) 278

أَرْسَلْنَاکَ لِلنَّاسِ رَسُوْلاً (80) 63

وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلاً (126) 22

المائدة

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (4) 64,63

وَإِذْ قَالَ مُوْسٰى(21) 81

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ (25) 452,411

يَا أَيُّهَاالرَّسُوْلُ بَلِّغْ (68) 234

وَاللّٰهُ يَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (68) 269,256

الانعام

وَلَاتَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ (109) 110

الاعراف

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ (159) 63

الانفال

مَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ(18) 320,209,131

التوبة

هُوَ أُذُنٌ(61) 170

لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ (128) 343

الرعد

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٌ(8) 448

النحل

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ (128) 318

بنی اسرائیل

اَقِمِ الصَّلٰوةَ (80,79) 323

الکهف

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ(47) 218

الحج

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ (40) 112

النور

لَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ (47) 293

الفرقان

جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَاداً (53) 139

الشعرا

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ (4) 344,24

وَإِنَّه‘ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (193تا195) 214,213,211

سبا

وَمَآ أَرْسَلْنَاکَ إِلَّا كَآفَّةً (29) 63

فاطر

وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُه‘ (11) 327

الفتح		**الواقعة**		يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ	
إِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحاً مُّبِيْناً		لَا يَمَسُّه‘ إِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ		(8,7)	341
(2تا4)	80	(80)	130	**الكوثر**	
ق		**الجمعة**		إِنَّآ أَعْطَيْنَاکَ الْكَوْثَرَ	
وَأَنبَتْنَا فِيْهَا(8)	450	يُزَكِّيْهِمْ(3)	130	(2تا4)	365,339
الذاريات		**المزمل**		**النصر**	
وَفِىٓ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ		إِنَّآ أَرْسَلْنَآ إِلَيْكُمْ		إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ	
(20)	376	(16)	277	(2تا4)	351
الطور		**القيٰمة**			
فَإِنَّکَ بِأَعْيُنِنَا(49)	53	لَا تُحَرِّکْ بِهٖ لِسَانَکَ			
النجم		(17)	211		
دَنَا فَتَدَلّٰى(10,9)	327	**النازعات**			
القمر		وَالنَّازِعَاتِ غَرْقاً			
وَلَقَدْ جَآءَ آلَ فِرْعَوْنَ		(2)	341		
(42تا47)	71,70				

احادیث

ا

اَحْیَانًا یَتَمَثَّلُ 214

اِذَا هَلَکَ کِسْرٰی 127

اُغْزُوْا بِاسْمِ اللّٰهِ 112

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب 416

اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ 131

اِنَّ مِنْ اَکْبَرِ الْکَبَائِرِ 456

س

سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَیْتِ 372

ع

عَلَیْکَ بِذَاتِ الدِّیْنِ 146

ق

قَاتِلُوْا مَنْ کَفَرَ بِاللّٰهِ 112

ک

کَانَ فِی الْهِنْدِ نَبِیًّا 448

ل

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ 441,397,199

لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا 356,237,207

لَا تُخَیِّرُوْنِیْ عَلٰی مُوْسٰی 457

لَا تُفَضِّلُوْنِیْ عَلٰی مُوْسٰی 110

لَاتَقْتُلُوْا اِمْرَاَةً 113

لَا تَقْرَبُوْا نَخْلاً 114

لَا تَقْطَعُوْا شَجَراً 114

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ 464,461

لَنَا مَوْلٰی وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ 311

لِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقٌّ 176,175

م

مَعَاذَ اللّٰهِ 454

ن

نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ 184

و

وَلَا تَغْدِرُوْا 112

وَلَا تَغْلُوْا 112

وَلَا تَقْتُلُوْا وَلِیْدًا 113

وَلَا تُمَثِّلُوْا 113

وَلَا تَهْدِمُوْا بِنَاءً 114

وَلَا کَبِیْرًا فَانِیاً 113

وَلَا مُعْتَزِلًا بِصَوْمَعَةٍ 113

ی

یَا عَائِشَةُ تِلْکَ بِتِلْکَ 15

احادیث بالمعنٰی

(ترتیب بلحاظ صفحات)

اگر خدا نیکی کا موقع دے 7

جب گنہگار خدا کی طرف آتا ہے 8

دوست تمہارے چہرے پر بشاشت دیکھے 12

جو خدا نے کہا ہے مانوں گا 16

لوگ پل صراط سے گزریں گے 17

خدا کا ایک بندہ تھا 22

ابوبکر مجھے اتنا پیارا ہے 22

یہ میرے رب کی تازہ نعمت ہے 23

میرا نام محمد ہے 26

بیٹھ جاؤ 426,29

اللہ نے شراب کو حرام قرار دیا ہے 30

تم سے پہلے لوگوں سے سلوک 37

مجھے اسود و احمر کی طرف بھیجا گیا ہے 38

خدا تمہیں دیکھ رہا ہے 53

اگر مجھے اونٹ اور گھوڑے مل جائیں 59
اے انصار! مجھے اطلاع ملی ہے 60
میں نے تمہارا کیا بگاڑا 67
قولِ صادق عمر کی زبان سے جاری 93
فلاں جگہ جاؤ 95
عباس! ابوسفیان کو خیمہ میں لے جاؤ 99
تیرا برا حال ہو 101
جو شخص ابوسفیان کے گھر میں گھسے گا 101
یہ بلال کا جھنڈا ہے 102
مسلمانوں میں اختلاف نہیں ہوگا 103
تم نے اس کو کیوں مارا 116
اس کا جہاد جہاد نہیں 117
جب مفتوحہ علاقوں میں جاؤ 117
میرے خدا نے تمہارے خدا کو مار ڈالا 119
تمہارا خریدار تو خود خدا ہے 123
میں نے ہتھوڑا مارا 126
کوئی مجھ سے فیصلہ کروائے 131
مجھے مشورہ دو 410,136
اللہ کے فضل سے جنت میں جاؤں گا 387,138
آدھا دین عائشہ سے سیکھو 145
جو طلحہ کو مارے دوزخی ہوگا 149
طلحہ! یہ تیر لے اور دشمن پر چلا 150
لوگو! تمہیں کیا ہو گیا ہے 154
اسے شہد پلاؤ 191,162,161 413,322,202
مجھے اللہ کی طرف سے بتایا گیا 163
اے مدینہ کے لوگو! 166,165
حوض کوثر پر برکتوں کو لینا 166
اگر محمد کی بیٹی فاطمہ چوری کرے 168
یہ خائن تھا 171
جب تم جمعہ کے لیے مسجد آؤ 176
مجھے یہ خبر پہنچی ہے 179,178
اگر یہ جماعت ہلاک ہوگئی 181
تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے 202,191
اگر تم سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر 214
وحی صلصلۃ الجرس کی طرح 214
میں نے زید کو آزاد کر دیا 226
جا کر دیکھو دشمن کا کیا حال ہے 231
ابوبکر مجھے چھوڑ دو 261,238
خدا نے مجھے کالے گورے سب کے لیے مبعوث فرمایا 242
شیبہ! میرے قریب آجاؤ 479,416,258
خدا کا رسول تمہیں بلاتا ہے 262
اس قوم کے مجھ پر احسانات ہیں 264
اگر دس یہودی مسلمان ہوں 281
اس امت کو کیا خطرہ ہو سکتا ہے 289
میں قرآن لکھواتا ہوں 302
چپ رہو 310
جاؤ اور انس کو تلاش کرو 315,314
میں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے 318
جو تمہیں پیارا ہے ہمیں بھی پیارا ہے 442,331
خطرہ ہو تو مسجد میں جمع ہو جایا کرو 347
عورتوں کو فلاں جگہ جمع کرو 348
ابوسفیان کو اپنے ساتھ لے جاؤ 361
جانور کو اس کے بچہ کی وجہ سے دکھ نہ دو 378
نماز پڑھا دیں 384
عورتوں کی طرف جاؤ 385
کیا میں خدا کا شکریہ ادا نہ کروں 387
ابوسفیان کو صبح لانا 394
اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے 428

اگر اللہ کے سوا کسی کو خلیل بنانا		میرے خدا نے ایران کے		قیامت اشرار الناس پر	468
جائز ہوتا	434	بادشاہ کو مروا دیا	444	اے انصار! مجھے معلوم ہوا ہے	474
تمہیں کس نے حکم دیا تھا	441	تمام انبیاء آپس میں بھائی ہیں	448		
ابھی کچھ ٹھہرو	444	اگر یہ مختصر گروہ	458		

مضامین

ا

احمدی

احمدی کے معنی 26,25

اسلام

اسلام سوشل بننے کو پسند کرتا ہے 12

اسلام کی اشاعت مدینہ میں 74

اسلام نے احکام میں انسان کی ذات کو مدنظر رکھا ہے 176

اسلام میں محبت الٰہیہ کے حصول کا آسان طریق 419

اعتراض

اموال غنیمت کی تقسیم پر حضورؐ پر اعتراض 198,197,179,178 475,474

ایک اعتراض کا جواب 330,329

اللہ تعالیٰ

اللہ کی بندوں سے محبت 469

امت محمدیہ

امت محمدیہ کا بلند مقام 278

الکوثر میں امت محمدیہ کے تمام مخلص افراد شامل ہیں 373,372

انبیاء

تمام انبیاء معصوم 130

انصار

انصار مدینہ سے معاہدہ اور ان کی فدائیت 135 تا 137

ب

بادشاہت

آسمانی بادشاہت کے قیام کی تلقین 128

باغات

محمدی باغات کی مثالیں 277 تا 286

محمدی باغات کے نمونے 287 تا 292

باغ محمدی کے مقابلہ میں دنیوی بادشاہوں کے بے حقیقت باغات 290,289

پ

پل صراط

پل صراط کی تشریح 17 تا 20

پہرہ دار

ابوسفیان اور اس کے ساتھی اسلامی پہرہ داروں کے نرغہ میں 98,97

صحابہ کا آنحضورؐ کا پہرہ دینا 256

پیشگوئی

اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ کی پیشگوئی کا ظہور 366 تا 368

ت

تحریک جدید

تحریک جدید کی غرض 128

تعلق باللہ

خدائی تعلق کا پہلا زینہ خدا کے نبیوں سے تعلق پیدا کرنا ہے 49

تفسیر

سورۃ النصر کی تفسیر 351 تا 363

رسول کریمؐ کے ایک ارشاد کی تفسیر 53 تا 55

تنظیمیں

ذیلی تنظیموں کے قیام کی غرض 465

توکل

توکل کے معنی 206

توکل کا پہلا مقام 206

ج

جماعت احمدیہ

کشمیر اور فلسطین میں جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات 282,281

جنگ

جنگ بدر میں کفار کے جاسوس کا مسلمانوں کے بارے میں تبصرہ 47,46

جنگ احد میں شکست کی وجہ 266 تا 271

جنگ احزاب میں کامیابی کی ایک تدبیر 229 تا 231

ح

حلف الفضول

حلف الفضول کیا ہے 368

خ

خاتم النبیین

جو خاتم النبیین کا منکر ہے وہ اسلام سے باہر ہے 22 تا 36

خدام الاحمدیہ

خدام الاحمدیہ کا مطلب 246

خط

ایک صحابی کا خط پکڑا جانا جو مکہ والوں کو لکھا گیا تھا 94 تا 96

خلع

عورت کے لیے شریعت نے خلع رکھا 189

د

درود

درود میں آل سے مراد روحانی اور جسمانی دونوں 40

دشمن

ایک دشمن کا حضور پر تلوار سونتنا 428,208,207 تا 430

بوقت ہجرت دشمنوں کی حضورؐ کے ارادہ قتل میں ناکامی 237

غزوہ حنین میں ایک دشمن کا ارادہ قتل اور ناکامی 238

دل

سارے عقائد و خیالات دل سے پیدا ہوتے ہیں 215

دین

دینی رشتہ قوموں کو آگے بڑھاتا ہے۔ انہیں غالب کرتا ہے 46

ذ

ذمہ داریاں

انسان پر دو طرح کی ذمہ داریاں 174

ر

رشتہ ناطہ

رشتہ ناطہ کے لئے ایک مرد، عورت کا نمونہ 422,421

روایات

روایات قوم کو سیدھے رستے پر قائم رکھنے میں مدد ہوتی ہیں 37

س

سفیر

ایک کافر سفیر کے حضورؐ کے بارے میں ریمارکس 227

سنجیدگی

انسان سنجیدگی سے متاثر ہوتا ہے 390

ص

صبر

صبر کی توفیق اللہ کی طرف سے ملتی ہے 318

جن کو ئی صبر سے کام لیتا ہے تو اللہ کی مدد اس کے شامل حال ہو جاتی ہے 318

صحابہ

صحابہ کی نیکیوں کی حسرت 7,6

صحابہ کا مزاح 13

صحابہ کا اخلاص و فدائیت 409,43 تا 425,411

صحابہ کی اطاعت کے نظارے 29 تا 30

صحابہ کی فدائیت کے متعلق میور کا اعتراف 233,232

صحابہ کا حضورؐ کا پہرہ دینا 256

صحابہ نے ہر موقع پر حضورؐ کی حفاظت کی 256

صحابہ کی حضورؐ سے محبت 257,256

جنگ حنین میں مخلص صحابہ کا نمونہ
263,262
صحابہ کی بے مثال قربانیاں 383
صحابہ رسول کا بلند مرتبہ 475,474
جنگ احد میں ایک زخمی صحابی کا پیغام
470,410,409
جنگ خندق میں صحابہ کی فدائیت 425
ایک صحابی کا ''بیٹھ جاؤ'' کی آواز
سن کر گلی میں بیٹھنا 426
شراب کی حرمت کے اعلان پر صحابہ
کا مٹکے توڑنا 427,426
صحابہ رسول کے نمونہ کی ضرورت
481,480

صحابیات

صحابیات رسول کی قربانیاں
248 تا255
صحابیات کا جنگ احد میں
عشق رسول کا نمونہ 422 تا424

صلح

صلح حدیبیہ کی شرائط 79,10

ع

عالم

ایک مسلمان عالم کا مناظرے میں
پادری کو لاجواب کرنا 239

عورت

ایک عورت کا بچے سے پیار 8
ایک مسلمان عورت کی حضورؐ
سے محبت 48,47
ایک غیر احمدی عورت کی حضرت
مسیح موعودؑ سے دعا کی درخواست
48,47
ایک مسلمان عورت کی جرأت ایمانی
109
اسلام کی ابتدا میں عورتوں نے
زیادہ خدمات کی 253
جنگ احد میں عورتوں کی فدائیت
313,312

عید

ہماری عید وہی ہے جو حضورؐ کی ہے 316

غ

غداری

اہل مکہ کی طرف سے ابوسفیان
پر غداری کا الزام 92

غزوہ

غزوہ احد ہمارے لیے بہت
سبق رکھتی ہے 266

غلام

خدا کے غلام دنیا کے بادشاہوں
سے زیادہ معزز ہوتے ہیں 123

غیرت

ایک غیر مسلم کی غیرت 425

ف

فتح

مسجد نبوی میں بیٹھ کو دنیا کو فتح
کرنے کے عزائم 124 تا129

ق

قرآن

قرآن خاتم الکتب 34
قرآن نے بزرگوں کی روایات
کو زندہ رکھا ہے 38
قرآن کو سمجھنے کے لیے
معصومیت کی ضرورت ہے 130

قرب الٰہی

ایک مومن حضورؐ کے نقش قدم پر
چل کر خدا کا مقرب بن سکتا ہے
328,327

قربانیاں

کفار کی اولاد کی قربانیاں 330 تا339
عرب بچہ کی پیدائش پر قربانیاں
کرتے ہیں 365

ک

کام

کام کرنے کا جذبہ قوم کو ابھار دیتا ہے 52

کلام اللہ

کلام اللہ کی حفاظت کے ذرائع 236,235

کوثر

کوثر کے معانی 372

گ

گھبراہٹ

رؤسا مکہ میں گھبراہٹ 92

ل

لڑائی

بنوخزاعہ اور بنوبکر میں لڑائی 85,84

لنگر

قرآنی لنگر کے ہمیشہ جاری رہنے کی پیشگوئی 366,365

م

مجالس

راستوں اور بازاروں میں مجالس لگانے کی ممانعت 13,12

مذمم

مذمم کے معنی جس کی مذمت کی گئی 26,25

مذہب

وہی مذہب ہدایت دے سکتا ہے جس میں آیات بینات ہوں 293

مذہب کا فائدہ تبھی ہے کہ وہ اللہ کو غیب سے نکال کر ظاہر میں رکھ دے 293

مساوات

مساوات اسلامی کا مفہوم 172

مسجد

دینی اور قومی کام مسجد میں کرو 12

مسجد نبوی کا نقشہ 125,124

مسلمان

ہر مسلمان خادم ہے 246

مسلمان ہر نیکی کے بعد خوش ہوتا ہے 343

مومن

مومن اپنے ایمان میں اتنی جلدی ترقی کرتا ہے کہ دوسرے کو پتہ بھی نہیں چلتا 20

مومن کو ابدی زندگی کا وعدہ ہے 219

مومن حضورؐ کی نہر کا پھل ہے 219

مومن ہر حالت میں خدا پر بھروسہ رکھتا ہے 311

مومن عمل صالح کے ذریعہ خدا کے قریب ہونے کی کوشش کرتا ہے 328

حضورؐ کی اطاعت انسان کو سچا مومن بناتی ہے 420

ن

نباتات

علم نباتات بھی ایک علم ہے 450

نماز

نماز کے مراتب 53 تا 55

نوبت خانہ

قرآنی نوبت خانہ کی خبر 70 تا 77

خدائی نوبت خانہ کی ایک اور خبر 82 تا 84

نہریں

دنیوی اور روحانی نہروں میں نمایاں فرق 218 تا 220

و

وحی

شرعی، غیر شرعی وحی میں فرق 211

شرعی وحی نبی کے قلب پر بھی نازل ہوتی ہے 211

شرعی وحی جوں جوں نازل ہوتی ہے دلوں کو مضبوط کرتی ہے 211

وحی زبان پر بھی نازل ہوتی ہے 211

تشریعی انبیاء کی وحی میخ کی طرح دل میں گڑھ جاتی ہے 212

وعدہ

فلسطین اور کشمیر کے متعلق خدائی وعدہ	86,85	471 سے متاثر ہونا
279	ی	
وفد	**یہودی**	
بنوخزاعہ کا وفد حضورؐ کی خدمت میں	ایک یہودی کا حضورؐ کی باتوں	

اسماء

آ۔ا

آدم علیہ السلام حضرت
227,130,65,63
447,343,341,283

آمنہ حضرت 67

ابراہیمؑ حضرت 22، 37 تا 40
50,49
283,227,182

ابراہیم ادھم 287,219,308

ابن تیمیہ۔امام 239,217
308,240

ابن قیم 308,287

ابن مردویہ 82

ابوبکرؓ حضرت 93,88,87,22
154,153,144,110,104,102
219,217,207,183,173,172,157
269,261,251,238,237,227
356,313,310,301,285,275
416,415,398,384,359,356
445

آپ کی غیرت ایمانی 42

حضورؐ کی وفات پر ردعمل، نمونہ
52، 433 تا 437

ان کا قیصر و کسری پر رعب 286

حضورؐ کے لئے جانثاری 432,431

آپ کا توحید سے پیار 433 تا 437

آپ کی عظیم قربانیاں 434

لشکر اسامہ کو غیر معمولی حالات
کے باوجود روانہ کرنا 436,435

آپ کی اطاعتِ رسول 477,476

ابوجندل 10

ابوجہل 284,219,68,67
318,301,297,295,294
352,339,336,332,330,319
443,399,373,372,368,353

اس کا حضورؐ کو تھپڑ مارنا
389,388,367

ابوجہل کے لئے خدائی نشان 369

دو لڑکوں کے ہاتھوں مارا جانا 442

ابوجہل کی اولاد سرگودھا کے
اردگرد موجود ہے 438

ابوحنظلہ و ابوسفیان کی کنیت 394

ابو رویحہؓ 396,102

ابوقحافہ 477,286,285

ابوسفیانؓ۔حضرت
244,243,230، 104، 91
310,307,306,275,269 تا 312
362,360,359,331,330,320
442,441,362

ابوسفیان کا معاہدہ کی تجدید
کے لیے مدینہ آنا 86 تا 90
391 تا 393

ابوسفیان کی سراسیمگی 97,96

مسلمانوں کی اجتماعی عبادت
کا ابوسفیان پر گہرا اثر 101,99
395,394,361,228

ابوسفیان کی رسول کریمؐ سے
درخواست 100 تا 102

فتح مکہ کے موقع پر ابوسفیان
کا مکہ میں اعلان 102

ابوسفیان کی ہرقل کے دربار
میں گواہی 197,196

لشکر دیکھ کر فتح مکہ کے موقع
پر حیرانی 394

ابوطالب۔حضرت 21

ابوعبیدہ بن الجراح۔حضرت
401,334,271
احمد بن عبداللہ غزنوی 288
احمد خان۔سرسید 240
اروڑے خان۔حضرت منشی 377
ان کی دردانگیز مثال 378
اسامہ بن زید۔حضرت
477,476,435,116
اسمٰعیل علیہ السلام۔حضرت
50,49,39
اسود عنسی 341
البرٹ وکٹر (ملکہ وکٹوریہ کا خاوند)
366
ام حبیبہؓ۔حضرت 331
ان کا معاویہ سے پیار 441
ان کی غیرت ایمانی
393,360,90
ام ہانی۔حضرت (حضورؐ کی
پھوپھوزاد بہن) 253
انس بن نضر۔حضرت
(ان کی شہادت) 313 تا315

ب

باقی باللہ۔حضرت خواجہ 308,287
بختیار کاکی 219
بدھ۔حضرت 417
بشیر احمد۔حضرت مرزا 476
بلال۔حضرت 102 تا105
396,363,362,296,244
حضرت بلال کا جھنڈا کھڑا
کرنے میں حکمت 102 تا105
بہاؤالدین نقشبندی 287,217

پ

پطرس 418

ث

ثناءاللہ امرتسری 288

ج

جعفر بن ابی طالب۔حضرت
472,471
جلال الدین شمس مولانا
474,470
جنید بغدادی۔حضرت
308,287,217

ح

حاطب 96,95
حذیفہؓ۔حضرت 230
حباب 403
حسنؓ۔حضرت 431,381,89
حسن بصری 287
حسینؓ۔حضرت 431,381,89
حمزہؓ۔حضرت 3،67 تا69
478,358,304,295,294
حضورؐ سے محبت 319,318
368,367,353,352
438 تا440

خ

خالدؓ بن ولید حضرت
284,267,266,183,103
363,338,337,304,294
397,396,374,373
ان کی بہادری 472
ان کا فتح مکہ کے موقع پر
مشرکین کو قتل کرنا 441
خدیجہؓ حضرت 21
حضرت خدیجہ کی حضورؐ
سے شادی 249,248
پہلی وحی پر حضورؐ کو تسلی دینا
251,205
حضرت خدیجہ کی خدمات کا
حضورؐ پر گہرا اثر 253,252
حضورؐ کے دعویٰ پر سب سے
پہلے ایمان 251

ان کا حضورؐ کو مال پیش کرنا
250,249,248

د

داود علیہ السلام۔ حضرت 283
درد۔ حضرت خواجہ میر 287,219

ڈ

ڈسمنڈ شا کے حضورؐ کے بارے
میں ریمارکس (سب سے زیادہ
امن پسند نبی) 213,212

ر

رام چندر جی 448
رحمت اللہ مولوی۔ مہاجر مکی 240
رضیہ سلطانہ 366
روم مولانا 219

ز

زبیرؓ حضرت 149
زیاد 381
زید بن حارثہؓ۔ حضرت
252,226,28,27
471,338,337

س

سجاح 341
سراقہ 357,356
سلمانؓ۔ حضرت 372
سلیم چشتی۔ حضرت خواجہ
287,219
سہیل 10
سید احمد بریلوی 287,219
سید احمد سرہندی 287,219

ش

شبلی 308,287,217
شہاب الدین غوری 245
شہاب الدین سہروردی 287,218
شیبہ 337
شیبہ کا حضورؐ کو قتل کرنے کا ارادہ
مگر معجزانہ قبول اسلام 416,258
479,417

ص

صفیہؓ۔ حضرت 254

ط

طلحہؓ حضرت 149 تا 151
جنگ احد میں تیر برداشت کرنا
272,271

ع

عائشہؓ حضرت 93,92,83,82
,239,149,145,144,138
404,385,252,240
عاص بن وائل 284,338,330,
304,303,373
عامر بن فہیرہ 356
عباسؓ۔ حضرت 98,97,75
228,188,103,101,100
360 تا 362، 480,394
حضرت عباس کی ابوسفیان کو
بچانے کی کوشش 99,98
ان کا ابوسفیان کو حضورؐ کے
دربار میں لانا 395
عبدالجبار مولوی 288
عبدالحق مولوی 288
عبدالرحمٰن بن ابی بکر 398,385
عبدالرحمٰن بن عوف۔ حضرت
442,103
عبدالقادر جیلانی۔ حضرت سید
308,287,219
عبداللہ بن ابی سلول 402
عبداللہ (عبداللہ بن ابی کا بیٹا
اس کا پہلا نام صاب تھا پھر
عبداللہ)
اس کی غیرت ایمانی 403,402

عبداللہ بن رواحہ۔حضرت
472,471

عبداللہ بن عمرو 302

عبداللہ بن مسعود۔حضرت 29

عبداللہ غزنوی 288

عبدالمطلب۔حضرت 262,239

عبدالواحد غزنوی (بن عبداللہ غزنوی)
288

عتبہ 337

عثمانؓ۔حضرت 104,103,88
286,285,227,217,157

عکرمہؓ۔حضرت 294,284,
369,339,299,298,295
443,438,397

عکرمہؓ کا قبول اسلام
332 تا 334، 369 تا 373
399 تا 401

عکرمہؓ کی بہادری اور ایثار
335,334,301,297,296
402,401

علیؓ۔حضرت 88,59,40,13,
149,104,103,95,90,89
303,286,285,251,217,157
393,392,359,332,331

علی ہجویری (المعروف داتا گنج بخش) 287,219

عمرؓ۔حضرت 96,93,88,10
154,153، 104 تا 102، 98
227,219,217,183,157
286,285,275,270,269
334,314,313,311,301
435,431,401,361,359
454,436,

ایک عورت کے مظالم دیکھ کر عمرؓ کا دل نرم ہونا 109,108

روساء مکہ کے بیٹوں پر غلام صحابہ کو ترجیح دینا 374 تا 376

حضورؐ کی وفات پر ردعمل 433

ان کی مالی قربانی 434

عمر بن عبدالعزیز 287

عمرو بن سالم 85

عمرو بن العاص 267,266,103
339، 337، 304 تا 302، 294

انہوں نے اسلام کو مدینہ سے نکالا اور یورپ کی سرحدوں تک پہنچا دیا 373

عیسیٰ علیہ السلام۔حضرت
187,186,182,128,65
240,239,227,218,213
290,286,283,282,279
418,416,407,324,291
465,456,419

غ

غزالی امام
308,287,219,217

غلام احمد قادیانی علیہ السلام۔

حضرت مرزا 154,48,47,26
157، 217 تا 219، 278، 279، 282
283، 288 تا 291، 308، 337
467

آپ کا عقیدہ 35,34

آپ کا الہام انی معین من اراد اعانتک 54

آپ کی ایک عیسائی سے ام الالسنہ ہونے پر گفتگو
236,235

آپ کا اسلام کا دفاع کرنا
241,240

آپ کا اشاعت اسلام کا درد 345

آپ الکوثر کے اول مصداق
373,372

آپ کا لنگر ہمیشہ جاری رہے گا
380,379

ف

فاطمہؓ حضرت
431,357,168,88

فرعون 277,73,71

فضل بن عباس 402,401,335

فریدالدین شکر گنج
308,287,219

ق

قطب الدین بختیار کاکی۔
حضرت خواجہ 308,287

قیصر 127,126,124,118,5
358,348,347,286,227
463,395,361

ک

کارلائل 225

کرشن علیہ السلام۔حضرت 448

کسریٰ 227,127,124,118
395,361,358,286,285
463

کسریٰ قتل کردیا گیا 121,120

کرم الٰہی ظفر مولانا 142

گ

گوئرنگ 71

م

محمد رسول اللہ ﷺ حضرت
خاتم الانبیاء

سوانح

رسول کریمؐ کی زندگی ایک کھلی کتاب
182 تا184

حضورؐ کی تاریخ سے زیادہ محفوظ
تاریخ کسی نبی کی نہیں 182

آپ کی زندگی سورج کی طرح ہے
183

رسول کریمؐ کا اسم گرامی 26,25

میرا نام محمد ہے 26

حلف الفضول میں شمولیت 368

حضرت خدیجہؓ سے شادی
142 تا147،249,248

غار حرا میں عبادت 250

پہلی وحی 251,250

پہلی وحی کے بعد حضرت خدیجہؓ
کی تسلی 251,144

دعویٰ نبوت 462

دعویٰ نبوت کے بعد حضرت
ام ہانی کے گھر پناہ لینا 253

حضورؐ کا سفر طائف 355,354

حضورؐ کو مدینہ تشریف لانے کی
دعوت 76,75

ہجرت کی اجازت 109,108

حضورؐ کی ہجرت 356,355,56

ہجرت کے بعد مدینہ کو مرکز بنانا
157,156

رسول کریمؐ کا اہل مدینہ کے
ساتھ معاہدہ 188

حضورؐ کی فتح مکہ کی تیاری 93,92

مدینہ سے مکہ روانگی کے وقت دعا 94

حجۃ الوداع کے موقع پر سواری
سے گرنا 385

حضورؐ کی آخری بیماری اور نماز
کی تڑپ 385,384

وفات کی خبر اور حضرت ابوبکر
سے اظہار محبت 22

وفات 462

وفات تک آپ کا دماغ کام
کرتا رہا۔فعال زندگی کا ثبوت

حجۃ الوداع تک ملتا ہے 385,384

مقام

آپؐ خاتم النبیین 34

حضورؐ کی بعثت عالمگیر اور
شریعت عالمگیر 63 تا66

سب انبیاء سے زیادہ معصوم 131,130

آپ جسمانی طب کے تمام
اصول سمجھتے تھے 161
آپ اعلیٰ درجہ کے طبیب تھے
203,202
حضورؐ صفت رب العالمین کا مظہر
196 تا198
آپ عالم روحانی کے سب
سے بڑے سمندر 217 تا220
حضورؐ مثیل موسیٰ 277
حضورؐ کا مقام محمود 323 تا326
حضورؐ کے دعویٰ کی عظمت
342,341
گزشتہ انبیاء کے مثیل 447
دونوں جہانوں کے سردار 460
خیر رسل اور خیر امم 461
حضورؐ کی غیر معمولی کامیابی 462
رسول کریم ؐ کی امت کا مقام
245 تا247

سیرت نبوی

آپؐ کی زندگی ہمارے لئے
نمونہ ہے 183
سیرت کے متفرق پہلو
37 تا51، 365 تا381
محمد سے اسم ذات اور اسم صفات
دونوں مراد ہیں 25

اخلاق فاضلہ

حضورؐ کے اخلاق فاضلہ کا
اپنوں اور غیروں پر اثر 226 تا228
اخلاق فاضلہ کے متعلق حضرت
خدیجہؓ کی گواہی 205، 251
حضور ؐ کا غلاموں سے حسن سلوک
242 تا244
بیویوں سے حسن معاشرت 15
حضرت خدیجہ کی محبت ان کی
وفات کے بعد بھی حضورؐ کے
دل میں جوش مارتی 252
رضاعی والدہ کے قبیلہ سے سلوک
263 تا265
ایک غریب صحابی سے پیار
412,123,122,62
معاویہ سے پیار 332,331
مومنوں پر احسانات 343 تا346

بہترین قاضی

حضورؐ بطور قاضی 16
حضورؐ کا عدل وانصاف
224,223,168
ابوجہل سے ایک مظلوم کا
حق دلوانا 369,368,319

مشکلات میں صبر واستقامت

رسول کریم ؐ کی مشکلات 21
حضورؐ کا صبر و برداشت 67 تا69
ابوجہل کے حضورؐ پر مظالم
318، 388 تا390، 438 تا440
رسول کریمؐ پر دشمن کی شدید یلغار
148 تا151
اہل طائف کے مظالم 337,132
حضورؐ کے گلے میں پٹکا ڈال
کر کھینچنا 431,398,357
نماز پڑھتے وقت کمر پر اونٹ
کی اوجھری رکھنا 431,398,357
حضورؐ کی گرفتاری کے لیے
کسریٰ کا حکم 118 تا121
حضورؐ کی بیٹی کے ساتھ کفار
کی بدسلوکی 358,357

شجاعت

رسول کریمؐ کی شجاعت 347 تا350
رسول کریمؐ اور معاہدات کی پابندی
10
حضور اللہ کے شکرگزار بندے 387

فتح مکہ اور عفو وکرم

یوسفؑ سے زیادہ شاندار بدلہ
106,105

فتح مکہ کے موقع پر کفار کو امان دینا
395,362
فتح مکہ پر دشمنوں سے سلوک
199 تا 243,201
391 تا 405
عکرمہ سے حسن سلوک
298 تا 400,300
تقسیم اموال پر اعتراض کرنے
والے کو معاف کرنا 455,454
فتح مکہ کے موقع پر خالد کی سرزنش
397

تعلق باللہ

کلام الٰہی پر حضورؐ کا غیر متزلزل
ایمان 413,322,191
حضورؐ کا توکل علی اللہ 206 تا 208
حضورؐ کا اللہ پر کامل ایمان
428 تا 430
اللہ کی عظمت کا قیام 459,458
غار ثور میں حضرت ابوبکرؓ
کو تسلی دینا 356

خوابیں

حضورؐ کا ایک خواب 78
جنگ احد کے بارہ میں خواب
452,284
عکرمہ کے مسلمان ہونے کے
بارہ میں خواب 297,295
443,336
کشفی نظارے
463,392,127,126

پیشگوئیاں

رسول کریمؐ کے ذریعہ دشمنان
اسلام کے عبرت ناک انجام
کی پیشگوئی 70 تا 77
رسول کریم ؐ کو موسوی باغ ملنے
کی انجیل میں پیش گوئی 279 تا 281
سورۃ الکوثر میں حضورؐ کو روحانی اولاد
عطا ہونے کی پیش گوئی 329 تا 339
شاہ ایران کے بارے میں پیشگوئی
444 تا 446

تعلیم و تربیت

نیکیوں میں آگے بڑھانے
کے لئے حضورؐ کا طریق 7,6
حضورؐ کی حضرت عمرؓ پر ناراضگی 154
حضورؐ کی مالی قربانی کے متعلق
ایک وضاحت 216
حضورؐ کی اخلاقی تعلیمات
457,456

غزوات النبیؐ

جنگوں کے بارے میں ہدایات
112 تا 114
جنگ میں مومن کو قتل کرنے
پر ناراضگی 117,116
جنگ بدر میں نصرت الٰہی کے
لئے گریہ وزاری 181,180
جنگ بدر میں حضورؐ کے لئے
عرشہ 432
جنگ احد کے تناظر میں
رسول کریمؐ اور صحابہ کی سیرت
266 تا 274، 310 تا 315
جنگ احد میں حکمت عملی
276,275
جنگ احد میں درہ پر 50
تیرانداز بٹھانا 266
جنگ احد میں حضورؐ کا زخمی ہونا
442,310,271,268
جنگ احد میں غیرت ایمانی
276,275
حضورؐ کا احزاب میں خندق کھدوانا 44
خندق میں کدال پتھر پر مارنا
463,462
جنگ حنین میں حضور کی شجاعت
260,238 تا 263، 416,415

ایک جنگ کے لئے تین کمانڈر بنانا
471

تائید ونصرت

رسول کریم ؐ کی مدینہ میں کامیابیاں
204

حضورؐ غیر معمولی نصرت کے مورد
210,209

حضورؐ کی دشمنوں سے حفاظت
کے واقعات 234 تا 241

غار ثور میں حفاظت 237

حضورؐ کے باغ کی حفاظت
کے لئے خدا کی تجلیات 289,288

حضورؐ کی حفاظت الٰہی کا وعدہ
234 تا 241

رسول کریم ؐ کے لیے آیات
بینات کا ظہور 393 تا 308

رسول کریم ؐ کی تائید ونصرت
کے نظارے 318 تا 320

سفر طائف سے واپسی پر
مطعم بن عدی کا آپ کو پناہ دینا
354 تا 355

حضورؐ کا سراقہ کے حملہ سے بچنا
357,356

شیبہ کا قتل کا ارادہ مگر معجزانہ نشان
کے طور پر ایمان 417,416

دشمنوں کی اولاد آپ ؐ کی غلام
بن گئی 441 تا 443

قوت قدسیہ

گناہوں سے بچنے کے لیے
حضورؐ کا ایک نسخہ 190,2,1

صحابہ میں جذبہ عمل ہونا 52

رسول کریم ؐ اور اصلاح قلوب
153 تا 155

حضورؐ کی زبردست قوت قدسیہ
415,259,258 تا 419
479,478

رسول کریم ؐ کی مجلس کی برکات
164,163

روحانی اولاد کے لیے معجزات
193 تا 195

آپ کی اطاعت سے چار عظیم
درجوں کا حصول 278

آپ کے نقش قدم پر چل کر انسان
مقرب الٰہی بن سکتا ہے 328,327

اغیار کا اعتراف

عیسائی مصنف کا رلائل کا حضورؐ
کی عظمت کا اعتراف 225

حضور کے بارے میں ڈسمنڈ شا
کی گواہی 408,407

متفرقات

آپ ؐ کے متعلق پیشگوئیاں 75

آپ ؐ کے نزدیک دعوت الی اللہ
کی اہمیت 59 تا 61

غیر مسلموں کے جذبات کا پاس
111,110

کفار کی مخالفت کے جواب
میں پر حکمت تدابیر 158 تا 160

ایک بیمار کا علاج تجویز کرنا
162,161

حضورؐ کی مساوات 173,172

خلع کے متعلق نمونہ 189

ایک عورت کو طلاق دینا 459

حضورؐ پر نازل ہونے والی وحی
211 تا 215

حضورؐ بچپن سے واقف زندگی تھے
248

حضورؐ کا ایک شعر انا النبی
لا کذب 416,262,238

حضورؐ کی ناراضگی کے واقعات
224,223

حضورؐ جانوروں کے لیے رحمت
379,378

حضورؐ کا فرمان مجھے علم غیب حاصل نہیں 451,450

حضورؐ کا صحابہ سے مشورہ لینا 453,452

یہودی، مسلمان کے جھگڑے میں حضورؐ کا حکم فیصلہ 457

رسول کریمؐ کی شفاعت حاصل کرنے کا طریق 138 تا 141

رسول کریمؐ پر اعتراض کے خطرناک نتائج 166,165

رسول کریمؐ کی نظر میں ہماری ذاتی اور معاشرتی ذمہ داریاں 174 تا 176

رسول کریمؐ کے خلاف جھوٹے پراپیگنڈا کے بداثرات 185 تا 187

حضورؐ کے صحابہ کی فدائیت 420,233,232 تا 427

محمد رسول اللہؐ کا باغ دنیا کے چپہ چپہ پر پھیل جائے گا 282 تا 284

حقیقی عید رسول کریمؐ کا جھنڈا ہمیشہ کھڑا رکھنے میں ہے 316 تا 319

آپؐ کے لنگر کا شاندار منظر 376 تا 379

آپؐ کی برکت سے سیدوں کا اعزاز 380,381

آپؐ کا کام قیامت تک جاری رہے گا 468

محمد حسین بٹالوی 288

محمد ظفر اللہ خان۔ حضرت چوہدری 33

محمود احمد۔ حضرت مرزا بشیر الدین مصلح موعود

ڈسمنڈ شا کے بارے میں ریمارکس 213

آپ کے بیان کردہ واقعات 187,186,48,47 408,407,380,213,212

بیان کردہ روایات (مسیح موعودؑ کے بارے میں) 378,377

سفر انگلستان 407,186

1924 میں فلسطین جانا 279

حج پر جانا 425

پردہ نہ کرنے والوں پر ناراضگی 420

محی الدین ابن عربی۔ حضرت 287

مریم علیہا السلام۔ حضرت 416,240,239

مسیلمہ کذاب 341

مطعم بن عدی

طائف سے واپسی پر حضورؐ سے حسن سلوک 132 تا 134 355,354,338,337

معاویہ۔ حضرت 183,33 442,441,306,303

معین الدین چشتی۔ حضرت خواجہ 308,287,219,217

مقداد 452

منور احمد۔ ڈاکٹر مرزا 461

موسیٰ علیہ السلام۔ حضرت 182,110,81,73,72,71 282,280,279,277,227 433,417,411,290,283 466,465,457,452

میسرہ 248

میکس مولر 235

میمونہؓ۔ حضرت 392,82

میور

اس کا جنگ خندق پر تبصرہ 46,45 348,257,256,233,232 425,349

ن

ناصر۔ میر۔ حضرت خواجہ 287

نذیر حسین دہلوی 288

نظام الدین اولیاء

308,287,219

نعیم بن مسعود

جنگ احزاب میں اس کی تدبیر

229 تا 231

نوح علیہ السلام۔ حضرت

447,227,182,63

نورالدین۔ خلیفۃ المسیح الاول

حضرت حکیم مولانا 47

و

وائل 373,28,27

وکٹوریہ ملکہ 366

ولی اللہ شاہ

308,287,219,217

ولید

338,337,330,304,284

ہ

ہارون الرشید 155

ہرقل۔ اس کا حضورؐ کی سچائی سے

متعلق معلومات لینا 197,196

ہارون علیہ السلام۔ حضرت 417

ہمدان شیخ 279

ہندہ 358,295,294

اس کی بیعت کا واقعہ

478,306,305,304,4,3

اس کا ایک جنگ میں مسلمانوں

کو غیرت دلانا 307,306

ی

یزید 381,307,306

یزید کی حضرت امام حسینؓ کی

لاش کی بے حرمتی، صحابی کی

غیرت ایمانی کا واقعہ 381

یعقوب علیہ السلام۔ حضرت 283

یوسف علیہ السلام۔ حضرت

397,106,105

مقامات

آ

آرمینیا 244

آسٹریلیا 464

ا

افریقہ 373

الجیریا 219

امرتسر 114

امریکہ 323,185,126,120
464,445,380,347

انڈونیشیا 380,220

انگلستان 323,212,186,126

ایران 244,220,119,
463,445,444,404

ایشیا 425

ب

بٹالہ 48

بخارا 220,26

بحرین 245

برما 380,220

بغداد 166

بیروت 279

پ

پاکستان 420,380,138,26

پولینڈ 219,126

ت

تھائی لینڈ 464

تیونس 219

ج

جاپان 464

جرمنی 323,126

چ

چین 380,220

ح

حبشہ 158,108,56,21
299,269,244,184,159
399,398.333,332,

حجاز 132

د

دمشق 279

ر

ربوہ 57,27,25,22,6
135,108,78,70,67,
161,158,156,148,138
185,178.174,172,168
242,223,191,190,188
275,266,258,248,245
327,311,291,287,277
444,380,365,347,329
456,454,450,448,447
478,476,474,470,462
480,

روس 324,323,120,
464,380,347

روم 375,285,240,239
463,443

ز

زیورچ 199,196

س

سپین 219,142,126
464,373,331

سرگودھا 438

سسلی 219

سمرقند 26

سندھ 29,10

سنکیانگ 220

سویڈن 464

سیرالیون 219
سیلون 380

ش

شام 374,338,337,248
464,436,435,380,375
471

ص

صنعا 463

ط

طائف 132,59,27
476,354,337,319,133

ع

عرب 464

ف

فلپائن 464,220,126
فرانس 464,126
فلسطین 279تا337,283

ق

قادیان 156,48,47,26
377,292,291,157
قسطنطنیہ 454,286,219

ک

کپورتھلہ 377
کراچی 204,163,53,52,37
کشمیر 283,281,280,279
کنعان 73
کوفہ 381

گ

گولڈکوسٹ 219

ل

لاہور 153,132,114
388,221
لبنان 380
لندن 407,202

م

مدائن 463
مدینہ منورہ 61,60,56,21,10
89,87,85,76,75,70
91تا94،97،102,108
134,126,124,118تا137
144تا146،156،160تا165،166
221,206,204,188,179,178
286,273,268,254,253,237
314,312,311,306,302,291
360,359,357,356,347,320
373،391تا393،401تا404
410،422،424،428تا430
432،435،436،444،445
477,476,472,462,453
مراکش 219
مری 229,232
415,413,318
مصر 304,219,73,71
454,425,373,339,337
مکہ مکرمہ
3،10،21،25تا41,28
68,61,60,59,56,44
70,72,74,76،78تا80
82تا88،91تا96،101
103تا105،108،132تا134
135،144،146،156تا159
165,166,178,179,188,199
200,204,221,226تا228
232,238,243,244,253
258,260,261,273,277
285,286,291,297,298
300,304تا306،311،312
319,320،329تا331،333
337،338،342،353تا356
359,360,362,363,367تا
370،371،374،375,389
391تا393،395تا400،415
431،439،440،441،454
453,462,472,476,478،480

ن	ہسپانیہ 373	یورپ 185,124
نائجیریا 219	ہندوستان 220,26	331,219,207
ناروے 464	464,448,380,246,245	425,408,373,366
ناصرآباد 165,29,3	ہندوستان میں بھی نبی گزرا 448	
نجد 184	ی	
نصیبین 280	یمن 118 تا120	
ہ	463,445,444	
ہالینڈ 380	یُو پی (ہندوستان) 348	

کتابیات

ا

انجیل 418,279

ب

بائبل 419,417,238,38

بخاری 130,42

پ

پاکستان لاء ریویو 10

س

سیر روحانی 110,108,78,70

ل

لائف آف محمدؐ 425

م

مسلم 130

ی

یسعیاہ 216,122,118,116,112 238